# کمپنی کی حکومت

## باری

فہرست


دیباچہ

مغلوں کی سلطنت

ایسٹ انڈیا کمپنی

دکن میں کشمکش بنگال

صنعت اور تجارت

مہاراشٹر

وارن ہیسٹنگز

مقبوضات میں اضافہ

تین بڑے انقلاب

شاہان اودھ

ویلزلی

حیدر علی اور ٹیپو

فوجی شورش
سفارتوں کا دور
بل بہادر
برما پر حملہ
ایک اصلاح پسند
انگلستان پر ایک نظر
ہندوستانی صنعت کی تباہی
شمالی ہندوستان
الحاق
تجدید فرمان
یورپ کی صدی
1857
اخبار اور کتابیں
تختیاں

---

# دیباچہ

غرناطہ کے آخری مسلم تاجدار ابوعبداللہ کی فوج شکست کھا چکی ہے۔ ابوعبداللہ اپنی جان بچا کر شاہی محلات سے دوڑ رہا ہے۔ سات سو سال تک ہسپانیہ پر حکومت کرنے کے بعد میں ایک گداگر کی طرح غرناطہ کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ رہا ہوں، اس نے سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔ شکست خوردہ تاجدار کی کوئی منزل مقصود نہ تھی۔ وہ لکڑی کے اس ٹکڑے کی مانند تھا جو سمندر کی موجوں کے رحم وکرم پر ہو۔

ابوعبداللہ ایک پہاڑی پر رک جاتا ہے۔اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔الحمرا! دنیا کی یہ حسین ترین عمارت ابوعبداللہ کو واپس نہ بلا سکی۔حسین وجمیل عمارتیں بنانا اور پھر ان کے تحفظ کی قوت کھو دینا کیا کم عبرتناک ہے؟ ابوعبداللہ کی تلوار کند ہو چکی تھی۔ایک ہارا ہوا بادشاہ،الحمرہ پر اس کی آخری نگاہ تھی۔اس کی آنکھیں پرنم تھیں۔وہ رو رہا تھا۔بچوں کی طرح! انسانی تقدیر آنسوؤں سے نہیں بدل سکتی!''میرے لال تم جس الحمرا کی حفاظت مردوں کی طرح نہ کر سکے،اس پر عورتوں کی طرح آنسو بہانے سے کیا حاصل؟'':ابوعبداللہ کی ماں نے کہا۔جس پہاڑی پر ابوعبداللہ نے آنسو بہائے تھے وہ آج تک''مور کی آخری آہ'' کے نام سے مشہور ہے۔سفر کی دشواریوں کے باوجود وہ ساحلِ افریقہ پر پہنچ گیا۔

قرطاجینوں،رومیوں اور گاتھوں کے بعد عربوں نے ہسپانیہ پر قبضہ کیا۔عربوں نے خاک اندلس کو عروج وارتقاء کی اس بلندی پر پہنچا دیا جو اس سے پہلے اسے نصیب نہ تھی۔عربوں نے ہسپانیہ کے طول وعرض میں محلوں،مسجدوں، مدرسوں،حماموں،ہسپتالوں،نہروں اور پلوں کا ایک وسیع سلسلہ قائم کیا۔ ہسپانیہ کو منطقہ حارہ کے پھلوں اور سبزیوں سے پہلی مرتبہ روشناس کرایا۔کاغذ اور شکر بنانے کے کارخانے قائم کئے۔جب یورپ کے دوسرے ملکوں میں کلیساؤں کے علاوہ کہیں کتاب دکھائی نہ دیتی تھی اس وقت قرطبہ اور غرناطہ کے بازاروں میں قاہرہ اور بغداد کے اربابِ فکر کی تازہ ترین کتابیں فروخت ہوتی تھیں۔ شاہی کتب خانہ میں چار لاکھ سے زیادہ کتابیں موجود تھیں۔عوام ان کتابوں سے پوری طرح فائدہ اٹھا سکتے تھے۔عربوں نے ہسپانیہ میں سونے اور چاندی کی نئی کانیں دریافت کیں۔ہسپانیہ میں ریشمی، سوتی اور اونی کپڑوں کے بیشمار کارخانے تھے۔ان کارخانوں کے بنے ہوئے کپڑے قسطنطنیہ(استنبول) پہنچ کر دینیوب کے ذریعہ مشرقی یورپ میں فروخت ہوتے۔جس زمانہ میں انگلستان کا پادری لاطینی کے دو جملوں کا اپنی مادری زبان میں ترجمہ نہیں کر سکتا تھا اور جب اٹلی میں ہر اس پادری کو جادوگر خیال کیا جاتا تھا جسے ریاضی کے چند ابتدائی قاعدوں کا بھی علم ہوتا،اس زمانہ میں ہسپانیہ ہی تنہا یورپی ملک تھا جس میں ہر بچے کے لئے ابتدائی تعلیم لازمی تھی اور جس کے ہر شہر میں ایک پبلک لائبریری تھی اور جہاں ہر شخص کو کتابیں جمع کرنے خبط تھا۔جہاں کی عورتوں نے صرف ونحو اور شعروشاعری میں نام پیدا کیا۔ہسپانیہ کے سائنس دان کیمیائی تجربوں میں مصروف رہتے۔رصدخانوں میں سیاروں کی گردش کا مطالعہ کیا جاتا۔ جہاں ہوائی جہازوں کے تجربے کئے جا رہے تھے۔جس کی دانش گاہوں میں دینیات،ادب،طب،

ہیئت، ریاضیات، فلسفہ، تاریخ قانون، کیمیا اور طبیعات کا درس دیا جاتا تھا۔

فرڈیننڈ نے عربوں کو ہسپانیہ سے خارج کر دیا لیکن شاہ پرتگال انہیں افریقہ میں بھی چین سے نہیں بیٹھنے دیتا تھا۔ اس کے قبضہ میں ایسے جانباز اور مہم پرداز تھے جو عربوں سے لڑنے کے لئے دنیا کے ہر گوشہ میں جانا چاہتے تھے۔ چنانچہ شاہ پرتگال نے ایک جنگی بیرہ تیار کیا۔ یہ بیڑہ فوجی بینس اور سنکھ بجاتا ہوا قیوط پہنچا۔ قیوط جبل الطارق کے بالمقابل افریقی ساحل پر واقع ہے۔ پرتگیزوں نے شہر پر قبضہ کر لیا۔ اس مہم میں شاہ پرتگال کے چھوٹے بیٹے پرنس ہنری نے بہت اہم حصہ لیا۔ پرنس ہنری نہ صرف ایک بہادر سپاہی تھا بلکہ ایک مشہور و مصروف طالب علم بھی تھا۔ سائیسر وسینیکا اور پلینی کے مطالعہ سے اس نے اپنے ذہن کو روشن کر رکھا تھا۔ یونانی اور عرب ماہرین جغرافیہ کی کتابوں نے اس کے دل میں جہاں بینی اور جہاں بانی کا شوق پیدا کیا۔ پرنس ہنری کا قدم اب اس براعظم پر تھا جس کی معدنی دولت، صحرائی اور جنگلی زندگی کے رومانی افسانے اسے بچپن سے سنائے جا رہے تھے۔ اس نے جنگی قیدیوں سے اندرون ملک کے حالات دریافت کئے، انہوں نے مہم پرداز شہزادہ کو مراکش کے شہروں کی دولت اور وہاں کے علم و فضل کے حالات سنائے، اطلس کی برف پوش چوٹیوں کے جنوب میں صحرائے اعظم کا ذکر بھی کیا۔ شہزادہ کو بتایا گیا کہ اس صحرا کے جنوب میں ایک بہت بڑا ملک ہے جس میں نیگرو آباد ہیں اور جہاں معدنی دولت کا کوئی شمار نہیں اور جس میں بڑے بڑے دریا ہیں۔ 'سیاہ برِ اعظم' تک مراکش سے خشکی کے ذریعہ سات دن کا سفر ہے۔ سمندر کے ذریعہ اگر اس ملک تک پہنچنا ہو تو صحرائی ساحل کے ساتھ ساتھ جنوب کی طرف سفر کرنے سے اس ملک کے دریاؤں کے دہانوں تک پہنچ سکتے ہیں۔''

قیدیوں کی اس معلوماتی بات چیت نے پرنس ہنری کی زندگی کا فیصلہ کر دیا۔ صحرا کے جنوب میں واقع ممالک کی تلاش اس کی زندگی کا مقصد بن گئی۔ اس نے ایک رصد خانہ تیار کیا۔ ایک بحری اسکول جاری کیا۔ اس کے دربار کی رونق طوفانی تباہ کاریوں سے بچے ہوئے ملاحوں اور جہازیوں سے تھی۔ مارکو پولو کا سفرنامہ اس کی بائیبل تھا۔ اپنے عرب دوستوں کی مدد سے اس نے دنیا کا نقشہ سنگ مرمر پر کندہ کرا رکھا تھا۔ پرنس کے قبضہ میں بہت دولت تھی۔ دولت کی اس فراوانی نے ذوق سفر اور شوق جستجو کو آسان کر دیا۔

جب سارا سامان سفر تیار ہو گیا تو شہزادے نے حکمِ سفر دیا۔ مہم پردازوں کے یہ جہاز افریقہ کے

مغربی ساحل کے ساتھ ساتھ روانہ ہوئے۔ان کے دائیں طرف اوقیانوس کی تاریکیاں اور بائیں جانب صحرائی شعلے تھے۔شہزادہ کے ساتھیوں کو اس امر کا بہت کم یقین تھا کہ ریت کے اس سمندر کے جنوب میں روئیدگی کے کوئی آثار دکھائی دے سکتے ہیں۔چنانچہ کئی سال صرف ہو گئے۔

پرنس ہنری اپنے قلعہ میں بیٹھا اس مہم کے نتائج پر غور کرتا، بحیرہ اوقیانوس کے کنارے پر کھڑا ہو کر وہ گھنٹوں موجوں کا رقص دیکھتا۔ساحل اوقیانوس کا یہ محل بین الاقوامی تاریخ میں بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے لیکن اس زمانہ کے عوام اس قلعہ کو کسی جادوگر کا غار خیال کرتے ہوں گے۔جب راہگیر دراز قامت شخص کو کمبل میں لپٹا ہوا اور ٹوپی پہنے ہوئے دیکھتے تو مارے خوف کے بھاگ جاتے۔چاندنی راتوں میں یہی شخص اپنی رصدگاہ میں ایک عجیب وغریب آلہ ہاتھ میں لئے آسمان پر نظر دوڑاتا ہوا دکھائی دیتا۔پرنس ہنری یکے بعد دیگرے کئی جہاز روانہ کر چکا تھا لیکن اسی اثنا میں لزبن میں شہزادہ کے خلاف یہ جذبہ پیدا ہو گیا کہ وہ مقدس کلیسا کی دولت کو محض تسکین جنون کے لئے خرچ کر رہا ہے۔اس زمانہ میں یورپی عوام کا یہ خیال تھا کہ صحرائے اعظم کے جنوب میں جہنم ہے۔اور پرنس پرتگیزوں کو دوزخ میں بھیج رہا ہے۔عوام کے اس جغرافیائی عقیدہ پر شہزادہ اپنے اوقیانوسی قلعہ میں بیٹھا مسکراتا ہوگا۔

ایک ایسا حادثہ رونما ہوا جس نے پرتگال میں پرنس ہنری کے متعلق رائے عامہ کو بدل دیا۔صحرائی ساحل پر جن لوگوں کو قید کیا گیا تھا، انہوں نے سونے اور نیگر وغلاموں کے عوض اپنی رہائی حاصل کرنا چاہی۔لزبن کے لوگوں کو معلوم ہوا کہ ''جہنم'' میں سونے کی کثرت ہے۔تو انہوں نے پرنس ہنری کی مخالفت ترک کر دی۔لزبن میں ''جہنم'' سے تجارت کرنے کے لئے تجارتی کمپنیاں قائم کی گئیں۔شہزادہ کو اس امر کا یقین ہو گیا تھا کہ افریقی ساحل کے ساتھ ساتھ سفر کرنے سے انسان ہندوستان کے ساحل تک پہنچ سکتا ہے۔وینسی دوستوں نے شہزادہ کو جو مکتوب اور نقشے بھیجے ان سے شہزادہ کا یقین مزید مستحکم ہو گیا۔چنانچہ اس نے یورپ سے اس امر کا اجازت نامہ حاصل کر لیا کہ ہندوستان تک پرتگیزی جن علاقوں کو تلاش کریں وہ تاج پرتگال کے زیر نگیں ہوں گے۔

پرتگیزوں نے گولڈ کوسٹ دریافت کر لیا تھا۔ایلمینہ میں ایک قلعہ اور ایک گرجا تعمیر کیا گیا۔شہزادہ ہنری کے بعد شاہ جون ثانی نے ان مہموں کو جاری رکھا۔لزبن میں ملاحوں، جہازیوں، تقدیر آزماؤں اور مہم پردازوں کا بہت بڑا اجتماع تھا۔مختلف مقامات کے تقدیر آزما اپنی خدمات پیش کر رہے تھے۔ان تقدیر

آزماؤں میں کولمبس بھی تھا۔ افریقی ساحل کی مہموں کی کامیابی کے پیش نظر شاہ پرتگال نے فیصلہ کیا کہ سمندر کے ذریعہ ہندوستان پہنچنے کی مہم بہ جلد روانہ کرنا چاہیے۔ لزبن میں جشن منایا جا رہا ہے۔ ہر مینار پر پھریرے لہرا رہے ہیں۔ دروازوں پر قیمتی کپڑے لٹک رہے ہیں۔ گھنٹیاں بن رہی ہیں۔ گولے چلائے جا رہے ہیں۔ چھتوں پر پرتگیز لڑکیاں نیم مشرقی انداز میں جلوس کی منتظر ہیں۔ جلوس کے آگے ایک شخص قیمتی لباس پہنے ہوئے جا رہا ہے اور اس کے پیچھے چند لوگ ملاحوں کا لباس پہنے ہوئے ننگے پاؤں جا رہے ہیں۔ واسکوڈے گاما اور اس کے ساتھی ہندوستان کی تلاش میں نکل چکے ہیں۔ دو سال آٹھ ماہ گذر گئے۔ لزبن میں پھر وہی رونق تھی۔ شہر میں چراغاں کیا گیا۔ ملاحوں نے ایک عام جلسہ میں لزبن سے کالی کٹ تک کے بحری سفر کے واقعات بیان کئے۔ اسی دن وینس کے سفیر نے اپنی حکومت کو لکھا کہ اس نے لزبن میں ہندوستانی مصنوعات سے لدے ہوئے جہازوں کو دیکھا ہے۔ اس نے اپنے دوسرے خط میں لکھا۔ حکومت وینس نے سلطان مصر کو تو پیں بھیجیں تا کہ وہ انہیں ہندوستان کے شہزادوں تک پہنچا دے۔ انہوں نے سلطان سے درخواست کی کہ انہیں نہر سویز کھودکی نے اجازت دی جائے تا کہ ان کے تجارتی جہاز پرتگیزوں سے پہلے ہندوستان پہنچ سکیں۔ جب پرتگال کو وینس کے ان عزائم کا پتا چلا تو البوکر یک نے سلطان مصر کو ایک تہدید آمیز مکتوب لکھا۔ سلطان کمزور تھا۔ وہ وینس کی مدد نہ کر سکا۔ بحیرہ ہند نے ایک پرتگیزی جھیل کی صورت اختیار کر لی۔ بحیرہ ہند کے ساحل پر شاید کوئی ایسا مقام تھا جہاں پرتگیزوں نے بم باری نہ کی ہو۔ بحیرہ ہند کے پانیوں میں کوئی جہاز حرکت نہیں کر سکتا تھا جب تک کہ اس کے پاس پرتگیزی پاسپورٹ نہ ہوتا۔ وینس والوں نے شاہ پرتگال سے درخواست کی کہ انہیں ایک بہت بڑی رقم کے عوض ہندوستان سے تجارت کرنے کی اجازت دی جائے۔ لیکن شاہ پرتگال نے اہل وینس کی درخواست کو مسترد کر دیا۔ چنانچہ اس استرداد کے بعد ہندوستان کی مصنوعات کی منڈی وینس کی جگہ لزبن بن گئی۔ دجلہ، فرات اور نیل کے شہروں پر تجارتی زوال شروع ہو گیا۔ وسط ایشیا کی کارروائی تجارت کو بہت زیادہ نقصان پہنچا۔ بین الاقوامی تجارت کی مرکزیت بحیرہ روم کے ساحل سے ہٹ کر اوقیانوس کے ساحل پر چلی گئی۔

پرتگال کو حیرت انگیز کامیابی ہوئی۔ افریقہ کے مغربی ساحل مشرقی ساحل (بحر احمر کے ساحل تک) خلیج فارس سے ساحل مالا بار تک، کورومنڈل، مجمع الجزائر سیام اور برما سے کینٹن اور شنگھائی تک قلعوں کی

ایک زنجیر قائم ہوگئی۔ پرتگیزیوں نے مٹھی بھر سپاہیوں سے بڑی بڑی فوجوں کو شکست دی۔ چھوٹے چھوٹے قلعوں کے ذریعہ بڑی بڑی سلطنتوں پر حکومت کی۔لیکن شروع سے آخر تک پرتگیزی وحشی، قاتل اور ڈاکو تھے۔ پرتگال کی حیرت انگیز کامیابی ہماری آنکھیں بند کر دیتی ہیں۔ہم اندھے ہوکر پرتگیزوں کی تباہ کاریوں اور رہولنا کیوں کو نہیں دیکھ سکتے۔لیکن آہستہ آہستہ جب ہم آنکھیں کھولتے ہیں تو ہمارے سامنے پرتگیزی مظالم کی ایک لرزہ خیز تصویر ہوتی ہے۔

پرتگال اور ہسپانیہ کے وسیع مقبوضات کا الحاق فلپ ثانی کے دور حکومت میں ہوا۔اس نے لزبن کی بندرگاہ کو ہالینڈ کے ''بے دین اور باغی'' ولندیزوں پر بند کر دیا۔ولندیزی محض تسکین ذوق کے لئے طویل بحری سفروں کے حامی نہیں تھے۔لیکن جب انہیں اس امر کی ضرورت محسوس ہوتی تو ان کے جہاز بھی تلاش اور دریافت میں چل نکلے۔انگریزوں اور فرانسیسیوں نے بھی ان کا تتبع کیا چنانچہ یہ قومیں منطقہ حارہ میں ایک دوسرے سے لڑتی رہیں۔آخر کار ہر چیز کا تصفیہ ہوگیا۔

کیا محض جغرافیائی تلاش اور دریافت ان قوموں کی مختلف مہموں کا سبب بنی؟ راس امید کا راستہ دریافت ہونے سے صدیوں پیشتر یورپی ملکوں سے ہندوستان کے تجارتی تعلقات قائم تھے، پھر ان قوموں کا ہندوستان کے متعلق اچانک اس قدر پریشان ہونا چہ معنی دارد؟

پندرھویں صدی سے یورپ میں ایک جدید دور کا آغاز ہوتا ہے۔ پندرھویں صدی کے وسط میں ترکوں نے قسطنطنیہ (استنبول) کی دیواروں پر پرچم ہلال لہرایا۔عیسائیوں کی یہ شکست ان کے لئے دنیائے نو کی تخلیق کا باعث بنی۔بغلوں میں کتابیں دبائے ہوئے راہبوں اور پادریوں نے یورپ کی راہ لی۔ان کتابوں کے تراجم یورپ میں علوم وفنون کی ترقی کا باعث بنے۔ جہالت کدہ یورپ یونان روم اور عرب کے تابناک موتیوں سے جگمگا اُٹھا۔ازمنہ وسطیٰ میں علوم وفنون پر راہبوں کی مختصر جماعت قابض تھی۔ یہ راہب عام طور پر خانقاہوں میں مقید رہتے تھے۔عوام کے لئے علم ''شجر ممنوع'' تھا۔اطالیہ کے علمی مرکز ان آوارہ اور بے خانماں راہبوں کے استقبال کے لئے چشم براہ ہوئے۔ پریس کے ایجاد نے اطالیہ، فرانس، جرمنی اور انگلستان میں کتابوں کی ارزاں اور عام کر دیا۔یورپ کی یہ تحریک نشاۃ ثانیہ کہلاتی ہے۔نشاۃ ثانیہ تاریخی ارتقاء کا اہم ترین دور ہے۔

نشاۃ ثانیہ نے یورپ کے مقید ذہن کو وسعت کا راستہ دکھایا۔اس نے تلاش اور جستجو کرنے والوں کو

نئی دنیا بخشی۔ پندرھویں صدی کے نصف تک زمین کے متعلق یورپی قوموں کی معلومات بہت کم تھیں لیکن تجارتی ضروریات نے انہیں مجبور کر دیا تھا کہ وہ زمین کے متعلق اپنے نظریہ پر نظر ثانی کریں۔

ایشیا اور یورپ میں تجارتی تعلقات ازمنہ قدیم سے چلے آتے ہیں۔ قدیم تجارتی راستوں میں شام کا راستہ سب سے پرانا ہے۔ صدیوں تک ہندوستان اور مشرق بعید کی مصنوعات خلیج فارس کے راستہ سے فونیشیا پہنچتی رہیں۔ منگولی اور تاتاری حملوں نے اس تجارتی شاہراہ کو بند کر دیا۔ دریائے نیل کے راستہ سے ہندوستانی مصنوعات اسکندریہ پہنچ کر وینس اور جنیوا کے ذریعہ مختلف مغربی ملکوں میں جاتی تھیں۔ ترکی فتوحات نے جب بحیرہ روم کو ایک ترکی جھیل میں بدل دیا تو یورپیوں کے لیے بحیرہ روم میں جہاز رانی ناممکن ہوگئی۔ وینس کی تجارتی منڈی سے ہسپانیہ اور پرتگال کو بہت کم فائدہ تھا۔ چنانچہ یہ دونوں ملک ہندوستان کا نیا راستہ دریافت کرنے میں مصروف ہو گئے۔ کولمبس ہندوستان کی جستجو کرتا ہوا اور امریکہ جا پہنچا۔ ہسپانیہ اور پرتگال میں بحری مہموں کا آغاز ہوا۔ ان مہموں کے اسباب محض معاشی ہیں۔ ان آبی انسانوں میں تقدیر آزمائی کی روح بھی کارفرما تھی۔ مقام حیرت ہے کہ مختلف سمندروں کے پانی ہسپانویوں اور پرتگیزوں کے دامن سے تعصب کا بدنما داغ نہ دھو سکے۔ معاشی مفاد، جغرافیائی معلومات اور عرب دشمنی کے لئے کشتیوں کے بادبان پھیلا دیئے گئے۔ سائنس اس تڑپ کی تکمیل کا ذریعہ بنی۔ سر سڈنی کے نزدیک ''ان بحری سفروں کی اہمیت صرف جغرافیائی دریافت نہیں تھی۔ ان سفروں نے چشم انسان سے جہالت اور تنگ نظری کا پردہ اٹھا دیا۔ جس زمین کے متعلق انسان کا یہ خیال تھا کہ وہ کائنات کا سب سے بڑا حصہ ہے اس کے متعلق اسے معلوم ہو گیا تھا کہ وہ محض ایک چھوٹا سا ٹکڑہ ہے۔''

واسکو دے گاما ایک عرب ملاح کی مدد سے راس امید کا چکر کاٹتا ہوا ہندوستان کے ساحلی مقام کالی کٹ پر پہنچا۔ ہندوستان نے اپنی روائتی مہمان نوازی کے پیش نظر اس نووارد کا استقبال کیا۔ کالی کٹ کے راجہ زیمورن کو کیا خبر تھی کہ بدو کے افسانوی اُشتر کی طرح پرتگیز بھی اسے خیمہ سے باہر نکالنے کی فکر میں ہیں۔ پرتگیزوں نے کالی کٹ میں ایک فیکٹری قائم کی۔ تین سال بعد کالی کٹ کے سینہ پر ایک پرتگیزی قلعہ نظر آیا۔ تھوڑی مدت بعد پرتگیزی علم گوا کی دیواروں پر لہرایا۔ یہ علم آج تک لہرا رہا ہے۔ کالی کٹ کے لزبنی مہمانوں نے زیمورن کے شاہی محلات کو نذر آتش کرنے سے گریز نہ کیا۔ میزبان کی خدمت میں مہمان کا ہدیہ تشکر!

پرتگیزی آخر اس ملک کے ساحل پر پہنچ گئے جس کی دولت کے افسانے سکندر کے زمانے سے یورپ میں سے جا رہے تھے۔ ہندوستان ایک وسیع ملک ہے۔ یہ ملک اتنا بڑا ہے کہ اسے چھوٹا براعظم کہا جاتا ہے۔اس کا ساحل پانچ ہزار میل ہے۔ خشکی کی سرحد کوئی چھ ہزار میل ہوگی۔شمال میں ہمالیہ پندرہ سو میل تک پھیلا ہوا ہے۔ بندھیاچل نے ہندوستان کو دو حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ ہندوستان اپنی زرخیزی کی وجہ سے غیر قوموں کو اپنی طرف مائل کرتا رہا۔صدیوں تک جنوبی قوموں کا تمدن شمالی ہندوستان کو متاثر کرتا رہا۔حملہ آور قوموں کی نسلیں آج بھی بندھیاچل کے اس پار شمالی ہندوستان کی نسبت بہت کم دکھائی دیتی ہیں۔مختلف قوموں کے یہاں آنے سے ہندوستان میں مختلف تمدنوں کا ایک مجموعہ تیار ہوگیا۔ ہر تمدن ہندوستان کو متاثر کرنے کے بعد خود کسی دوسرے تمدن سے متاثر ہوتا رہا۔ نوحجری عہد میں ہندوستان میں دو قومیں بستی تھیں جس کی یادگار آج تک نیل گری کی پہاڑیوں میں باقی ہے۔اس کے بعد کول اور بھیل اقوام نے ہندوستان کو اپنا گھر بنایا۔صدیوں بعد دراوڑوں نے ان قوموں کو جنوب کی طرف دھکیل دیا۔ دراوڑ ابتدا میں شمالی ہندوستان میں آباد ہونے لیکن آریوں نے ان کے ساتھ وہی سلوک کیا جو وہ کولوں اور بھیلوں سے کر چکے تھے۔آریوں نے دراوڑوں کو شمالی ہندوستان سے نکال دیا۔ وہ جنوبی ہندوستان میں چلے گئے۔آج جنوبی ہندوستان میں دراوڑوں کی اکثریت ہے۔ان کی زبانیں ہندی آریائی زبانوں سے مختلف ہیں۔شمالی ہندوستان میں دراوڑ شہری تمدن کے مدارج تک پہنچ چکے تھے۔ان کا تمدن سومیری تمدن سے ملتا جلتا تھا۔ ہڑپا اور موہنجوداڑو کی کھدائیوں نے ان کے تمدن کی عظمت کو ہمارے سامنے دکھا دیا ہے۔ان شہروں کا تمدن صدیوں کی آغوش میں پلا ہوگا۔مصر،عراق اور ایران کی تہذیبوں کے پہلو بہ پہلو ڈراوڑی تہذیب بھی اپنی قدامت اور عظمت کا پھریرا لہراتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ موہنجوداڑو اور ہڑپا آریوں کے آنے سے صدیوں پہلے شہرت حاصل کر چکے تھے۔سندھ اور پنجاب کا تمدن مصر اور عراق کے ہم عصر تمدن سے کس طرح پیچھے نہیں تھا۔ان شہروں کے لوگ سوتی کپڑا بننا جانتے تھے۔ گھروں میں غسل خانے تھے۔شہریوں کے مکان بہت بلند اور صاف ہوتے تھے۔ان کا مذہب مصریوں اور سومیریوں سے ملتا جلتا تھا۔شمالی کی راہ سے آریوں کی آمد کے ساتھ ساتھ یا ان سے پہلے شمالی مشرقی ہندوستان کے درّوں سے منگولی قومیں بھی ہندوستان میں داخل ہوتی ہیں۔

آریہ شمال مغربی ہندوستان کی راہ سے ہندستان میں داخل ہوتے۔شمالی ہندوستان میں وہ صدیوں

تک دراوڑوں سے لڑنے کے بعد پنجاب پر قابض ہوتے۔ پنجاب سے وہ گنگا کی وادی میں پہنچے۔ جہاں آریوں کی سیاست اور تہذیب اپنے عروج پر پہنچی۔ مگدھ میں ایک عظیم الشان آریہ سلطنت کی بنیاد پڑی۔ مگدھ کی سلطنت کے زمانہ میں گوتم بدھ کا ظہور ہوا۔ بدھ نے اپنے زمانہ کی تمام مجلسی برائیوں کے خلاف بغاوت کی۔ اس کا مذہب عوام کی زبان میں عوام کے لئے تھا۔ ایران نے سندھ اور پنجاب کے کچھ علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ سکندر نے بھی ہندوستان کا رخ کیا۔ پورس نے اس کا مقابلہ کیا۔ یونانی فوجیں بیاس کے کناروں سے واپس ہوئیں۔ پاٹلی پتر افتح کرنے کی ہوس لے کر سکندر کو واپس جانا پڑا۔ یونانی تہذیب نے شمالی ہندوستان کو متاثر کیا۔ سکندر کے جانے کے بعد پنجاب سے چندر گپت موریا اُٹھا۔ اس کے وزیر چانکیہ نے اسے آئین جہاں بانی بتائے۔ چانکیہ کی ''ارتھ شاستر'' نظم ونسق حکومت پر غالباً پہلی کتاب ہے۔ موریا خاندان کے شہنشاہ اشوک کا عہد حکومت رفاہ عامہ کے کاموں سے بھرا پڑا ہے۔ موریا سلطنت کی تباہی کے بعد پانسو سال تک ہندوستان میں کوئی مرکزی حکومت دکھائی نہیں دیتی۔ اس زمانہ میں ساکا او یوچی قوموں نے ہندستان پر دھاوا بولا۔ ساکا قوم کا سب سے مشہور بادشاہ کنشک تھا۔ اسی زمانہ میں بدھ مت اور برہمن مت میں کشمکش ہوئی۔ پُران بھی اسی زمانہ کی یادگار ہیں۔ چھوتھی صدی عیسوی میں گپت سلطنت قائم ہوئی۔ اب پاٹلی پترا کی جگہ اجین کو ہندوستان کی مرکزیت حاصل ہوئی۔ یہ زمانہ برہمن مت کے انتہائی عروج کا زمانہ ہے۔ بکر ماجیت اسی خاندان کا ایک حکمران تھا۔ گپت خاندان کے عہد حکومت میں ہندوستانی علوم وفنون اور صنعت وحرفت نے خوب ترقی کی۔ ہندوستان اور روم میں تجارتی تعلقات قائم ہوئے۔ جنوبی ہندوستان کے لوگوں نے جاوا اور سماٹرا میں اپنی نوآبادیاں قائم کیں۔ گپت خاندان کے زوال کے بعد ہندوستان پھر بیرونی حملہ آوروں کا شکار ہوا۔ اب کے ہن قوم نے شمالی ہندوستان کو تاخت وتاراج کیا۔ راجپوت اور گوجر (گرجر) اسی قوم کی مشہور قبائل تھے۔ مہرگل ہن قوم کا مشہور بادشاہ تھا۔ وہ ہاتھیوں کو پہاڑوں سے گرا کر ان کے مرنے کا تماشا کرتا اور خوش ہوتا۔ ساتویں صدی میں ہرشہ نے ہندوستان کو متحد کرنے کی کوشش کی۔ اس کے نظم ونسق کو ہیون سانگ ہم تک پہنچاتا ہے۔ ہرشہ اگرچہ بدھ مت کا پیرو تھا لیکن اس کے عہد میں شمالی ہندوستان میں برہمن مت نے زور پکڑ لیا تھا۔ ہرشہ کی موت کے بعد ہندوستان کی مرکزیت ختم ہوگئی۔

اسی زمانہ میں عرب میں ایک بہت بڑا انقلاب ہوا۔ ایسا انقلاب نے جس نے انسانی زندگی کی

اقدار کو بدل دیا۔ اسلام نے عربوں کو ہر برائی سے پاک کرنے کے بعد انہیں دنیا کی تاریخ میں اپنی جگہ پیدا کرنے کا درس دیا۔ عرب صدیوں سے آزاد چلے آتے تھے۔ یمن، شام اور عراق بیرونی حکمرانوں کے زیر نگیں رہ چکے تھے۔ لیکن اندرون عرب ان سے بچا رہا۔ اسلام کا ظہور حجاز میں ہوا۔ اسلام صرف بت پرستی اور شرک کے خلاف توحید و وحدت کا ایک عقیدہ ہی نہیں تھا۔ بلکہ وہ ایک معاشی اور اجتماعی تحریک تھی۔ مکہ میں جہاں دولت مند تاجروں کا ایک طبقہ تھا وہاں حبشی غلاموں کی تعداد بھی کافی تھی۔ مکہ کا تاجر سود خوری میں کسی یہودی سے کم نہیں تھا۔ دولت کی کثرت نے ان تاجروں کو عشرت پسند بنا دیا تھا۔ لیکن مکہ کی غالب آبادی افلاس اور بدحالی کا شکار تھی۔ اسلام نے اس عشرت پسندی، بدکاری، سود خوری، اور لوٹ کھسوٹ کو ختم کر دینے کا حکم دیا۔ اسلام مقبول ہو چکا تھا۔ حضرت محمد کی وفات کے بعد خلفائے راشدہ کے عہد میں عربی فتوحات کا دور شروع ہوا۔ بازنطین اور ایران کی زوال پذیر سلطنتوں اور فوجوں کا تازہ دم عرب مجاہدوں سے مقابلہ کرنا محال تھا ان کے پاس ساز و سامان تو تھا۔ لیکن ان کی روح مردہ ہو چکی تھی۔ عربوں نے آس پاس کے مفتوحہ ملکوں کی گری ہوئی آبادی کو سنبھالا۔ انہیں ذلت اور خواری سے نکال کر انسانیت کے دائرہ میں شامل کیا۔ ان کی روحانی اصلاح کی۔ ان کی معاشی مراتب کو بلند کیا۔ عربوں کی یہ انقلاب آفرین فوجیں بہت جلد بنو امیہ کے اشرافیہ کے زیر نگیں ہو گئیں۔ بنو امیہ کے عہد میں عرب فتوحات معراج کمال تک پہنچ گئیں۔ لیکن اسلامی روح بدل چکی تھی۔ بنو امیہ کے عہد میں بعض ایسے قبائل کو اسلام قبول کرنے سے صرف اس لئے روک دیا گیا تھا کہ ان کے مسلمان ہو جانے سے شاہی خزانہ میں کمی ہو جائے گی۔ اسی عہد میں کئی ایک ایرانی قبائل کو مسلمان ہوتے ہوتے بھی جزیہ دینا پڑتا تھا۔ بنو امیہ کے عہد میں غیر عرب مسلمان کو اعلیٰ عہدوں سے محروم رکھا جاتا تھا۔ اسی عہد میں اندرونی کش مکش اور طبقاتی بے چینی کے آثار پیدا ہوئے۔ بنو عباس نے اسی بے چینی اور نچلے طبقہ کی مدد سے امویوں کی سلطنت کو پارہ پارہ کر دیا۔ امویوں کا دمشق خالص عربی شہر تھا۔ عباسیوں کا بغداد عربوں اور ایرانیوں دونوں کا شہر تھا۔ عباسیوں کے عہد میں معاشی بے چینی عام رہی۔ بابک خرمی کی تحریک کو عباسیوں نے بڑی مشکل سے دبایا۔ اس تحریک کے دب جانے کے بعد اسماعیلی تحریک شروع ہوتی۔ اس تحریک کو ہر اس اسلامی ملک میں کامیابی ہوئی۔ جہاں کے عوام بدحال تھے۔ یہ تحریک معاشی اسباب کا نتیجہ تھی۔ یہ نئی تحریک پرانے جاگیردارانہ نظام کے خلاف بغاوت تھی۔ اسماعیلی زمین کو صرف کسانوں میں تقسیم کرنے کے مدعی تھے۔ یہ

تحریک خواص کے خلاف عوام کی تحریک تھی۔ عباسیوں نے ترکوں کی مدد سے اس تحریک کو کچل دیا۔ اسماعیلیوں کی ایک جماعت قرامطہ نے اتنی طاقت اختیار کر لی تھی کہ بغداد کا شاہی جاہ وحشم ان کے نام سے لرزتا تھا۔ دسویں صدی میں ملتان قرامطہ کا بہت بڑا مرکز تھا۔ محمود چونکہ ترک تھا اور اس زمانہ میں ترک عباسیوں کے محافظ تھے اس لئے اس نے ملتان پر حملہ کر کے قرامطہ کی قوت کو ختم کیا۔ موجودہ زمانہ کی اصطلاح میں ہم قرامطہ کی اشتراکی جمہوریت کے حامی کہہ سکتے ہیں۔ معاشی بے چینی اور طبقاتی کش مکش نے عباسیوں کی وسیع سلطنت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ مرکز کمزور ہوتے ہی سلطنت میں کئی ایک آزاد ریاستیں قائم ہوگئی۔ ان میں سے غزنی بھی ایک ریاست تھی۔ اس ریاست کے حکمران سبکتگین کے مرنے بعد اس کے بیٹے محمود کے عہد میں شمال کی طرف سے ہندوستان پر پھر حملہ ہوا۔ پرانے حملہ آوروں کی طرح انہیں بھی کامیابی ہوئی۔ یہ حملہ آور بھی ہنوں، ساکوں اور یوچیوں کی طرح ہندوستان میں آباد ہو گئے۔ لیکن اب کے یہ حملہ آور اپنے ہمراہ ایسی خصوصیات اور ایسا تمدن لائے تھے کہ وہ ہندومت میں جذب نہ ہو سکے۔ محمود کے حملوں سے تین سو سال پہلے عرب سندھ پر قبضہ کر چکے تھے۔

ہرشہ کی موت کے بعد ہندوستان بے شمار چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ گیا۔ محمود کے سپاہیوں کے لئے ان ریاستوں کو شکست دینا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ محمود غزنوی کے ڈیڑھ سو سال بعد محمد غوری نے ہندوستان پر حملے کئے۔ ایبک نے دہلی پر قبضہ کر لیا۔ غلاموں نے چنگیزی حملوں سے ہندوستان کو بچایا۔ خلجیوں نے بندھیا چل کے اس پار فتوحات کا سلسلہ شروع کیا۔ تغلقوں نے رفاہ عامہ کی طرف توجہ کی۔ تیموری حملے نے تغلقوں کو ختم کر دیا۔ ہندوستان کی مرکزیت ختم ہوگئی۔ جا بجا آزاد ریاستیں قائم ہوگئیں۔ ان آزاد ریاستوں میں نیا ہندوستانی تمدن پھلا پھولا۔ لودھیوں کے عہد میں پرتگیزی ہندوستان میں آئے۔ اسی وقت ہندوستان کی مرکزی طاقت کمزور ہو رہی تھی۔ گجرات کے ایک بادشاہ نے پرتگیزوں سے ایک سمندری جنگ لڑی لیکن اس نے شکست کھائی۔ ابراہیم لودھی کو بابر نے شکست دے کر ہندوستان میں مغلیہ سلطنت قائم رہی۔ اس خاندان کے حکمران ایسٹ انڈیا کمپنی کے آخری دنوں تک کسی نہ کسی صورت میں باقی رہے۔

واسکو دے گاما کے پرتگیزی ساتھیوں سے جنوبی ہندوستان کے راجہ نے نہایت رواداری کا سلوک کیا۔ پرتگیزوں کی آمد سے صدیوں پہلے جنوبی ہندوستان کے راجے عرب تاجروں کے ساتھ انتہائی درجہ

رواداری کا سلوک کر چکے تھے۔ یہ اسی رواداری کا نتیجہ تھا کہ جنوبی ہندوستان میں عربوں کو تبلیغ اسلام کی اجازت تھی۔ اسی تبلیغ کی وجہ سے بے شمار ہندو اپنا مذہب چھوڑ کر مسلمان ہو چکے تھے۔ تبدیلی مذہب کے بعد ان سے نہایت اچھا سلوک کیا جاتا تھا۔ ہندو راجے اپنی نومسلم رعایا پر کسی قسم کی سختی یا جبر نہیں کرتے تھے۔ سندھ پر قبضہ کرنے سے پہلے عرب جنوبی ہندوستان کے کئی شہروں میں ہندو راجوں کی رواداری سے اپنا مذہب پھیلا چکے تھے۔ سندھ کی فتح کے بعد ملتان اور منصورہ عربوں کے دو مرکز بن گئے۔ سندھ میں عربوں کی تبلیغ سے مسلمانوں کی تعداد آہستہ آہستہ بڑھنے لگی۔ محمود غزنوی اور محمد غوری کے ہندوستان پر حملوں کا مقصد اسلام کی اشاعت نہیں تھا۔ محمود نے اپنی فوجوں میں ہندوؤں کو اس لئے بھرتی کیا کہ انہیں اپنی سلطنت کی توسیع کے لئے دوسرے اسلامی ملکوں سے لڑائے۔ محمد غوری نے لاہور کے آخری غزنوی حکمران سے حکومت چھیننے کے لئے جموں کے ہندو راجہ کو اپنے ساتھ ملایا۔ محمود کی طرح محمد غوری نے بھی ملتان اور منصورہ کے مسلمانوں کو قتل کیا۔ قطب الدین ایبک کی تخت نشینی سے اس خاندان کا آغاز ہوتا ہے جو ہندوستان کی تاریخ میں غلاموں کے نام سے مشہور ہے۔ اسی خاندان کے ایک حکمران بلبن نے ہندوستان کو منگولوں کے حملوں سے بچائے رکھا۔ اس خاندان کی دہلی میں دو یادگاریں ہیں، قطب مینار اور مسجد قوت الاسلام۔ منگولوں نے ایران اور عراق کو تباہ کر دیا تھا۔ ان ملکوں کے عالموں نے دہلی کا رخ کیا۔ ان کے آنے سے دہلی میں علم و حکمت کا چراغ روشن ہوا۔ امیر خسرو نے ہندی دوہے لکھ کر ایک نئی زبان کی بنیاد رکھی۔ خلجیوں نے سلطنت دہلی کو وسیع کیا۔ محمد تغلق کی اصلاحات اس کے زمانہ کے لئے ناموزوں تھیں۔ فیروز تغلق نے اپنی سلطنت میں ایسے شفا خانے کھولے جن میں مریضوں کو مفت دوا ملتی تھی۔ اس نے بہت سے نئے شہر آباد کئے۔ اس کے عہد میں سنسکرت کتابوں کے فارسی میں تراجم ہوئے۔ فقہ فیروز شاہی اسی عہد کی ایک مشہور کتاب ہے۔ ضیاالدین برنی نے ''تاریخ فیروز شاہی'' لکھی۔ فیروز شاہ نے اپنے زمانہ کے حالات کو 'فتوحاتِ فیروز شاہی' میں پیش کیا۔ تیمور کے حملے نے سلطنت دہلی کو تباہ و برباد کر دیا۔ اس حملے کے بعد ہندوستان میں بہت سی آزاد ریاستیں قائم ہو گئیں۔ ان ریاستوں میں علم و حکمت نے خوب ترقی کی۔ بنگال کے مسلمان حکمرانوں نے بنگالی کو اس وقت فروغ دیا جب کہ سنسکرت کے حامی ہندو بنگالی زبان کی مخالفت کرتے تھے۔ ودیاپتی نے اپنی بہت سی کتابیں نصرت شاہ کے نام معنون کیں۔ بنگال کے ان آزاد حکمرانوں نے فن تعمیر کی طرف بھی خاصی توجہ کی۔ بنگال کی طرح جونپور،

مالوہ، گجرات اور گلبرگہ نے بھی ادب اور آرٹ میں نمایاں ترقی کی۔ کم وبیش اسی زمانہ میں پرتگیزی ہندوستان میں آئے تھے۔

ظلم وستم میں پرتگیزی سمندری کے چنگیزی تھے۔ کالی کٹ کے باشندوں پر ظلم توڑنے کے علاوہ وہ حاجیوں کے جہازوں کو لوٹتے اور زائروں کو قتل کرتے۔ گجرات کا بادشاہ بحری لڑائیوں میں انہیں شکست نہ دے سکا۔ پرتگیزوں نے ہندوستان میں بے پناہ مظالم کئے۔ لاوارث بچوں کو جبراً عیسائی بنالیا جاتا تھا۔ ان مظالم کی وجہ سے گوا ایک نصرانی شہر بن گیا۔ ہندوستان کے ساحل پر پرتگیزوں نے قیامت بپا کر رکھی تھی۔ لیکن دہلی کو اس کی کوئی خبر نہیں تھی۔ بابر کے آنے سے پہلے دہلی پر لودھیوں نے حکومت کی۔ لودھیوں کے عہد حکومت میں ایک ایسی تحریک چلی جس کا مقصد ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات کو مشترکہ عقائد کی بنا پر خوشگوار بنانا تھا۔ بھگت کبیر، شیخ بھیکا، اور بابا نانک اس تحریک کے علم بردار تھے۔

غلط ہے کہ ہندوستان میں سب سے پہلے آتشیں اسلحہ پانی پت کی پہلی جنگ میں استعمال کیا گیا۔ بابر سے پہلے البوکریک، کالی کٹ میں نارو آتش سے کھیل چکا تھا۔ ہندوستان میں پرتگیزی دور لرزہ خیز مظالم کی ایک طویل داستان ہے۔ جو ستم ہسپانویوں نے پیری اور میکسکی اقوام پر توڑے ان سے کہیں زیادہ مظالم پرتگیزوں نے ہندوستانیوں پر کئے۔ ہندوستان میں شاہجہان نے پرتگیزی قوت کا خاتمہ کر دیا۔ آج ہندوستان میں گوا، دمن اور دیو پرتگیزی علاقے ہیں۔ ہسپانیہ اور پرتگال کی روز افزوں دولت کو دیکھتے ہوئے یورپ کی تمام قومیں امریکہ اور ہندوستان پر ٹوٹ پڑیں۔ ڈین، ولندیز، انگریز، فرانسیسی اور جرمن اس تگ ودو میں شامل تھے۔ ہندوستان نے پرتگال کی راجدھانی کو حسین ترین شہر بنا دیا تھا۔ لندن نے حاسدانہ نگاہوں سے لزبن کی جانب دیکھا۔ لزبن نے ہندوستان کی طرف اشارہ کیا۔

## مغلوں کی سلطنت

1450ء پندرھویں صدی کے نصف میں دہلی کی مرکزیت ختم ہو چکی تھی۔ دکن، گجرات، مالوہ، جونپور اور بنگال میں آزاد بادشاہتیں قائم ہو چکی تھیں۔ پنجاب پر بہلول خاں لودھی حکمران تھا۔ خاندیش،

سندھ اور ملتان پر بھی آزاد حکمرانوں کا قبضہ تھا۔ دہلی کی ''سلطنت'' شہر کی فیصل سے بارہ میل دور تک سمٹ چکی تھی۔ بابر کے آنے سے پیشتر دہلی میں جتنے حکمران خاندان بدلتے رہے سب کے سب پنجاب سے تعلق رکھتے تھے۔ پنجاب کا گورنر دہلی پر قابض ہو کر نئے خاندان کی بنیاد ڈالتا رہا۔ البتہ شیر شاہ سوری اس سے مستثنیٰ ہے۔ بہلول خاں لودھی کی وفات کے بعد امیروں نے اس کے بیٹے سکندر لودھی کی بادشاہ منتخب کیا۔ اس کے عہد میں جونپور کے زمینداروں نے بغاوت کی۔ لیکن سکندر لودھی نے اسے آسانی سے فرد کر دیا۔ اس نے بہار کو اپنی سلطنت میں شامل کیا۔ سکندر لودھی نے نہ صرف اپنی فوجی طاقت کو بڑھایا۔ بلکہ اس نے سول نظم و نسق کی طرف بھی بہت زیادہ توجہ کی۔ ایک مہم پر روانہ ہوتے وقت اس کی ملاقات ایک قلندر سے ہوئی۔ قلندر نے سکندر لودھی کی فتح کے لئے دعا کی اس پر اُس نے قلندر سے کہا کہ وہ اس شخص کی فتح کی دعا کرے جو اپنی رعایا سے بہتر سلوک کرتا ہے۔ اس نے فوجی افسروں کی تعلیم کے لئے سکول جاری کیا۔ اس نے خبر رسانی کا محکمہ قائم کیا۔ جس کی بناء پر اُسے ہر روز اپنی سلطنت کے شہروں کے حالات کا پتہ چل جاتا تھا۔ سکندر لودھی شاعر اور علم دوست تھا۔ اس نے تقریباً اٹھائیس سال حکومت کی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ابراہیم لودھی تخت پر بیٹھا۔ اس نے افغان سرداروں کو عوام میں تبدیل کرنا چاہا۔ افغان سرداروں نے ابراہیم لودھی کے خلاف سازشوں کا جال بچھانا شروع کر دیا۔ انہوں نے ابراہیم کے خلاف تخت دہلی کا ایک اور دعویدار کھڑا کر دیا۔ لودھی نے جلال خاں کو شکست دی۔ اس شکست کے بعد افغان سرداروں نے ایک اور بغاوت کی۔ اس بغاوت میں بھی شاہ پسندوں کو فتح حاصل ہوئی۔ اب ابراہیم لودھی نے افغان سرداروں کے ساتھ سختی کا سلوک شروع کیا۔ پنجاب کے گورنر دولت خاں لودھی نے کابل کے بادشاہ بابر کو ہندوستان پر قبضہ کرنے کی دعوت دی۔ ابراہیم لودھی کے بھائی علاؤ الدین نے اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے دہلی پر دھاوا بول دیا۔ لیکن شاہی فوجی نے اسے شکست دے کر پنجاب کی طرف بھگا دیا۔ تھوڑی مدت بعد بابر نے لودھی کو شکست دے کر ہندوستان میں مغلوں کو سلطنت قائم کی یہ سلطنت کسی نہ کسی صورت میں انیسویں صدی کے وسط تک قائم رہی۔

چنگیز اور تیمور کی نسبت بابر کی شخصیت بہت زیادہ جاذب ہے۔ وہ تیمور اور اکبر کے سلسلہ کی درمیانی کڑی ہے۔ وہ اس سال پیدا ہوا جب تحریک اصلاح کا بانی لوتھر پیدا ہوا تھا۔ وہ اس سال تخت پر بیٹھا جس سال چارلس ہشتم نے اٹلی پر حملہ کیا تھا۔ اس کی زندگی تقدیر اور تدبر کی ایک طولانی جنگ تھی۔ اگر وہ دوپہر کو

تخت پر بیٹھا تو رات کے وقت اسے سر چھپانے کے لئے جگہ نہ ملتی۔ بابر اور اُس کے ساتھی ننگے پاؤں پھرتے رہے یہاں تک کہ اُن کے پاؤں پہاڑوں اور چٹانوں کی روشنی سے بے پروا ہو گئے۔ وہ خود لکھتا ہے کہ ''مصیبت زدہ انسان کو کوئی یاد نہیں کرتا۔ ایک جلاوطن کا دل مسرتوں سے کبھی لطف اندوز نہیں ہو سکتا۔ اس جلاوطنی میں میرا دل خوش نہیں ہے۔ جلاوطن خواہ وہ کتنا ہی بہادر کیوں نہ ہو اس سے خوشی چھین لی جاتی ہے۔'' زندگی کے مختلف نشیب و فراز دیکھنے کے بعد تخت کابل نے اس کا خیر مقدم کیا۔ کابل کی فتح کے بعد اس نے ہندوستان پر حملے کئے آخری حملے میں اس نے لودھی کی شکست دی۔

لودھی کو شکست دینے کے بعد بابر صرف چار سال زندہ رہا۔ یہ مدت بھی لڑائی جھگڑوں میں صرف ہوئی۔ اس نے آگرہ کو اپنی راجدھانی بنانے کے لئے قسطنطنیہ (استنبول) سے ماہرین فن طلب کئے۔ اس کے ہم عصر عثمانی سلطان سلیمان اعظم نے اپنے بہت سے معماروں کو ہندوستان میں بھیج دیا۔

بابر نے اپنے سوانح حیات کو ''توزک بابری'' میں پیش کیا ہے۔ اس کتاب میں نہ صرف بابر اور اس کے ساتھیوں کی سیرت کا تذکرہ ہے۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انتہائی تکلیف کے عالم میں بھی بابر گلزاروں اور سبزہ زاروں سے لطف اندوز ہوتا تھا۔ اسے پھولوں سے بہت پیار تھا۔ بابر اپنی توزک میں لکھتا ہے کہ ہندوستان ایک وسیع ملک ہے۔ یہ ملک دنیا کے دوسرے ملکوں سے بہت مختلف ہے۔ اس ملک کے پہاڑ اور دریا، جنگل اور میدان سب کے سب مختلف قسم کے ہیں۔ یہاں کے سانپ اور مینڈک بھی دوسری قسم کے ہیں۔ ہندوستان کے مینڈک پانی کی سطح پر چھ سات گز دوڑ سکتے ہیں۔ ہندوستان کے لوگ مجلسی زندگی سے محروم ہیں۔ یہاں کے لوگ خوبصورت نہیں ہیں۔ فن تعمیر سے وہ بالکل بے بہرہ ہیں۔ ان میں انسانی ہمدردی نام کو نہیں۔ ہندوستان میں نہ اچھے گھوڑے ہیں اور نہ اچھے تربوز، نہ برف ہے نہ ٹھنڈا پانی۔ ان کے بازاروں میں کھانے کی دکانیں نہیں ہیں۔ نہ حمام ہیں اور نہ کالج۔ بابر کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا، ہمایوں تخت پر بیٹھا۔ دس سال کے بعد شیر شاہ سوری نے ہمایوں کو ایران کی طرف بھگا دیا۔

شیر شاہ نے پانچ سال حکومت کی۔ وہ علم و فضل کا سرپرست تھا۔ سلطنت کے نظم و نسق کا جو طریقہ اس نے رائج کیا تھا۔ اسے نہ صرف مغلوں نے برقرار رکھا بلکہ اس وقت بھی یہ طریقہ انگریزی نظم و نسق میں کسی نہ کسی طرح رائج ہے۔ ساری مزروعہ زمین کی پیائش کے بعد زمین کو مختلف درجوں میں تقسیم کیا گیا۔ ان درجوں کے مطابق لگان لگایا گیا۔ شیر شاہ نے بہت سے ایسے محاصل اڑا دیئے جن کی وجہ سے تجارت پر

برا اثر پڑتا تھا۔ اپنی سلطنت کے طول وعرض میں اس نے بہت سی سڑکیں بنوائیں۔ ان سڑکوں کے دونوں طرف اس نے درخت لگوائے مسافروں کے آرام اور قیام کیلئے ان سڑکوں پر سرائیں بنوائیں۔ شیر شاہ ایک قلعہ کے محاصرہ میں مارا گیا۔ ہمایوں نے ایران سے ہندوستان پر دھاوا بول دیا۔ پندرہ سال کے بعد ہمایوں پھر دہلی اور آگرہ کے درمیانی رقبہ کا حکمران بن گیا۔

بابر کی موت کے بعد ہمایوں تخت پر بیٹھا۔ وہ مہذب اور با اخلاق شہزادہ تھا۔ اس کے تخت نشین ہوتے ہی اس کے بھائی میرزا نے ہمایوں سے پنجاب چھیننا چاہا۔ ہمایوں اپنے بھائی کے ارادوں سے اچھی طرح واقف تھا تاہم اس نے اپنے بھائی پر تلوار اٹھانے سے گریز کیا۔ اس نے ایک فرمان کے ذریعہ میرزا کو پنجاب، پشاور، اور لمغان کا گورنر بنا دیا۔ لودھی شہزادہ محمود کی تلوار ابھی تک نیام میں نہیں ہوئی تھی۔ اس نے جونپور پر قبضہ کر لیا تھا۔ ہمایوں نے اسے جونپور میں شکست دی۔ اس زمانہ میں ہمایوں کو قتل کرنے کی سازش کا انکشاف ہوا۔ ہمایوں نے اس سازش کے بانی زمان میرزا کو معاف کر دیا۔ زمان میرزا نے وعدہ کیا کہ وہ ہمایوں کا وفادار رہے گا۔ لیکن اولیں موقع فرار پا کر وہ گجرات کے بادشاہ بہادر شاہ کے ہاں پناہ گزیں ہوا۔ تھوڑی دیر بعد چھ ہزار افغان اور راجپوت سپاہی بھی اس سے جا ملے۔ ہمایوں نے بہادر شاہ سے زمان میرزا کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ بہادر شاہ نے انکار کر دیا۔ ہمایوں نے بہادر شاہ سے لڑنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ ان دنوں بہادر شاہ نے چتوڑ کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ ہمایوں گوالیار تک بڑھا۔ لیکن بہادر شاہ سے لڑے بغیر واپس ہوا۔ بہادر شاہ نے چتوڑ فتح کر لیا۔ اس فتح نے اس کے حوصلے اتنے بلند کر دیئے تھے کہ اس نے ہمایوں کے خلاف بہلول لودھی کے بیٹے علاؤالدین کو تخت کا دعویٰ دار کھڑا کر دیا۔ علاؤالدین چالیس ہزار سپاہی لے کر آگرہ کی طرف بڑھا۔ شاہی فوجوں کے آتے ہی دعویدار کی فوج بھاگ نکلی۔ جو بچے انہیں مغلوں نے قتل کر دیا۔ اس شکست کا انتقام لینے کے لئے بہادر شاہ بہت بڑا توپخانہ لے کر آگرہ کی طرف بڑھا۔ ہمایوں نے اُسے شکست دی۔ وہ مانڈو کے قلعہ میں پناہ گزیں ہوا۔ تین سو مغل سپاہیوں نے اس قلعہ کو فتح کر لیا۔ اب وہ گجرات کی راجدھانی چمپانیر کی طرف بڑھا۔ ہمایونی فوجیں اس کے تعاقب میں تھیں۔ بہادر شاہ احمد آباد کی طرف بھاگا ہمایوں نے اس کا تعاقب جاری رکھا۔ یہاں تک کہ بہادر شاہ نے دیو میں پناہ لی۔ چونکہ بہادر شاہ اپنا خزانہ چمپانیر میں چھوڑ آیا تھا۔ اس لئے ہمایوں نے اس کا تعاقب ترک کرتے ہوئے چمپانیر کا محاصرہ کر لیا۔ اس قلعہ کی تسخیر میں ہمایوں نے فوجی

دانش مندی کا ثبوت دیا۔ قلعہ کے حفاظتی دستہ کو قتل کر دیا گیا۔ قلعہ کے حاکم نے چونکہ بہت زیادہ جرأت اور شجاعت کا ثبوت دیا تھا اس لئے اُسے معاف کر دیا گیا۔ چمپانیر کے قلعہ کی تسخیر تاریخ شجاعت کا ایک حیرت انگیز کارنامہ ہے۔ بہادر شاہی خزانے پر قبضہ کرنے کے بعد ہمایوں نے اپنے فوجیوں میں اس دولت کو فراخ دلی سے تقسیم کیا۔ بدبختیوں اور تباہ کاریوں نے بہادر شاہ کو مایوس نہیں کیا تھا۔ وہ پچاس ہزار سپاہیوں کی فوج لے کر ہمایوں سے لڑنے کے لئے بڑھ رہا تھا لیکن ہمایوں نے اُسے محمود آباد میں پھر شکست دی۔ ہمایوں نے گجرات کے علاقہ کو اپنے افسروں میں تقسیم کر دیا۔ اب وہ برہان پور کی طرف بڑھا۔ دکن کے شہزادوں نے ہمایوں کی اطاعت قبول کی۔ ہمایوں کو بتایا گیا کہ شمال میں شیر خاں نے بغاوت کر دی ہے۔ خاندیس کو اپنی اطاعت میں لینے کے بعد ہمایوں لنڈو کی راہ سے آگرہ روانہ ہوا۔ اس کی روانگی کے ساتھ ہی گجرات میں ہمایوں کے اقتدار کا خاتمہ ہو گیا۔ آگرہ پہنچ کر اس نے مزید تیاری کی اور شیر خاں کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوا۔

شیر خان بہار اور بنگال پر قابض ہو چکا تھا۔ اس نے اپنی فوجی صلاحیت سے ہمایوں فوجوں کو ''جنرل باراں'' سے شکست دلوائی۔ جب ہمایوں، اتنے بڑے فوجی جرنیل سے لڑ رہا تھا تو اس کے بھائی دہلی اور آگرہ پر قبضہ کرنے کی فکر میں تھے۔ ہمایوں نے مشترکہ مفاد کے لئے اپنے بھائیوں کو تعاون کی دعوت دی لیکن بیسود۔ وہاں اشتراک کی جگہ اغراض کارفرما تھیں۔ افغان نے مغل کو شکست دی۔ دہلی اور آگرہ میں ہمایوں کا رہنا دشوار ہو گیا۔ ہمایوں اپنے خاندان اور خزانہ سمیت لاہور پہنچا۔ لیکن کامران نے اس کی مدد کرنے سے انکار کر دیا۔ وہ سندھ کی طرف روانہ ہوا۔ دو سال تک ادھر اُدھر گھومنے کے بعد امر کوٹ پہنچا۔ امرکوٹ کے قیام میں اکبر پیدا ہوا۔ اس نے قندھار کی راہ لی لیکن اس کے بھائی نے اُسے ایران کی طرف بھگا دیا۔ اس کے ساتھ صرف بیس سوار اور ایک ملکہ تھی سیستان میں داخل ہوتے ہی ہمایوں نے اپنے کو شاہ ایران کی حفاظت میں دیدیا۔ شاہ کی طرف سے اسے مالی امداد پہنچائی گئی۔ ہرات میں شاہ ایران کے بیٹے نے ہمایوں کا شاہانہ انداز میں خیر مقدم کیا۔ دوران سفر میں ہر ایرانی حاکم نے ہمایوں کے شاہانہ احترام کا پورا پورا خیال کیا۔

ہمایوں اس وقت تک ایران ہی میں رہا جب تک کہ حالات اس کے موافق نہ ہو گئے۔ شیر شاہ سوری کے جانشینوں میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جو اس کی بنائی ہوئی سلطنت کو قائم رکھ سکتا۔ محمد شاہ عادل کے عہد

حکومت میں ایک طرف نظم ونسق میں خرابی پیدا ہورہی تھی۔اور دوسری طرف خانہ جنگیوں نے ملک کو ویران کر رکھا تھا۔اس صورت حالات سے فائدہ اٹھا کر ہمایوں نے ہندوستان کا رخ کیا۔سرہند کے قریب بیرم خاں نے سکندر سوری کو شکست دی۔ فتح کے بعد ہمایوں نے بہت جلدی دہلی اور آگرہ پر قبضہ کرلیا۔لیکن ہمیوں اپنے آقا ابراہیم خاں عادل کے ساتھ مل کر ہمایوں سے جنگ کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ ہمایوں کی موت نے ہمیوں کے لئے موقع پیدا کر دیا کہ وہ اکبر اور اس کے مغل سپاہیوں کو ہندوستان سے نکالنے کوشش کرے۔ہمیوں کو اس کوشش میں اپنی جان دینی پڑی۔

اکبر کا شمار دنیا کے بہت بڑے لوگوں میں ہوتا ہے۔اکبر نے ہندوستان کی مختلف ریاستوں اور مختلف قوموں کو متحد کرنے کی کوشش 'دین الٰہی' ایجاد کرنے سے بہت پہلے کی۔اکبر اگرچہ ہندوستان میں ایک غیر ملکی کی حیثیت رکھتا تھا۔لیکن اس نے بہت جلد اپنے آپ کو ہندوستانی بنالیا۔اکبر کے نظم ونسق کی جھلک آج انگریزی حکومت میں بھی پائی جاتی ہے۔اکبر اپنے ہمراہ ایران کا فن تعمیر، ایران کی شاعری، اور ایرانی مصوری لایا۔ ہندوستان کو فتح کرنے کے بعد اس نے اُسے متحد کرنے کی بہت زیادہ کوشش کی۔وہ وسطی ایشیا اور ہندوستان کی علیحدہ علیحدہ دنیاؤں کا ایک آمیزہ ہے۔

موسم سرما کی ایک صبح کو ہمایوں اپنے ساتھیوں سمیت ایک جھیل کے کنارے خیمہ زن تھا۔صحرائی علاقہ میں گرد وغبار اڑتی دیکھ کر ہمایوں پریشان ہوا۔گزشتہ دو سال سے وہ سندھ کے ریگستانوں میں مارا مارا پھر رہا تھا۔اس کے بھائی اس کا ساتھ چھوڑ چکے تھے۔ دوست، دشمن بن چکے تھے۔اس کے لئے کسی پر اعتماد کرنا مشکل ہوگیا تھا۔گرد وغبار امرکوٹ کو طرف سے اُٹھی تھی۔ ہمایوں اپنی بیوی کو امرکوٹ میں چھوڑ آیا تھا کیونکہ وہ بہت جلد ماں بننے والی تھی۔قاصد کے چہرے پر خوشی کے آثار تھے۔حمیدہ کے ہاں لڑکا پیدا ہوا تھا۔ ہمایوں کو اپنا جانشین مل گیا مغل حکمران اس تقریب پر زر ودولت کو پانی کی طرف بہادیتے تھے۔لیکن بے سروسامان ہمایوں کے پاس کیا دھرا تھا؟اس نے اپنے ساتھیوں میں مشک تقسیم کرتے ہوئے کہا۔''یہی وہ تحفہ ہے جسے میں اپنے بیٹے کی پیدائش پر تمہیں پیش کرسکتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ اس کی شہرت اسی طرح ساری دنیا میں پھیلے گی جس طرح اس مشک کی خوشبو اس خیمہ میں پھیل گئی ہے'' بچے کا نام اکبر رکھا گیا۔اکبر کی پیدائش نے ہمایوں کے استقلال کو جو اس نے کبھی نہیں کھویا تھا مزید مستحکم کر دیا ہوگا۔

دہلی اور آگرہ پر قبضہ کرنے کے بعد ہمایوں نے اکبر کو اس کے اتالیق بیرم خاں کے ہمراہ پنجاب

بھیج دیا تھا۔ اکبر نے کلانور (ضلع گورداسپور) میں اپنے باپ کی موت کی خبر سنی اکبر کو کلانور کے ایک باغ میں تخت نشین کیا گیا۔ یہ تخت اس وقت موجود ہے۔ اپنے دادا بابر کی طرح اکبر کو کم سنی میں تخت مل گیا۔ لیکن اسے بابر ہی کی طرح اس تخت کو برقرار رکھنے کے لئے بہت کچھ کرنا پڑا۔ سکندر پورا بھی تک پنجاب میں تھا۔ ہمیوں نے بھی بہت سی قوت حاصل کر لی تھی۔ ہمیوں ایک قابل جرنیل تھا۔ اس نے دہلی آگرہ کو اپنے قبضہ میں کرنے کے بعد اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ حالات بہت نازک ہو چکے تھے۔ بیرم خاں کے ساتھی کابل جانے کا مشورہ دے رہے تھے۔ لیکن اتالیق اپنے شاگرد کو لے کر ہمیوں سے لڑنے کے آگے بڑھا۔ اکبر نے بابر کی طرح پانی پت میں دہلی کا تخت حاصل کیا۔ دہلی اور آگرہ پر اکبر کا قبضہ ہو گیا۔ سکندر سوری کا تعاقب کیا گیا۔ ایک سال بعد اس نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اسی اثناء میں تخت دہلی کے سب دعویدار ختم ہو چکے تھے۔ پانچ سال تک بیرم خاں کے ہاتھ میں عنان اقتدار رہی۔ جب اکبر اٹھارہ سال کا ہوا تو درباریوں نے اس بیرم خاں کے اثر و رسوخ سے آزاد کر دیا۔ اکبر کی دایہ ماہم انگہ نے بھی بیرم خاں کے خلاف سازش میں نمایاں حصہ لیا تھا۔ بیرم خاں نے اس توہین کا احتجاج بغاوت کی صورت میں کیا۔ شاہی فوجوں نے اتالیق کو شکست دی۔ بیرم قید ہو کر اکبر کے سامنے پیش ہوا۔ اکبر نے اُسے معاف کر دیا۔ وہ حج کے لئے سفر کر رہا تھا کہ قتل کر دیا گیا۔ اس کا بیٹا عبدالرحیم شاہی سایہ میں تربیت پاتا رہا۔

گوالیار اور جونپور پر قابض ہونے سے اکبر نے اپنی سلطنت کی حدود کو وسیع کر دیا تھا اب وہ مالوہ پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ مالوہ پر حسن و عشق کا متوالا باز بہادر حکمران تھا۔ باز بہادر اور روپ متی کی محبت کے افسانے گیتوں کی صورت میں اب تک موجود ہیں۔

اکبر نے ماہم انگہ کے بیٹے ادہم خاں کو مالوہ کی مہم پر روانہ کیا تھا۔ ادہم خاں نے اس مہم میں بہت زیادہ ظلم کئے۔ اکبر خفا ہو کر مالوہ کی طرف بڑھا۔ ادہم خان نے اکبر سے معافی مانگ لی بیرم خاں کے بعد ماہم انگہ اپنے آپ کو وزیر اعظم، خیال کرتی تھی۔ اکبر پر اس کا کافی اثر تھا۔ لیکن کابل سے شمس الدین کے آنے کے بعد اکبر نے تمام سیاسی مالی اور فوجی امور اس کے سپرد کر دیئے۔ اس پر ماہم انگہ اور اس کا بیٹا ادہم خاں برافروختہ ہوئے۔ ایک دن جب کہ شمس الدین وزارت عظمیٰ کے کاموں میں مصروف تھا ادہم خاں ایوان میں داخل ہوا۔ اس کے ہمراہ چند لوگ تھے ادہم خاں کے اشارہ کرتے ہی لوگ شمس الدین پر ٹوٹ پڑے۔ شمس الدین کو قتل کرنے کے بعد ادہم خاں اس کمرے کی طرف بڑھا۔ اکبر موجود تھا۔ اکبر

تلوار لے کر باہر نکل آیا۔ ادہم خاں نے اکبر کی تلوار کو پکڑنا چاہا۔ لیکن اکبر نے اُسے زمین پر گرا دیا۔ جونہی ادہم خاں زمین پر گرا اکبر نے اپنے ملازموں کو حکم دیا کہ اُسے چھجہ سے نیچے پھینک دیا جائے۔ ملازموں نے پس وپیش کی۔ اکبر نے ادہم خاں کو جو بے ہوش ہو ہو چکا تھا اٹھا کر دیوار کے ساتھ دے مارا۔ ادہم خاں کی گردن ٹوٹ گئی۔ اکبر حرم میں چلا گیا۔ ماہم انگہ کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی تو وہ بستر علالت سے اُٹھ کر اکبر کے پاس آئی۔ اکبر نے اس سے کہا ''ادہم نے مابدولت کے وزیراعظم کو قتل کیا اور مابدولت نے اسے سزا دی'' بیمار رانگہ کو ابھی تک یہ معلوم نہیں تھا کہ اس کا بیٹا شاہی عتاب سے ٹکرا کر مر چکا ہے۔ اپنے بیٹے کے غم میں ماہم انگہ چند دنوں بعد چل بسی۔ اب اکبر حکمرانی کرنے میں آزاد تھا۔

ماہم انگہ کے دور اقتدار میں رشوتوں اور سازشوں کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا اُسے اکبر نے ختم کر دیا۔ سازشیوں سے اُس نے بہت اچھا سلوک کیا۔ خارجی اثرات سے آزاد ہوتے ہی اس نے جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کی رسم اُڑا دی۔ اس نے اب جے پور کی شہزادی سے شادی کی۔ یہ ہندو شہزادی جہانگیر کی ماں بنی۔ تان سین اور بیربل کو اس نے اپنے دربار میں جگہ دی۔

ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے اکبر کی طبیعت میں بے چینی تھی۔ اسے سکون نصیب نہیں تھا۔ اُس نے جس شخص پر اعتماد کیا اسی نے اُسے دھوکا دیا۔ ادہم خاں نے تو اسے قتل کرنے سے گریز نہ کیا۔ اس نے اب صرف اپنی ذات پر اعتماد کرنا چاہا۔ اکبر اگرچہ ان پڑھ تھا لیکن اس پر صوفی شاعروں کے کلام کا بہت زیادہ اثر تھا۔ وہ صداقت کی تلاش میں تھا۔ شاہی محلوں سے نکل کر وہ فقیروں اور درویشوں کی صحبت میں جاتا۔ عالموں اور فاضلوں سے بحث کرتا۔ بیس سال کا تاجدار صداقت اور خدا کی تلاش میں تھا۔ اس کے ذہن سے ہندو اور مسلمان کا امتیاز اُٹھ گیا۔ اُس نے اپنی سلطنت میں اس ٹیکس کو منسوخ کر دیا جو ہندو یاتریوں سے یاترا کے وقت لیا جاتا تھا۔ ایک سال بعد اُس نے جزیہ معاف کر دیا۔ تئیس سال کے تاجدار کے یہ افعال حیران کن ہیں۔

اکبر کے ذہن کی طرح اس کا جسم بھی بے چین تھا۔ اکبر کی رگوں میں تیموری خون تھا۔ ملک گیری اُسے ورثہ میں ملی تھی۔ صداقت اور حقیقت کی تلاش کرنے والا شہزادہ تیموری روایات سے کیونکر منہ موڑ سکتا تھا؟ اصلاح کے ساتھ ساتھ اس نے عمل بھی جاری رکھا۔ اکبر نے اب فتوحات کا سلسلہ شروع کیا۔ یہ سلسلہ اس کی موت تک جاری رہا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ذہن میں فتوحات اور تلاش صداقت میں

کبھی تصادم نہیں ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے ہمسایہ ریاستوں پر حملے کر کے انہیں اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ فتوحات کے بعد اکبر نے اپنی رعایا سے فیاضانہ سلوک کیا۔

گونڈوں کی ملکہ ورگاوتی کو شکست دینے اور اس کے خزانہ پر قبضہ کرنے کے بعد اکبر نے چتوڑ کی طرف توجہ کی۔ جونہی اکبر اپنی فوجیں لے کر چتوڑ کی طرف روانہ ہوا۔ چتوڑ کا رانا ادوے سنگھ وہاں سے بھاگ نکلا۔ اس پر جمیل راٹھو نے چتوڑ کی حفاظت کا ذمہ لیا۔ اکبر کی تمام توپیں چتوڑ کے قلعہ کو فتح کرنے میں ناکام رہیں۔ ایک دن اکبر نے دیکھا کہ ایک پرشکوہ انسان ان شگافوں کی مرمت کرا رہا ہے جو گولہ باری کی وجہ سے قلعہ میں پیدا ہو گئے تھے۔ اکبر نے شست لگائی پر شکوہ انسان زمین پر تھا۔ تھوڑی دیر بعد شہر کے بعض حصوں سے آگ کے شعلے اُٹھتے دکھائی دیئے۔ راجہ بھگوان داس نے بتایا کہ جوہر کی رسم ادا ہو رہی ہے۔ معلوم ہوا کہ اکبر نے جس شخص کا نشانہ کیا تھا وہ جمیل راٹھور تھا۔ چتوڑ کے لئے راجپوت سپاہیوں نے بہادری سے لڑنا شروع کیا۔ مرد اور عورتیں ایک ہی صف میں حملہ آوروں کا مقابلہ کر رہی تھیں۔ آٹھ ہزار بہادر راجپوت چتوڑ کی حفاظت میں کام آتے۔ اکبر پر وہی وحشت سوار ہوئی جو کبھی سکندر یونانی کو گھیر لیتی تھی۔ اکبر کے حکم سے چتوڑ میں قتل عام کیا گیا۔ راجپوتوں کی بہادری سے اکبر اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے جمیل اور اس کے نوجوان بیٹے کے بت بنوا کر دہلی میں نصب کرائے۔ اکبر اپنی سلطنت کو ایک سمندر سے دوسرے سمندر تک پھیلانا چاہتا تھا۔ اب اس نے مغرب کا رخ کیا۔ سمندر اور اس کی سلطنت کے درمیان گجرات حائل تھا۔ گجرات کی راجدھانی احمد آباد تھی۔ اب اکبر گجرات کی طرف روانہ ہوا۔ گجرات پر قبضہ کرنے میں اُسے زیادہ مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ اکبر نے پہلی مرتبہ اس سمندر کو دیکھا جو ہندوستان اور یورپ کو ملاتا ہے۔ اس کے ذہن میں مغل بحریہ بنانے کا خیال نہ آیا۔ اکبر سمندر کی موجوں کو گن رہا تھا کہ ابراہیم حسین میرزا نے سرنال میں بغاوت کی دی۔ اس بغاوت کو دبانے اور میرزا کو شکست دینے کے بعد اکبر نے سورت کی بندرگاہ کا محاصرہ کیا۔ جب اُسے معلوم ہوا کہ سورت کی مدد پرتگیزی کر رہے ہیں تو اس نے پرتگیزوں سے صلح کے لئے بات چیت کی۔ پرتگیزی وائسرائے نے انطونیو کو اکبر سے تصفیہ کے لئے بھیجا۔ سورت نے ہتھیار ڈال دیئے۔ پرتگیزوں سے اکبر نے اپنا تعلق اس طرح قائم کیا۔ وہ پرتگیزوں سے ان کے مذہب اور ان کی معاشرت کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اکبر آگرہ پہنچا۔ گجرات میں بغاوت ہو گئی۔ اکبر پھر گجرات کی طرف روانہ ہوا۔ دوسری مہم میں اکبر نے فوجی قابلیت اور بہادری کا

ثبوت دیا۔ ایک ایک دن میں پچاس پچاس میل کا سفر کیا۔ آگرہ سے احمد آباد میں وہ گیارہ دنوں میں پہنچ گیا۔ چھ سو میل! اکبر کے ہمراہ صرف تین ہزار سپاہی تھے۔ محمد حسین میرزا بیس ہزار سپاہیوں سمیت اکبر کے خلاف اٹھا۔ جونہی اُسے شاہی فوجوں کی آمد کا پتہ چلا تو میرزا چلایا 'ہمارے جاسوسوں نے اطلاع دی ہے کہ اکبر چودہ دن پہلے فتح پور سیکری میں تھا' انہیں اکبر کی آمد کا یقین نہیں تھا۔ اکبر نے ایک شدید حملہ کیا۔ میرزا کی فوج کو شکست ہوئی۔ اکبر نے میدان جنگ میں تیموری روایات کے مطابق دو ہزار مقتول سپاہیوں کی کھوپریوں سے ایک منیار کھڑا کیا۔ اب گجرات کو کسی مزید سبق کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ سب کچھ چالیس دنوں میں ہوا۔

بنگال میں شہزادہ داؤد نے بغاوت کر دی۔ بہار پر افغان سرداروں کا قبضہ تھا۔ داؤد نے اپنی طاقت پر بھروسہ کرتے ہوئے اکبر سے لڑنے کی تیاری کر لی۔ اکبر اس وقت گجرات میں تھا۔ اس نے بوڑھے جرنیل منعم خاں کو بغاوت فرو کرنے کے لئے بھیجا۔ لیکن اسے ناکامی ہوئی۔ اب اکبر بنگال کی طرف روانہ ہوا۔ اکبر کی ساری گزشتہ مہموں سے یہ مہم نرالی تھی۔ کیونکہ اس مہم میں گنگا کو ٹرانسپورٹ کے لئے استعمال کرنا تھا۔ اکبر نے اپنی فوج کا ایک حصہ خشکی کے راستے بھیج دیا اور باقی فوج کو ایک بیڑے پر سوار کیا۔ اکبر کا یہ بیڑہ بہت زیادہ شان وشوکت رکھتا تھا۔ بعض کشتیوں کو باغوں میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ داؤد کے خواب، خیال میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ اکبر برسات میں اتنی بڑی مہم کو جاری رکھ سکے گا۔ اکبر نے پٹنہ پر قبضہ کر لیا۔ پٹنہ سے واپسی پر اکبر کے ذہن میں عبادت خانہ بنانے کا خیال پیدا ہوا۔ جہاں وہ مختلف فرقوں کے مسلمان علماء سے تبادلہ خیال کر سکے۔ چنانچہ اس نے شیخ سلیم چشتی کے مقبرہ کے قریب ایک شاندار عمارت بنوائی۔ جب یہ عمارت مکمل ہوگئی تو اس نے مسلمان علماء کو اس میں داخل ہو کر شریک مباحثہ ہونے کی دعوت دی۔ لیکن پہلے ہی اجلاس میں علما میں نشستوں کے تعین پر جھگڑے شروع ہو گئے۔ بات بات پر آپ میں تو تو میں میں ہونے لگی۔ اکبر کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان فرقوں کے علماء ایک جگہ بیٹھ کر متنازعہ فیہ مسائل پر رواداری سے تبادلہ خیال کریں۔ لیکن اُنہوں نے ایک دوسرے کو کافر کہنا شروع کر دیا۔ اس زمانہ کے بیشتر علما کے متعلق حضرت مجدد الف ثانی لکھتے ہیں۔: 'ہر فتورے کہ دریں زماں در ترویج ملت ودین ظاہر گشتہ از شومی علما سواست کہ فی الحقیقت شرار مروم ونصوص دین اند' اسی قسم کے علما نے ابوالفضل اور فیضی کے باپ شیخ مبارک علی کو بہت زیادہ تنگ کیا تھا۔ ایک مرتبہ اُنہیں قتل کرانے کی سازش بھی کی گئی

تھی۔لیکن شیخ نے بڑی مشکل سے اپنی جان بچائی۔عبادت خانہ میں مسلمان علما کی یہ حالت دیکھ کر اکبر نے پرتگیزی پادریوں، پارسیوں، جینیوں کو بھی ان مباحثوں میں حصہ لینے کی دعوت دی۔علمائکا زور اس قدر بڑھ گیا تھا کہ ان میں سے ایک نے اکبر کے حکم کے بغیر کسی شخص کو قتل کرادیا اس موقع پر شیخ مبارک نے اکبر کو مشورہ دیا کہ وہ متنازعہ فیہ مسائل کے متعلق خود احکام صادر کرسکتا ہے۔جب اکبر کے ان خیالات کا عبادت خانہ سے باہر کی دنیا کو علم ہوا تو سب سے پہلے ملا یزدی نے فتوی دیا کہ اکبر کے خلاف جہاد واجب ہے۔اب اکبر نے اپنے مخالف علماء کو قتل کرنا شروع کیا۔ بہار اور بنگال میں پھر بغاوت ہوگئی۔بعض درباریوں نے اکبر کے بھائی مرزا محمد حکیم، حاکم کابل کو دعوت دی کہ وہ ہندوستان پر حملہ کر کے اکبر کی جگہ خود بادشاہ بن جائے۔مرزا محمد حکیم کو اکبر نے شکست دی۔مشرقی صوبوں میں بغاوت فرو ہوچکی تھی۔کابل کی مہم سے واپس آنے کے بعد اکبر نے ایک جنرل کونسل طلب کی۔اس اجلاس میں اکبر نے اپنی سلطنت کے نمائندوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ''مابدولت کی خواہش ہے کہ ہندوستان کے مختلف فرقوں میں اتحاد پیدا کریا جائے اور فرقے کو یہ تعلیم دی جائے کہ وہ دوسرے مذہبوں کی اچھائیوں کو نظر انداز نہ کرے۔اس طرح خدا بھی خوش ہوگا اور ملک میں بھی امن وامان قائم ہوجائے گا'اس اتحاد لیے اکبر نے جو دینِ الٰہی ایجاد کیا تھا اس سے کوئی بھی خوش نہ ہوسکا۔

اکبر نے پھر سے فتوحات کی طرف توجہ کی۔کشمیر اور سندھ کی فتح کے بعد اس نے اڑیسہ، بلوچستان اور قندھار کو اپنی سلطنت میں شامل کیا۔ دکن ابھی باقی تھا۔اکبر کا خیال تھا کہ دکن کی ریاستیں اس کی فتوحات سے مرعوب ہوکر اس کی سیادت کو مان لیں گے۔اکبر نے عبدالرحیم خان خانان اور شہزادہ مراد کو احمد نگر فتح کرنے کے لئے بھیجا۔احمد نگر کی ملکہ چاند بی بی نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔مغل اُسے شکست نہ دے سکے۔چاند بی بی اور اکبر میں صلح ہوگئی۔اب اکبر خود دکن گیا۔احمد نگر کو فتح کرنے کے بعد اس نے خاندیس کو فتح کرنا چاہا۔ایسر گڈھ کے قلعہ کا محاصرہ کرلیا گیا لیکن بے سود۔آخر رشوتوں کو کام میں لاکر اکبر نے اس قلعہ پر قبضہ کرلیا۔دکن کی مہم پر روانہ ہوتے وقت اکبر نے سلیم کو آگرہ میں انتظام سلطنت کے لئے چھوڑ دیا تھا۔سلیم نے بغاوت کے لئے اچھا موقع پایا۔آلہ آباد پہنچ کر اس نے اپنی بادشاہت کا اعلان کردیا۔ بہت بڑی فوج جمع کرنے کے بعد وہ آگرہ کی طرف بڑھا۔ اکبر دکن سے واپس آچکا تھا۔ اس نے شاہی قاصدوں کو فرمان دے کر سلیم کے ہاں بھیجا۔اس فرمان کی رو سے شہنشاہ اکبر نے اپنے بیٹے سلیم کو بنگال اور

بہار کا گورنر مقرر کیا تھا۔لیکن سلیم نے ایک نہ سنی۔اس نے اپنے نام کا سکہ جاری کر کے اکبر کے پاس بھیج دیا۔ابوالفضل اس بغاوت کو فرو کرنے کے لئے آگرہ سے نکلا۔سلیم کے ایک ساتھی بیر سنگھ نے ابوالفضل اور اس کی فوج کو راہ میں گھیر لیا۔ابوالفضل کو قتل کر دیا گیا۔ابوالفضل کے قتل کا شہنشاہ کو بہت زیادہ افسوس ہوا۔اکبر نے ایک مرتبہ ارادہ کیا کہ اپنے باغی فرزند کی سرکوبی کے لئے خود میدان میں نکلے۔لیکن وہ خانہ جنگی نہیں چاہتا تھا۔آخر کار کسی نہ کسی طرح سلیم کو ترغیب دلا کر آگرہ میں پہنچا دیا۔اکبر کی والدہ سلیم کا استقبال کرنے کے لئے آگرہ سے کئی میل دور گئی۔اس کی کوششوں سے باپ بیٹے میں ملاقات ہوئی۔سلیم نے معافی مانگی۔اکبر نے اپنا عمامہ سلیم کے سر پر رکھ دیا۔باپ اور بیٹے کے درمیان ابوالفضل کا خون حائل تھا۔سلیم نے پھر آلہ آباد کی راہ لی۔اس دفعہ باپ بیٹے میں لڑائی یقینی ہوگئی۔لیکن پھر راج ماتا نے مداخلت کی۔حمیدہ نے ہر مصیبت میں اکبر کا ساتھ دیا۔لیکن اب وہ اپنے پوتے سلیم کی طرف مائل تھی۔حمیدہ نے اپنے بیٹے اکبر سے کہا کہ وہ اپنے بیٹے سلیم کے خلاف جنگ نہ کرے۔لیکن اکبر اب سخت دل ہو چکا تھا۔جب اکبر فوج لیکر آگرہ سے نکلا تو اُسے اپنی ماں کے بیمار ہونے کی اطلاع ملی۔اکبر واپس ہوا۔اس کی ماں کی حالت خراب ہو چکی تھی۔وہ چند دنوں میں چلی بسی۔اسے ہمایوں کے پہلو میں دفن کیا گیا۔مراد کے بعد دانیال بھی مر چکا تھا۔بوڑھا شہنشاہ مغموم تھا۔سلیم کو آگرہ بلانے کی پھر سے کوشش ہوئی۔سلیم آگرہ پہنچا۔وہ نہایت انکساری سے شہنشاہ کے حضور پیش ہوا۔اکبر نے بڑے پیار سے ملاقات کی۔وہ اسے ساتھ والے کمرے میں لے گیا۔اکبر بے قابو ہو گیا۔مسدد وغم وغضب نے پھر سر نکالا۔اس نے سلیم کے منہ پر تھپڑ مارا اور اس کی ساری حماقتوں کو گنایا۔اکبر کا غصہ بڑھ رہا تھا۔اکبر نے سلیم کا مذاق اڑایا۔کیونکہ وہ نہتا چلا آیا تھا۔سلیم کی فوج شہر سے بہت دور تھی۔سلیم کو گرفتار کر لیا گیا۔چند دن بعد اُسے رہا کر دیا۔اکبر کی زندگی میں سلیم نے پھر کبھی بغاوت کا خیال نہیں کیا۔لیکن اکبر کے دن پورے ہو چکے تھے۔

اکبر بستر مرگ پر تھا۔سلیم اپنے باپ کے ساتھ آخری لمحات بسر کرنے کے لئے گیا۔اکبر نے اشارہ کیا کہ سلیم شاہی عمامہ کو اپنے سر پر رکھے۔اکبر نے پھر ہمایوں کی تلوار کی طرف اشارہ کیا سلیم نے اسے بھی اپنے ہاتھ میں لے لیا۔اب اکبر نے اسے باہر جانے کا اشارہ کیا۔اکبر نے سر اٹھایا۔ہجوم کی طرف سے ''سلیم زندہ باد'' کا نعرہ بلند ہوا۔زندہ باد کے شور میں اکبر مر رہا تھا۔

اکبر کے عہد حکومت میں ہندوستان کے مدرسوں میں معقولات کی کتابوں کا اضافہ ہوا۔ایرانی

عالموں کے آنے سے ہندوستان میں فلسفہ کا زور ہوا۔ اکبر سے پہلے گجرات علم وحکمت کا مرکز تھا۔ جب اکبر نے گجرات فتح کیا تو وہاں کے عالموں کو بھی دہلی یا آگرہ میں آنا پڑا۔ ایران سے ہندوستان میں نہ صرف فلسفہ آیا بلکہ شاعری مصوری اور موسیقی بھی۔ اکبر کا دادا بابر ہرات کی مصوری سے متاثر ہوا۔ اس کا باپ ایران کی مصوری سے متاثر تھا۔ اکبر کے عہد میں کئی ایرانی مصور ہندوستان آئے ان سب میں نمایاں خواجہ عبدالصمد ہے۔ اکبر ہی کے عہد میں سنسکرت، عربی، ترکی اور یونانی کتابوں کے فارسی میں تراجم ہوئے۔ ہندی زبان کو بھی کافی فروغ ہوا۔ تلسی داس، سورداس، اور خان خاناں ہندی کے مشہور کے شاعر تھے۔ فیضی کے علاوہ اس زمانہ میں ملاظہوری بہت بڑے شاعر گزرے ہیں۔ عبدالقادر بدایونی، نظام الدین احمد، اور ابوالفضل اکبری عہد کے وقائع نگار تھے۔ گلبدن بیگم کا ''ہمایوں نامہ'' بھی اسی عہد میں لکھا گیا۔ فن تعمیر میں بھی نمایاں ترقی ہوئی۔ اکبری عہد کی عمارتیں فتح پور سیکری میں اب تک موجود ہیں۔

اکبر کی وفات پر سلیم، جہانگیر کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ ڈپلومیسی کے لحاظ سلیم کی تخت نشینی شیخ فرید کی کامیابی اور عزیز کوکہ اور مان سنگھ کی ناکامی تھی۔ اس وقت مغلیہ سلطنت پندرہ صوبوں میں تقسیم تھی۔ ہر صوبہ کا گورنر سپہ سالار کہلاتا تھا۔ سپہ سالار کو دیوانی اور فوجداری اختیارات حاصل تھے۔ تخت نشین ہوتے ہی اس نے اپنی سلطنت کے طول وعرض میں شراب نوشی کو ممنوع کر دیا۔ اکبر نے جو شاہی خزانہ چھوڑا تھا اس میں پچاس کروڑ روپیہ نقد تھا۔ اس کے علاوہ جواہرات اور دوسری قیمتی چیزوں کی کمی نہیں تھی۔ اس دولت کو اس نے بے آباد اضلاع کو آباد کرنے اور نئی سڑکیں بنانے پر صرف کیا۔ ناک کان کاٹنے کی سزا منسوخ کر دی۔ اس نے بہت سے شفاخانے کھلوائے۔ جہانگیر کی شخصیت اس کی بادہ خواری کے افسانوں میں گم ہو چکی ہے۔ وہ شراب ضرور پیتا تھا۔ لیکن وہ محض شرابی نہیں تھا۔

جہانگیر کی تخت نشینی سے پیشتر اس کا بیٹا خسرو تخت ہندوستان کا امیدوار تھا۔ دربار میں خسرو کے حامیوں کی تعداد کافی تھی۔ لیکن خسرو کی ماں اپنے بیٹے کو سلیم کا مخالف پا کر بہت دکھ محسوس کرتی۔ جب خسرو بازنہ آیا تو خسرو کی ماں نے خودکشی کر لی۔ جہانگیر اپنی توزک میں اس راجپوت شہزادی کی بہت زیادہ تعریف کرتا ہے۔ جہانگیر کے تخت نشین ہوئے کے بعد خسرو باغیانہ سرگرمیوں سے تائب ہو گیا۔ لیکن ایک رات جہانگیر کو اطلاع دی گئی کہ خسرو پنجاب جانے کے لئے دہلی کی طرف بھاگ نکالا ہے۔ دہلی سے ہوتا ہوا جب خسرو پنجاب پہنچا تو اس کے پاس تیس ہزار سپاہی تھے۔ خسرو کے سپاہی دہلی سے لاہور تک تباہی

مچاتے اور شاہی خزانے لوٹتے رہے۔ خسرو نے لاہور شہر پر قبضہ کرنے کے بعد قلعہ لاہور کا محاصرہ کر رکھا تھا کہ اسے اطلاع ملی کہ جہانگیر اس کی سرکوبی کے لئے آ رہا ہے۔ شاہی فوجوں اور باغی شہزادہ میں لڑائی ہوئی۔ خسرو کو زنجیروں میں جکڑ کر جہانگیر کے سامنے پیش کیا گیا تو ایک طرف نوجوان اور حسین ترین شہزادہ کانپ رہا تھا اور دوسری طرف شہنشاہ رو رہا تھا۔ جہانگیر نے اسے معاف کر دیا لیکن خسرو سازشوں سے باز نہ آیا۔ یہاں تک جہانگیر نے اُسے اندھا کر دیا۔ اس کے بھائی خرم نے اسے دکن میں زہر دے کر ہلاک کر دیا۔

جہانگیر نے 1612 مین پرتگیزوں سے ایک معاہدہ کیا۔ معاہدہ کے بعد جب شاہی سفیر واپس ہوا تو اپنے ساتھ دوسرے عجائبات کے علاوہ بہت سے پرندے بھی لایا تھا۔ ان میں سے ایک پرندے کے متعلق جہانگیر لکھتا ہے کہ اس نے اس سے پہلے ایسا پرندہ نہیں دیکھا تھا۔ ایک سال بعد پرتگیزوں نے عہد شکنی کی۔ انہوں نے سورت کی بندرگاہ کے قریب چند جہازوں کو لوٹ لیا اور سورت کے قلعہ پر قبضہ کرنا چاہا۔ لیکن پرتگیزوں کو شکست ہوئی۔ ایک سال بعد انگلستان کے بادشاہ جیمز اول کی سفارت آگرہ میں پہنچی۔ انگریزی سفیر سر طامس راؤ تین سال تک جہانگیر کے دربار میں رہا۔

چند سال پیشتر پرتگیزوں کے ذریعہ ہندوستان میں تمباکو کو پینے کا رواج ہو رہا تھا۔ جہانگیر نے اس کے استعمال کو حکماً ممنوع قرار دے دیا۔ اس معاملہ میں جہانگیر نے ایران کے شاہ عباس کی پیروی کی جو تمباکو کے استعمال کو ایران میں ممنوع کر چکا تھا۔

جہانگیر کے عہد حکومت میں ہندوستانی مصوری کو بہت زیادہ عروج حاصل ہوا۔ ابوالحسن منصور، بشن داس اور فرخ بیگ اس عہد کے بہترین مصور تھے۔ طالب آملی اور کلیم جہانگیری عہد کے فارسی شاعر تھے۔ جہانگیر کی موت کے بعد اس کا بیٹا شاہ جہاں تخت نشین ہوا۔ اس کے عہد میں بڑے بڑے نامور ہندوستانی مصور پیدا ہوئے۔ فن تعمیر نے انتہائی ترقی کی۔ تاج محل اس کی زندہ مثال ہے۔ بابر اور ہمایوں تعمیرات کی طرف زیادہ توجہ نہ کر سکے۔ ہندوستان کی عمارتوں کے متعلق بابر کہتا ہے کہ ان میں ہم آہنگی نہیں۔ شیر شاہی دور کی عمارتوں میں جلال اور جمال دونوں پائے جاتے ہیں۔ مغلوں نے اپنی عمارتوں کی آرائش کے لئے باغوں اور نہروں کا اضافہ کیا۔ انہوں نے گنبد، مینار اور محراب میں ایسی اصلاح کی کہ وہ متناسب اور موزوں ہو گئے۔ مغلوں کے فن تعمیر کا آغاز ہمایوں کے مقبرہ سے ہوا اور انجام تاج محل

پر۔ ہمایوں کے مقبرہ کے بعد فن تعمیر میں مزید ترقی ہوئی۔ اکبری عہد میں فتح پور سکیری میں پندرہ سال تک نئی عمارتیں بنتی ہیں۔ جہانگیر کے عہد سے سنگ مرمر کا استعمال زیادہ ہونے لگا۔ پچی کاری کو فروغ ہوا۔ سکندرہ میں اکبر کا مقبرہ اور آگرہ میں اعتماد الدّولہ کا مزار اس عہد کی عمارتیں ہیں۔ شاہ جہاں کی فن تعمیر سے بہت لگاؤ تھا۔ اس نے شہر آباد کئے، قلعے بناتے، مسجدیں تعمیر کیں۔ لاہور کے قلعہ کی اکبری اور جہانگیری عہد کی بہت سی عمارتوں کو گرا کر شاہ جہان نے انہیں پھر سے بنوایا۔

شاہ جہان کا عہد حکومت پر امن تھا۔ چونکہ ہر تیموری شہزادہ روایات کے مطابق تخت کا دعویدار ہو سکتا تھا۔ اس لئے شاہ جہان نے خانہ جنگی کے روکنے کے لئے اپنے بیٹوں میں ہندوستان کو بانٹ دیا۔ شجاع کو بنگال اور آسام کا گورنر مقرر کیا۔ اورنگ زیب کو دکن اور مراد کو گجرات کا حاکم بنایا۔ دارا کو مرکز میں اپنے پاس رکھا۔ شاہ جہان کو دارا سے بہت زیادہ محبت تھی۔ شاہ جہان کی طرف سے دارا کو ولی عہد مقرر کر دینا ایک مانی ہوئی بات تھی۔ ہر شہزادہ شاہ جہان کا وارث بننا چاہتا تھا۔ سلطنت کے کاروبار کو دارا اس انداز سے سرانجام دے رہا تھا جس سے شہزادوں کے ذہن میں صرف دو باتیں آسکتی تھیں۔ پہلی یہ کہ شاہ جہان مر چکا ہے اور دوسری یہ کہ وہ بستر مرگ پر ہے۔ دونوں صورتوں میں نتیجہ یکساں تھا۔ حصول تخت کی دوڑ میں سب سے پہلے شجاع نکلا۔ دارا کے بیٹے سلیمان شکوہ نے اسے شکست دی۔ اورنگ اور مراد مل کر آگرہ کی طرف بڑھے۔ ساموگڑھ کے میدان میں مقابلہ ہوا۔ دارا نے شکست کھائی۔ اس فتح کی خوشی میں بہادر مرد انے جشن منایا۔ اس جشن میں شراب کے دریا بہا دیئے گئے۔ جب مراد بدمستی کے عالم میں تھا تو اسے اورنگ زیب کے سپاہیوں نے اسے گرفتار کر لیا۔ گرفتاری کے بعد اس کا قتل کر دیا جانا ایک یقینی امر تھا۔ اورنگ زیب نے پچاس سال تک حکومت کی۔ اس طویل مدت میں اورنگ زیب نے نظم ونسق میں جو کچھ کیا اس کا خلاصہ پروفیسر سری رام شرما کے ایک طویل مضمون سے دیا جاتا ہے۔ اس مضمون کو ان اخباروں کے پیش نظر مرتب کیا گیا ہے جو اورنگ زیب کے عہد میں لکھے گئے تھے۔

''ان اخبارات پر نظر ڈالنے سے اورنگ زیب کی ایک بڑی اور نمایاں خوبی یہ سامنے آتی ہے کہ وہ اپنے معمولات میں کبھی تساہل کو دخل نہ دیتا تھا۔ اس کے دور حکومت کے اڑتیسویں سال میں دس مہینہ تک کے جو اخبارات ہیں ان میں صرف گیارہ دن فرصت کا ذکر ہے۔ اگر وہ دیوان عام کے دربارہ میں نہ آسکتا تھا تو غسل خانہ (حمام) یا اس سے بھی پوشیدہ 'خلوت خانہ' میں کام کرتا تھا۔ دکن میں اس کے کام کے چار

طریقے تھے۔عموماً وہ دیوان عام یا خاص میں بیٹھ کر ملکی معاملات طے کیا کرتا تھا، اور عدل انصاف کے لئے ایک دیوان عدالت خاص منعقد ہوتی تھی۔اس کے بعد خلوت خانہ میں اجلاس ہوتا تھا، اس میں داخلہ کے خاص قوانین تھے۔ یہاں صرف حکومت کے ذی اقتدار امرا کو باریابی کا شرف حاصل ہوتا تھا۔خلوت خانہ میں فوری یا ہنگامی اجلاس ہوتے تھے۔ یہاں وہی امرا داخل ہو سکتے تھے جن کو بادشاہ کسی ضروری اور اہم مسئلہ میں خاص طور سے مشورہ کے لئے طلب کرتا۔ دکن میں فوجی معاملات کی اہمیت کی وجہ سے دیوان عام اور خاص کا مخلوط دربار ہوتا تھا۔ جو اسی لحاظ سے دیوان عام وخاص کہلاتا تھا۔اجلاس میں داخلہ کے لئے بادشاہ کے اجازت نامے جاری ہوتے تھے۔بعض امرا کو مستقل پروانہ ملتا تھا۔ان میں سے اگر کوئی بغیر اطلاع کے کچھ دنوں غیر حاضر رہتا تو اسے از سر نو اجازت نامہ حاصل کرنا پڑتا تھا۔ ہر منصب دار کو پروانہ کے حصول کے لئے درخواست دینے کی اجازت تھی، جو تقریباً ہر ایک امیر کو اس کے تقرر، تبادلہ اور ترقی کے وقت مل جاتا تھا۔ جو امرا کسی ملکی یا ذاتی جرم کی بنا پر معتوب ہو جاتے تھے، وہ دربار کی حاضری سے محروم کر دیئے جاتے تھے، دیوان خاص وعام کوئی جمہوری اسمبلی نہیں تھی، اس کی شرکت کے لئے خاص قوانین اور پابندیاں تھیں، بادشاہ اور دربار مل کر حکومت کرتے تھے، امرا، حکام یا ان کے نمائندے جو دارالسلطنت سے دور رہتے تھے، بادشاہ کے حکم سے باریاب ہوتے تھے۔اور اپنے محکموں کے متعلق فرمان شاہی حاصل کرتے تھے، غیر سرکاری اشخاص کا کہیں ذکر نہیں ملتا، البتہ ملکی معاملات کے سلسلہ میں شاہی حکام کے ساتھ بادشاہ کی اجازت سے کبھی کبھی کوئی غیر سرکاری آدمی بھی نظر آجاتا تھا۔جشن کے موقعوں پر البتہ ایک تماشائی کی حیثیت سے گذر ممکن تھا۔''

دربار سے متعلق چند خاص مقرر حکام تھے، جن کا کام شاہی احکام کو جاری کرانا تھا، ان کا افسر اعلیٰ میر تزک کہلاتا تھا۔ جو آداب شاہی کا نگہبان ہوتا تھا۔''عرض مقرر'' معتمد خاص کی حیثیت رکھتا تھا۔شاہی اخبار نویس اول کے ماتحت بہت سے اخبار نویس اور داروغہ ڈاک چوکی اپنے کثیر مخبروں کے ساتھ دربار میں حاضر رہتے تھے، جو ہر وقت احکام شاہی لے جانے کے لئے پابہ رکاب رہتے تھے، ان کے علاوہ خدام خاص مثلاً محافظ جان (باڈی گاڈ) میر شکار، محافظ خیمہ شاہی، بادشاہ کے خاص خدم وحشم میں شمار ہوتے تھے، جن کا کام بادشاہ کی جان کی حفاظت اور اس کی راحت رسانی تھا؟

''ہر دن کی کارروائی عموماً گذشتہ دن کے احکام سنانے کے بعد شروع کی جاتی تھی۔ پھر ان احکام

پر مہر تصدیق ثبت کر کے ان کو مختلف محکموں میں عمل درآمد کے لئے بھیجا دیا جاتا تھا۔ اس کے بعد دیوان یا بخشی ان سرکاری خطوط کو پڑھ کر جو صوبہ دار، ضلع دار، سالار شہر پناہ، سردار مہم اور جنگی افسروں کے یہاں سے آتے تھے، ان کا خلاصہ سنا دیتا تھا۔ اور بادشاہ وہیں ان پر احکام صادر کر دیتا تھا، اس کے بعد بعض حکام اعلیٰ ان خطوط کو سناتے تھے جنہیں بیرونی حکام دارالسلطنت کے باہر سے خفیہ بھیجتے تھے، ان پر بھی فوراً شاہی حکم صادر ہو جاتا تھا۔ کبھی کبھی حکام اعلیٰ کے کارندے مفصلات کے حاکموں کی وہ گذارشات پیش کرتے، جو سرکاری ذریعہ سے پیش نہ ہو سکتی تھیں، اس کے بعد شاہی اخبار نویس مختلف جگہوں کے مقامی اخبار نویسوں کے بیانات کا خلاصہ سناتا تھا، اس کے بعد حکام اعلیٰ اپنے ان ماتحت افسروں کی جن پر ان کی خاص نظر توجہ ہوتی تھی، مناسب الفاظ میں سفارش کرتے تھے۔ بعض محافظ شاہی یا مغرز درباری اپنی طرف سے بھی تجویز کرنے کا حق رکھتے تھے۔ جاسوس اور مخبر براہ راست بادشاہ کو اپنی کارگذاری کی خبر کر دیتے تھے، میر توپ خانہ کو بھی یہ عزت حاصل تھی۔''

''درخواستوں اور ان پر احکام شاہی کی مختلف صورتیں ہوتی تھیں۔ اکثر عرضی پرداز اپنی کار گذاریوں اور خدمات کا ذکر کر کے شاہی لطف وکرم کے امیدوار ہوتے تھے۔ بادشاہ وہیں پر جزاً یا کلاً قبول یا مسترد کر دیتا تھا۔ بعض اوقات نامنظوری نرم اور دلچسپ الفاظ میں ہوتی تھی۔ جیسے'' امیدوار باشد''۔ بعض وہ درخواستیں جو عام مسلوں کے ساتھ نہیں آتی تھیں۔ مختلف محکموں کے افسر جیسے دیوان یا بخشی خان سامان کے پاس رپورٹ کے لئے بھیج دی جاتی تھیں۔ بعض اوقات درخواست کندہ کو حصول سفارش کے لئے اس کے افسر اعلیٰ کے پاس بھیجا جاتا تھا۔ جب بادشاہ کی توجہ اور اس کے تجسس کی وجہ سے کسی معاملہ کی اہمیت بڑھ جاتی تو اس کی تحقیقات کے لئے ایک مقامی کمشنر مقرر کیا جاتا۔ لیکن یہ صورت انہیں حالات میں پیش آتی تھیں۔ جب ماتحت حکام میں سے کسی کو یہ شکایت ہوتی کہ اخبار نویس افسر اعلیٰ نے دربار میں اس کی درخواست پیش نہیں کی۔''

''تمام منصب داروں کا تقرر، ان کی ترقی، تنزل، برطرفی، عطیت، جاگیر اور محکموں کے تعین پر نہ صرف شاہی حکم ہوتا تھا۔ بلکہ اس کی مفصل ہدایات بھی ہوتی تھیں اور اس میں بڑے چھوٹے کی کوئی تخصیص نہیں تھی۔ البتہ صوبہ دار، سردار، مہم سالار، شہر پناہ اور فوجدار اپنے ماتحتوں کے تقرر کے لئے سفارش کر سکتے تھے۔ لیکن فوج دار یا ضلع دار کا تقرر اس سے مستثنیٰ تھا۔ اس سے مرکز کا بار کچھ کم ہو جاتا تھا۔ کابل

اور بنگال کے صوبہ داروں کو اس بارے میں زیادہ اختیارات تھے۔لیکن نہ اتنے کہ وہ اپنے کو خود مختار سمجھنے لگیں۔اسی لئے اکثر سرحد کے صوبہ داروں کی سفارشیں رد بھی کر گئی ہیں۔ جب کسی مہم کی سرکردگی پر کوئی امیر مقرر کیا جاتا (جیسے جے سنگھ مرہٹوں کے خلاف بھیجا گیا تھا) تو اسے غیر معمولی اختیارات دیئے جاتے تھے۔تاکہ اس مہم میں کوئی دشواری پیدا نہ ہو،''

''محکمہ مال کی حیثیت کسی قدر جداگانہ تھی۔ 31 جولائی 1689 کو ایک فرمان جاری ہوا۔جس میں یہ ہدایت تھی کہ مال کے وہ کاغذات جو صوبہ کے افسروں نے بھیجے ہیں،دفتر شاہی میں داخل نہ کئے جائیں۔ بلکہ اپنے مرکزی دیوان کے محکمہ میں پیش کئے جائیں۔اور غالباً برابر یہ اُصول جاری رہا۔ کیونکہ پھر اخبارات میں اس کا ذکر نہیں ہے۔لیکن صوبائی دیوان کی عرضداشتیں بادشاہ کے حضور میں پیش کی جاتی تھیں۔ چنانچہ 17 مئی 1703 کے فرمان سے واضح ہوجاتا ہے کہ کس طرح مالیات کے کاغذات کا تصفیہ کیا جاتا تھا۔دیوان خالصہ اور دیوان دکن کو حکم تھا کہ وہ اپنی رپورٹ اور تجاویز سربمہر شاہی دیوان کے پاس بھیجا کریں جو بادشاہ کو ضروری اقتباسات سنادیا کرے گا۔''

''اخبار نویسوں کی رپورٹ پر بھی اکثر احکام صادر ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ 19 اپریل 1696 کو بیدار بخش کی فوج سے یہ اطلاع آئی کہ پرتھوی سنگھ اور دوسرے منصبداروں نے اپنے فرائض سے غفلت کی۔اس پر حکم ہوا کہ وہ قابل تعزیر قرار دیئے گئے۔اسی طرح 23 اگست 1689 کو حیدرآباد کے اخبار نویس نے اطلاع دی کہ بخشی کی علالت اور گھر چلے جانے کی وجہ سے آج کل یہ عہدہ خالی ہے۔اس رپورٹ پر فوراً دوسرے بخشی کا تقرر ہوگیا۔ اگرچہ منصبداروں کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ اپنی تجویزیں اور سفارشیں بادشاہ کے حضور میں بھیجا کریں۔اگر وہ قابل سماعت ہوں گی تو انہیں قبول حاصل ہوگا۔لیکن واقعہ یہ ہے کہ چالیس سپاہیوں کے افسر کا تقرر بھی وہ خود کرتا تھا۔گویا کوئی کام خواہ کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو۔ اس کے حکم اور مرضی کے بغیر انجام نہیں پاسکتا تھا۔دربار کے کاغذات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو بات بھی اس کے علم میں آجاتی تھی خواہ وہ کتنی ہی چھوٹی کیوں نہ ہو اسے کبھی نظر انداز نہیں کرتا تھا اور فوراً اس کی طرف توجہ کرتا تھا۔گو اس سے مرکز کا کام بہت بڑھ گیا تھا لیکن اس سے اس کی غیر معمولی محنت اور انہماک کا پتہ چلتا ہے۔اسی طرح 23 جولائی 1689 کو دیوان حیدرآباد کے خلاف شکایت پہنچی۔ وہاں کے مقامی اخبار نویس کو حکم ہوا کہ اس بارے میں وہ اپنی رپورٹ بھیجے۔ 15 اپریل 1693 کو اہل حصار کے مقامی

فوجدار کے خلاف شکایت موصول ہوئی کہ وہ ناواجب ٹکس وصول کرتا ہے اور بہت سے باشندوں کو بلاوجہ قید کر دیتا ہے۔ اس پر صوبہ دار دہلی کو تحقیقات کر کے رپورٹ پیش کرنے کا حکم ہوا۔ اسی طرح ایک منصب دار کے خلاف اس کے خادم کی شکایت سے یہ ظاہر ہوا کہ اس کے پاس مختلف مہریں ہیں۔ جن سے وہ جعل سازہ کرتا ہے۔ اُسے گرفتار کر کے 19 اپریل 1693ء کو دربار میں لایا گیا اور قید سخت کی سزا ملی۔ ایک مرتبہ فوج کے صراف نے اپنے چودھری کے خلاف شکایت کی۔ 25 اپریل 1693ء کو منصبدار کو اس شکایت کی تحقیقات کا حکم ملا۔ ایک چوری کا واقعہ پیش ہوا۔ صوبہ دار کو حکم ہوا کہ نائب فوجدار کو تحقیقات اور چور کے پتہ جلانے کا حکم دیا جائے۔ 25 جون 1694ء کو یہ اطلاع ملی کہ ادگیر کا فوجدار سارے مقدمات حتیٰ کہ شرعی معاملات کو خود ہی فیصل کرتا ہے۔ حکم ہوا کہ آیندہ سے ایسا نہ کرے۔ 24 اپریل 1694ء کو ایک مغل سودخوار نے قرض کی وصولی میں اپنی مقروض کی جان لے لی۔ اس کے بدلے میں اس کے نوکروں نے مغل کو مار ڈالا۔ گوالیار میں مغلوں کے چار گھوڑے گم ہو گئے۔ وہاں کے فوجدار غدائی خان کو حکم ہوا کہ اس نقصان کی تلافی کرے۔ ایک مرتبہ کشمیر کے صوبہ دار نے معروضہ پیش کیا کہ کشمیر کی آب و ہوا اس کو راس نہیں آتی ہے۔ اس پر 11 جون 1700ء کو حکم ہوا کہ بخشی شامیانہ کے زیر سایہ کام کیا کریں۔ جب کبھی کسی حاکم کے ظالم اور جبری ٹیکس وصول کرنے کی خبر پہنچی تھی تو ان کی پوری پوری خبر لی جاتی تھی۔ 12 نومبر 1679ء اور مارچ 1703ء کو سرکاری نوکروں کو مختلف خدمات کے پروانے اور عام لوگوں کے بے خطر سفر کے اجازت نامے ملے۔ 14 اپریل 1705ء کو ایک ڈکیتی کی خبر آئی فوجدار کو حکم ہوا کہ مقدمہ کی تحقیقات کر کے مفسدوں کو قانون شریعت کے مطابق سخت سزائیں دی جائیں۔''

''آداب عالمگیری میں جو خطوط ملتے ہیں، ان سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ اس کے سارے کاموں میں کس قدر مرکزیت تھی۔ وہ اجمیر میں بیٹھ کر جودھپور اور میواڑ کی فوجوں کو تفصیل ہدایات پر نقل و حرکت کے متعلق تجویزیں بھیجا کرتا تھا اور مقامی سالاروں کو خود کسی کام کی آزادی نہ تھی، گو بعض بہانہ ڈھونڈھ کر شاہی حکم کی نافرمانی کر جاتے تھے۔ بادشاہ کا سب سے زیادہ وقت محکمہ خانسامان پر صرف ہوتا تھا۔ کارخانوں، عمارتوں، سڑکوں خیموں، باغ، کھیل اور دوسرے تفریحی مشاغل کے متعلق جتنے سوالات پیدا ہوتے تھے بادشاہ اپنے مذاق کے مطابق ان کو حل کرتا تھا۔''

اخبارات سے پتہ چلتا ہے کہ صدر کے فرائض میں وہ دخل نہیں دیتا تھا۔ قاضی۔ محتسب، مفتی کے

معالات کی روداد اخبارات میں کم ملتی ہے۔ یہ لوگ اپنے حدود میں بہت کچھ آزاد تھے اور کبھی حکام دیوانی کی مداخلت کے شاکی نظر نہیں آتے۔ البتہ ایک قاضی کے خلاف جبر و تعدی کی شکایت پیش ہوئی تھی۔''

''اب تک جو کچھ لکھا گیا۔ وہ زیادہ تر دیوان عام کے متعلق تھا۔ جہاں تک کام کا تعلق ہے دیوان اور غسل خانہ میں کوئی فرق نہیں تھا۔ جب وہ دربار عام میں جانا چاہتا تھا۔ تو غسل خانہ میں اجلاس کرتا تھا۔ اس میں داخلہ کی شرائط کا مختصر بیان اوپر گزر چکا ہے۔ بعض سرداران مہم سے پوشیدہ اور رازدارانہ مشور ہوتا۔ داخلہ کا پروانہ نقیب کو بھی دیا جاتا تھا تاکہ اُسے معلوم ہو جائے کہ کن لوگوں کو داخلہ کی اجازت ہے۔ ایک محافظ غسل خانہ اس خدمت پر مامور تھا کہ یہاں بھی آداب دربار پورے پورے برتے جائیں۔ اگر کسی درباری آداب میں کسی منصب دار کی بےعنوابی پر جرمانہ ہو جاتا تھا تو وہ بغیر ادا کئے ہوئے اپنی جگہ سے نہیں جا سکتا تھا''

''خلوت خانہ کسی مخصوص جگہ کا نام نہیں تھا۔ بلکہ جہاں کہیں بادشاہ کسی گوشہ میں اجلاس کرتا تھا وہ خلوت خانہ کہلاتا تھا۔ یہ گویا بےضابطہ اجلاس ہوتا تھا۔ جہاں صرف ایک شہزادہ یا ایک حاکم یا ایک عالم بلایا جا سکتا تھا۔ یہاں رسوم کی پابندی کی کوئی قید نہیں تھی۔ اکثر مہمان امرا کو بھی یہاں جگہ ملتی تھی۔ اور اگر وہ بادشاہ کی پیش کردہ کسی تجویز سے اختلاف کرتے تھے تو وہ ان سے زبردستی نہیں منواتا تھا۔ بلکہ دلیل سے انہیں قائل کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اُس نے دلاور خاں کو خلوت میں ملاقات کے لئے بلایا۔ روح اللہ خاں، اسداللہ خاں اور شہزادے بھی بلائے گئے تھے۔ اورنگ زیب جب دکن کے سفر میں تھا تو دربار نہیں ہوتے تھے۔ لیکن دیوان خانِ سامان، صدر، امیر توپ خانہ کو حکم تھا کہ وہ بادشاہ کے حضور میں حاضر ہو کر احکام حاصل کیا کریں۔''

''جب وہ کسی مقدمہ کی روداد سنتا تھا تو دیوان عام، دیوان مظالم میں تبدیل ہو جاتا تھا۔ بدقسمتی سے اس کا پتہ نہیں چلتا ہے کہ کس طرح مقدمات کی سماعت اور ان کا فیصلہ ہوتا تھا۔ اخبارات سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ دیوان مظالم یا عدالت منعقد ہوتی تھی۔ اکثر محافظ مظلومین، ان کی جماعت کو بادشاہ کے سامنے پیش کرتا تھا۔ بعض اوقات مقدمات مقامی تحقیقات کیلئے بھیج دیئے جاتے تھے۔ اکثر مظلومین کے ساتھ عصا بردار یا مخبر بھیجے جاتے تھے تاکہ وہ ان کے سامنے تحقیقات کر کے ان کو اپنے ساتھ واپس لائیں۔ اس کا پتہ چلانا مشکل ہے کہ دیوان مظالم میں کس قسم کے مقدمات فیصل ہوتے تھے۔ کیونکہ مجرمین

کو کبھی عدالت کا یہ حکم بھی مل جاتا تھا کہ ان کا مقدمہ شاہی دربار میں فیصل ہونے کے بجائے قاضی کے اجلاس میں شریعت کے مطابق فیصل ہوگا۔ غالباً بادشاہ اپنے ماتحتوں کی بدعنوانیوں کی شکایت خود سنتا تھا اور سختی کے ساتھ ان کا تدارک کرتا تھا۔ مقدمات میں عدل وانصاف ملحوظ رکھتا تھا۔ اس میں کسی کی رورعایت نہیں کرتا تھا۔ اس لئے لوگ اس سے گھبراتے تھے۔ ایسی حالت میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ کہ سب مقدمات شاہی دربار میں پیش کئے جائیں لیکن بعد کے اخبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ بارہ سے زیادہ فیصل نہ ہو سکے۔''

''ان تمام اُمور سے پتہ چلتا ہے کہ اورنگ زیب کی حکومت میں کس قدر استحکام اور کتنی مرکزیت تھی۔ صوبہ داروں کو ضلع کے حکام کے متعلق جو اختیارات بھی ہوں لیکن فوجدار اکثر ان کے متعلق مرکزی دفتر سے براہ راست مراسلت کر کے شاہی فرمان حاصل کرتا تھا۔ سردار مہم اور فوج کے دوسرے ماتحت حکام کو بھی شاہی اعتماد کی عزت حاصل تھی۔ خان سامان کے ماتحت جو افسر کام کرتے تھے، وہ دراصل شاہی خدام ہوتے تھے۔ اور انہیں براہ راست بادشاہ سے ہدایات اور احکام ملتے تھے۔ یہ صحیح ہے کہ ماتحتوں کی وہ درخواستیں جو شاہی لطف وکرم کے لئے پیش ہوتی تھیں، زیادہ تر محکموں کے افسر اعلیٰ کے پاس رپورٹ کے لئے بھیج دی جاتی تھیں۔ لیکن ملکی انتظام کے بارہ میں جو درخواستیں آتی تھیں، ان پر براہ راست ہدایات بھیجی جاتیں۔ ایسی صورت میں مرکز کا کام بہت بڑھ جاتا۔ اس میں سہولت کے لئے دیوان اور بخشیوں کو یہ اختیار دے دیا جاتا تھا کہ وہ اپنے محکموں کے معاملات کی مسلوں پر اپنی رائے لکھ دیا کریں۔ اگرچہ اورنگ زیب نے اس پر کبھی فخر نہیں کیا کہ وہ انصاف وعدل کا سرچشمہ ہے لیکن وہ ہمیشہ حکام کے خلاف بھی شکایت سنتا تھا اور مظلومین کی دادرسی کرتا تھا۔!

## قدیم زمانے میں ہندستانی صنعت وتجارت:

ہندوستان پرانے زمانہ میں صنعتی ملک تھا۔ اس زمانہ میں زراعت اور صنعت ایک ساتھ ترقی پر تھی۔ ہندوستان کی بہت سی قیمتی اشیا دوسرے ملکوں میں فروخت ہوتی تھیں۔ ہندوستانی مصنوعات کی ہندوستان کے تاجر، ہندوستانی جہازوں میں لاد کر دور دراز ملکوں تک لے جاتے۔ ہندوستان میں آریوں کی آمد سے پہلے ہندوستان کی دوسرے ملکوں سے تجارت شروع ہو چکی تھی۔ فراعنہ مصر کے مقبروں میں ان

کی نعشیں ہندوستان کی باریک ململ میں لپٹی ہوئی پائی گئیں۔ ہندستانی صنعت وحرفت کی یہ ترقی آریائی دور میں اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ پلینی کو یہ کہنا پڑا تھا کہ روم کی بہت سی دولت ہندوستان کی طرف بہی چلی جارہی ہے۔ ہندوستان اپنی ضروریات میں خود کفیل تھا۔ جب یونان اور روم میں تہذیب اپنے ابتدائی مدراج طے کر رہی تھی تب ہندوستان مال دولت کا مرکز بن چکا تھا۔ مشرق ومغرب سارے ملکوں میں ہندوستانی مصنوعات فروخت ہوتی تھیں۔ اس تجارت برآمد نے ہندوستان کو ''سونے کی چڑیا'' بنادیا تھا۔ اسی زمانہ میں ہندوستان کی صنعت جہاز سازی بھی بڑے زوروں پر تھی۔ غیر ملکی حملہ آوروں کے سبب ہندوستان کے سیاسی حالات بدلتے رہے۔ ملک میں بے چینی بھی پیدا ہوتی رہی لیکن ہنگامی اور عارضی طور پر۔

افغانوں اور مغلوں کے دور میں ہندوستان نے صنعت وحرفت میں بہت زیادہ ترقی کی۔ ابن بطوطہ اپنے سفرنامہ میں لکھتا تھا کہ صلیبی جنگوں کے زمانہ سے ہندوستان کی تجارت وینس اور جینوا کی راہ سے یورپ کے ملکوں سے ہورہی ہے۔ ہندوستان کے لوگ خوشحال ہیں۔'' محمد تغلق نے دہلی میں سوتی کپڑے کا ایک کارخانہ قائم کیا تھا جس میں پانچ ہزار کاریگر کام کرتے تھے۔ مارکوپولو ہمیں بتاتا ہے کہ راس امید اور شنگھائی کی تمام درمیانی بندرگاہوں میں ہندوستان کا بنا ہوا کپڑا افراط سے فروخت ہوتا ہے۔'' آج ہندوستان کو صرف زرعی ملک کہا جاسکتا لیکن حقیقت یہ ہے کہ انیسویں کے شروع تک ہندوستان ایک صنعتی ملک تھا۔ دنیا کے ہر ملک کے تاجر ہندوستان سے تجارت کرتے تھے۔ مہذب دنیا میں ڈھاکہ اور مرشد آباد کی ململ کا استعمال عظمت اور برتری کا ثبوت تھا۔ یورپ کے ہر ملک میں ان دوشہروں کی ململ اور چکن بہت زیادہ مقبول تھی۔ ہندوستان سے سوتی اور اُونی کپڑے شال دوشالے، ململیں اور چھینٹیں برآمد کی جاتی تھیں۔ ریشم، کمخواب اور زربفت کے لئے احمد آباد دنیا بھر میں مشہور تھا۔ اٹھارھویں صدی میں ہندوستانی کپڑوں کی انگلستان میں اتنی مانگ ہوگئی تھی کہ اسے بند کرنے کے لئے حکومت کو بھاری ٹیکس لگانے پڑے تھے۔ پارچہ بانی کے علاوہ لوہے کے کام میں بھی ہندوستان بہت زیادہ ترقی کر چکا تھا۔ لوہے سے تیار شدہ اشیا ہندوستان سے باہر بھی بھیجی جاتی تھیں۔ اورنگ زیب کے عہد میں ملتان میں جہازوں کے لئے لوہے کے لنگر ڈھالے جاتے تھے۔ جہاز سازی میں بنگال نے بہت ترقی کرلی تھی۔ انیسویں صدی کے آغاز تک ہندوستان صنعت وحرفت میں انگلستان سے بڑھا ہوا تھا۔ انگلستان کے لئے تجارتی اور جنگی

جہاز ہندوستان میں تیار ہوتے تھے۔لیکن انیسویں صدی کے بعد ہندوستان کی برآمد میں کمی ہونا شروع ہوئی اوراس کی درآمد میں ہرسال اضافہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ برآمد برائے نام رہ گئی اور ہندوستان محض ''درآمدستان'' بند کر رہ گیا۔ایک انگریز کے الفاظ ہیں۔''عام انگریزوں کو سمجھانا مشکل ہے۔کہ ہماری حکومت سے پہلے ہندوستانی زندگی کبھی پر لطف تھی۔ کاروباری اور باہمت لوگوں کے لئے کیسی کیسی آسانیاں میسر تھیں۔ مجھے پورا پورا یقین ہے کہ انگریزوں کے آنے سے پہلے کاروباری ہندوستانی نہایت آرام کی زندگی بسر کرتے تھے۔'' اورنگ زیب کے عہد میں سورت اوراحمد آباد سے جو مال باہر بھیجا جاتا تھااس سے تیرہ لاکھ اور روپیہ سالانہ چنگی کے ذریعہ وصول ہوتا تھا۔

گیارھویں صدی سے انیسویں صدی کے وسط تک ہندوستان تجارتی حیثیت سے بہت نمایاں تھا۔ اس دور میں انگلستان سے جاپان تک ہندوستانی مال فروخت ہوتا تھا۔اٹھارھویں صدی کے شروع میں مغلیہ سلطنت میں زوال کے آثار پیدا ہوگئے۔ان آثار انحطاط کو یورپی قوموں نے اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔ چنانچہ اُنہوں نے ہندوستان پر قبضہ جمانے کے ارادے کے لئے۔اگر ہندوستان کے بہت سے صوبوں میں سے کسی ایک کو بھی مرکز پر قابو پانے اور اپنی حکومت بنانے میں کامیابی ہو جاتی تو ہندوستان معاشی تباہی اور بربادی سے بچ جاتا۔ ہندوستان کی صنعتی برتری کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ اسے ختم کرنے میں سو سال صرف ہوئے۔

پرتگال کے بعد ہالینڈ نے بھی ہندوستان سے تجارت کرنے کے لئے جدوجہد شروع کی ولندیزوں نے بھی پرتگیزوں کی دریافت کردہ راہ سے ہندوستان کے ساتھ تجارت شروع کر دی۔ پرتگال نے ہالینڈ کی مزاحمت کی۔سولھویں صدی میں پرتگال، ہندوستان کی تجارت کا اجارہ دار بن گیا۔سترھویں صدی کے شروع میں ہالینڈ میں ایک بہت بڑی تجارتی کمپنی بنائی گئی۔اب ولندیزوں نے پرتگیزوں کے مقبوضات پر قبضہ کرنا شروع کیا ملکی تجارت پر اب پرتگیزوں کے جگہ ولندیزوں کا قبضہ تھا۔ڈنمارک نے بھی تقدیر آزمائی گی۔انگریز اور فرانسیسی بھی میدان میں اُتر پڑے۔

# ایسٹ انڈیا کمپنی

دنیا کے ہر ملک کو تہذیب کے تقریباً یکساں دوار میں سے گزرنا پڑا ہے۔ جزائر برطانیہ کے لوگ بھی صدیوں غاروں میں زندگی بسر کرنے کے بعد پتھر اور دھات کے زمانہ میں سے گذرے۔ یہاں کے قدیم باشندے پکٹ اور بڑٹین کہلاتے تھے۔ روم کے جولیس سیزر نے پہلی صدی قبل مسیح میں جزائر برطانیہ کے جنوبی حصہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ تین سو سال تک رومی جنوبی برطانیہ پر قابض رہے۔ رومیوں نے اس علاقہ میں رومی انداز کے شہر آباد کئے۔ رومیوں نے جو سڑکیں بنائی تھیں اُن کے آثار اب تک پائے جاتے ہیں۔ رومیوں کی وجہ سے جنوبی برطانیہ میں لاطینی زبان رائج ہوئی۔ جب روم میں عیسائیت پھیلی تو اس کے سے اثر جزائر برطانیہ کے لوگوں نے عیسامیت قبول کی۔ سلطنت روما کے کمزور ہو جانے کے بعد پانچوں صدی عیسوی میں رومیوں نے جزائر برطانیہ کو خیر باد کیا۔ رومیوں کے دور حکومت میں اہل برطانیہ اس قدر امن پسند ہو چکے تھے کہ ان کے چلے جانے کے بعد جب شمالی جرمنی کے قبائل نے برطانیہ کا رخ کیا تو وہ ان قبائل کا مقابلہ نہ کر سکے۔ جوٹس، اینگلز اور سکیسز قبیلوں نے سارے برطانیہ پر قبضہ کر لیا۔ آہستہ آہستہ یہ تینوں قبیلے اینگلز کہلانے لگے۔ اس نسبت سے برطانیہ کا نام انگلینڈ (انگلستان) ہو گیا۔ ان قبائل کی آمد سے انگلستان کے قدیم باشندے شمال اور مغرب کی طرف بھاگ گئے۔ انہوں نے انگلستان میں عیسائیت کو ختم کر دیا۔ چھٹی صدی کے اختتام پر پوپ نے انگلستان میں عیسائیت کے احیاء کی کوشش کی۔ بہت جلد سارا انگلستان عیسائیت میں داخل ہو گیا۔ لیکن قبائلی جنگ بدستور جاری رہی۔ یہاں تک دے سکس کے حکمران انگلستان پر قابض ہو گئے۔ ان حکمرانوں میں سب سے زیادہ مشہور الفریڈ تھا۔ اس کے عہد حکومت میں ڈنمارکیوں (ڈینز) نے شمالی اور مشرقی انگلستان پر قبضہ کر لیا۔ اب انہوں نے دے سکس پر حملہ کیا۔ ایک معاہدہ کی رو سے شمالی اور مشرقی انگلستان پر ان کی حکومت تسلیم کر لی گئی۔ الفریڈ نے 871ء سے 901ء تک حکومت کی۔ اس نے تعلیم کی طرف بہت زیادہ توجہ کی۔ اُس نے انگریزی بیڑے کی بنیاد رکھی۔ الفریڈ کے مرنے کے بعد بھی ڈنمارکیوں کی تازہ دم جماعتیں انگلستان میں داخل ہوتی رہیں۔ ان ڈنمارکیوں کی ایک شاخ شمالی فرانس میں آباد ہو چکی تھی۔ یہ علاقہ ان کی نسبت سے نارمنڈی کے نام سے موسوم ہوا۔ نارمنڈی کے حکمرانوں کو آزادی حاصل تھی۔ ایڈورڈ کو نارمنڈی سے بلا کر انگلستان کا تخت پیش

کیا گیا تھا۔ایڈورڈ کی تخت نشینی کے باعث انگلستان میں نارمنوں کا بہت زیادہ اثر ورسوخ ہو گیا تھا۔اُس نے انگلستان میں نارمنوں کو بڑی بڑی جاگیریں دیں۔اُس نے ایک وصیت کی رو سے ولیم ڈیوک آف نارمنڈی کو اپنا جانشین مقرر کیا۔لیکن اس کی موت (1066ء) کے بعد امیروں نے ہیرلڈ کو اپنا بادشاہ منتخب کیا۔اس پر نارمنڈی کے نواب ولیم نے انگلستان پر حملہ کیا۔ہیسٹنگز کی لڑائی میں ہیرلڈ مارا گیا۔ولیم انگلستان کا بادشاہ تھا۔اس نے نارمن خاندان کی بنیاد رکھی۔ یہ خاندان 1066ء سے 1154ء تک حکمران رہا۔

انگلستان کی تاریخ میں نارمنڈی کا یہ نواب ولیم فاتح کہلاتا ہے۔ہیسٹنگز کی لڑائی میں فتح حاصل کرنے کے بعد وہ بلاشبہ انگلستان کا بادشاہ بن گیا تھا۔لیکن اس بادشاہت کا قائم رکھنا مشکل تھا۔ایک طرف انگریز تھے۔اور دوسری طرف نارمن جاگیردار۔ایک کی خوشنودی دوسرے کو ناخوش کرتی تھی۔ولیم نے ایک اعلان کے ذریعہ انگلستان کی ساری زمین پر خود قبضہ کرلیا اور پھر نارمنوں میں جاگیریں بانٹ دیں۔اس طرح ولیم فاتح نے انگلستان میں جاگیردارانہ نظام قائم کیا۔ولیم نے نارمن جاگیرداروں کی جاگیروں کو اگرچہ ایک دوسرے سے دور رکھا تھا۔تاہم وہ ان کی متحدہ قوت سی بہت خائف تھا۔چنانچہ اس نے سالسبری میں جاگیرداروں، ماتحت جاگیرداروں اور کسانوں (غلاموں) سے اپنی وفاداری کا حلف لیا۔ولیم نے جاگیرداروں کے حالات سے پوری طرح واقفیت حاصل کرنے کے لئے ''ڈومزڈے بک'' مرتب کرائی۔ ولیم نے انگریزوں سے زمینیں چھین لینے کے بعد انہیں گرجاؤں سے بھی نکال دیا۔اس زمانہ میں چونکہ انگلستان میں پھوس اور لکڑی کے مکان ہوتے تھے اس لئے ولیم کے ایک حکم کی رو سے ان مکانوں کو آتشزدگی سے بچانے کے لئے رات کے آٹھ بجے کے بعد کسی مکان میں روشنی نہیں کی جاسکتی تھی۔اس کے مرنے کے بعد ولیم سرخ رو انگلستان کا بادشاہ بنا۔نارمن نوابوں نے اس کے خلاف بغاوت کی۔اس بغاوت میں انگریزوں نے ولیم سرخ رو کا ساتھ دیا۔ولیم نے باغیوں کو شکست دی۔اُس نے نارمن جاگیرداروں کی قوت میں کمی کی۔اس کے جانشین ہنری اول نے انگریزوں کے پرانے شاہی خاندان کی ایک شہزادی کے ساتھ شادی کی۔ نارمن نوابوں نے بھی اس کی پیروی کی۔اس طرح انگریزوں اور نارمنوں کے تعلقات خوشگوار ہونے لگے۔ہنری اول کی موت کے بعد انیس سال تک تخت کے امیدواروں میں لڑائی ہوتی رہی۔آخر سٹیفن شاہ انگلستان نے تسلیم کرلیا کہ اس کی موت کے بعد ہنری

اول کا نواسا تخت نشین ہوگا۔ یہ شہزادہ ہنری دوم کے نام سے تخت پر بیٹھا۔ ہنری دوم انجویہ خاندان کا بانی تھا۔ ہنری دوم کے مقبوضات میں آدھا فرانس شامل تھا۔ اس نے جاگیرداروں کو حکم دیا کہ وہ اپنے قلعے گرادیں۔ جاگیرداروں کی قوت توڑنے کے بعد اُس نے پادریوں کے اقتدار میں کمی کی۔ اُس نے تمام کلیسائی عدالتوں قائم کیں۔ جس کے جج ملک بھر کا دورہ کر کے مقدموں کی سماعت کرتے۔ ہنری دوم سے پہلے متنازعہ زمین کا فیصلہ تلوار کرتی تھی۔ لیکن اب فریقین کو اس کے تصفیہ کے لئے عدالت میں جانا پڑتا تھا۔ اُس نے جزیہ سے ملتا جلتا ایک ٹیکس لگا کر بہت سے لوگوں کو فوجی خدمات سے محروم کر دیا۔ اس رقم سے اُس نے ایک باقاعدہ شاہی فوج کو منظّم کیا۔ اُس نے جاگیرداروں کی قوت کو مزید توڑنے کے لئے کاشتکاروں کو مسلح کر دیا۔

ہنری نے تھامس بیکٹ کو اسقف اعظم مقرر کیا۔ اس کا خیال تھا کہ بیکٹ اسکی ہر بات مان لے گا۔ لیکن تھامس بیکٹ جس طرح تاج کا خادم تھا اس طرح کلیسا سے اس کی وفاداری مسلم تھی۔ ہنری سے اس نے اختلاف کیا۔ اس اختلاف کی پاداش میں اسے چھ سال جلاوطنی میں بسر کرنے پڑے۔ آخر دونوں میں سمجھوتہ ہوگیا۔ چند سال بعد یارک کے لاٹ پادری روجر نے ولی عہد کی رسم تخت نشینی ادا کی۔ اس پر بیکٹ خفا ہوگیا۔ کیونکہ اس رسم کی ادائیگی اسقف اعظم کے فرائض میں تھی۔ اس نے یارک کے لاٹ پادری کو کلیسا سے نکال دیا۔ لاٹ پادری نے ہنری کے دربار میں فریاد کی۔ اس پر ہنری نے جوش میں آ کر کہا کیا ان بزدلوں میں سے، جو میرے نان نمک پر زندہ ہیں، ایک بھی ایسا نہیں جو مجھے اس فتنہ پرداز سے نجات دلائے۔'' چار درباری کنٹربری پہنچے۔ تھامس بیکٹ کو گرجا میں گھیر لیا۔ بیکٹ کے ہاتھ جو میں صلیب تھی اُسے شاہی سپاہیوں نے چھیننا چاہا۔ لیکن بیکٹ نے انکار کر دیا۔ سپاہیوں نے اسے قتل کر دیا۔ تھامس بیکٹ کے قتل سے سارے یورپ میں سنسنی پیدا ہوگئی۔ پوپ نے بیکٹ کو شہید قرار دیا۔ ہنری ننگے پاؤں بیکٹ کے مزار پر گیا جہاں مجاوروں نے اُس کے بدن پر درے لگائے۔ بیکٹ کی موت سے انگلستان کے کلیسا پر پوپ کا اقتدار بدستور قائم رہا۔ ہنری کی موت کے بعد اس کا بیٹا رچرڈ تخت نشین ہوا۔ وہ اپنے عہد حکومت ہیں شاید دو مرتبہ انگلستان آیا۔ اس نے تیسری صلیبی جنگ میں حصہ لیا۔ وہ رچرڈ شیر دل کے نام سے یاد کیا جاتا۔ تیسری صلیبی جنگ رچرڈ اور صلاح الدین کی بہادری کے افسانوں سے بھری پڑی ہے۔ صلاح الدین ایوبی نے رچرڈ کو شکست دینے کے بعد اُس سے کہا کہ وہ یروشلم کی زیارت کر سکتا ہے۔ لیکن رچرڈ

نے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ ''جس مقدس مقام کو میری تلوار حاصل نہیں کر سکی، اُسے دیکھنے کا میری آنکھوں کو حق حاصل نہیں۔'' رچرڈ کے بعد جان نے پوپ کی ہر اس تحریر کا تمسخر اُڑایا جو اس نے انگلستان پر عائد کی۔ آخر پوپ نے جان کو ایک اعلان کے ذریعہ عیسائی مذہب سے خارج کر دیا۔ اب پوپ نے فرانس کے بادشاہ فلپ سے کہا کہ وہ انگلستان پر حملہ کرے۔ اس پر جان نے پوپ سے معافی مانگ لی۔ اسی زمانے میں انگلستان کے جاگیرداروں نے جان سے ماگنا کارٹا (فرمان عظیم) پر دستخط کرائے۔ جان کی موت کے بعد ہنری سوم کے عہد کا سب سے بڑا واقعہ سائمن کی پارلمینٹ ہے۔ ایڈورڈ اول کی حیثیت ایک آئین گر کی ہے۔ اس نے بہت سے قانون وضع کئے۔ اس نے سکاٹ لینڈ سے جنگ کی۔ لیکن اسے فتح کرنے سے پہلے مر گیا۔ اس کے بیٹے ایڈورڈ دوم اور سکاٹ لینڈ کے رابرٹ بروس میں لڑائی ہوئی جس میں انگریزوں کو شکست ہوئی۔ اس ایک فتح کے سبب سکاٹ لینڈ تقریباً دو سو سال تک آزاد رہا۔ ایڈورڈ سوم کے عہد میں انگریزوں اور فرانسیسیوں میں لڑائیوں کا وہ طویل سلسلہ شروع ہوا جو تاریخ میں جنگ صد سالہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ایڈورڈ سوم کے عہد میں پارلیمنٹ کے ذریعہ بہت سے قانون منظور کرائے گئے۔ ان میں سے ایک ''قانون مزدوراں'' تھا۔ اس قانون کی رو سے مزدوروں کو اتنی اجرت پر کام کرنا پڑا جس سے وہ اپنا گذارہ تک نہیں کر سکتے تھے۔ رچرڈ دوم کے دور حکومت میں وائیکلف نے بائیبل کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا۔ اس عہد کا سب سے نمایاں واقعہ کسانوں کی بغاوت ہے۔ کسانوں کے ایک بہت بڑے جلوس نے شاہی لشکر کو چیر کر جان آف کانٹ کے محل میں آگ لگا دی۔ رچرڈ دوم نے مطلق العنانی اختیار کر لی تھا۔ ''میرا ہر لفظ قانون ہے۔'' وہ اکثر کہا کرتا۔ وہ آئرستان کی بغاوت فرو کرنے میں مصروف تھا کہ ہنری لنکاسٹر نے انگلستان کے ساحل پر اپنی فوجیں اتار دیں۔ رچرڈ قید ہو کر قتل ہوا۔ لنکاسٹر خاندان کا ہنری، انگلستان کے تخت پر ہنری چہارم بن کر بیٹھا (1399ء)۔

چونکہ اس خاندان (۱۳۹۹ء تا ۱۴۲۳ء) کے بادشاہ پارلیمنٹ کے فیصلوں کے مطابق حکومت کرتے تھے۔ اس لئے انگلستان کی تاریخ میں یہ زمانہ اسٹینی زمانہ کہلاتا ہے۔ ہنری پنجم نے جنگ صد سالہ کو پھر جاری کیا۔ پر امن دور نے انگلستان کی مالی حالت کو بہتر بنا دیا تھا۔ فرانس سے جنگ کرنے کے لئے ہنری نے اپنے آپ کو فرانس کے شہنشاہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ ہنری نے فرانس کے شمالی علاقہ پر آسانی سے قبضہ کر لیا۔ ایجن کورہ کی لڑائی میں ہنری نے فرانسیسیوں کو شکست دی فرانس پر انگلستان کا قبضہ

تھا۔اسی زمانہ میں فرانس کی دوشیزہ ژان وارک نے فرانسیسیوں کو انگریزوں سے لڑنے پر آمادہ کیا۔ جنگ صد سالہ نے انگریزوں کو ایک جنگجو قوم بنا دیا۔ ہنری ششم کے عہد میں جنگ صد سالہ ختم ہوئی۔ 'پھولوں کی جنگ' کے باعث انگلستان میں تیس سال تک خانہ جنگی ہوتی رہی۔ اس جنگ نے جاگیرداروں کو انگلستان کے تخت کے سامنے جھکا دیا۔

ٹیوڈر خاندان (1485-1603) کے عہد حکومت میں ہنری ہفتم نے پارلیمنٹ کی بناء پر ایک مضبوط حکومت قائم کی۔ ایک طرف تو وہ پارلیمنٹ کے مشوروں سے حکومت کرتا اور دوسری طرف اپنے اختیارات کو بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔ اگر پارلیمنٹ کوئی مفید کام کرتی تو رعایا اسے بادشاہ سے منسوب کرتی اور اگر پارلیمنٹ رعایا پر کوئی نیا ٹیکس لگاتی تو رعایا اسے بادشاہ کے مشیروں سے منسوب کرتی۔ مارٹن کے کانٹے نے امیر و غریب دونوں کے دسترخوان کو یکساں صاف کیا۔ اس نے مختلف طریقوں سے شاہی خزانہ کی دولت میں اضافہ کیا۔ ایوانِ اختر بنا کر اس نے جاگیرداروں کو قانون کے تابع کر دیا۔ ہنری نے جاگیرداروں کی قوت کو بالکل کچل دیا۔ اس نے بے شمار دولت جمع کی۔ ایک قانون کے مطابق بادشاہ کے سوا کسی دوسرے شخص کو توپ خانہ رکھنے کی اجازت نہیں تھی۔ اس قانون نے جاگیرداروں کی تلواروں اور زرہ بکتروں کو بے کار کر دیا۔ ہنری کی خارجہ پالیسی اس کی شادیوں کے ضمن میں آتی ہے۔ اسی عہد میں ''توازن اقتدار'' کی پالیسی وضع کی گئی۔ نئے نئے سمندری راستوں کی تلاش بھی اسی زمانہ میں ہوئی۔ نشاۃ ثانیہ کے آثار نمودار ہو چکے تھے۔ تحریک اصلاح نے انگلستان کو متاثر کیا۔ ہنری ہشتم نے مارٹن لوتھر کے خلاف ایک کتاب لکھی لیکن اس نے اپنے افعال سے انگلستان میں پوپ کے اقتدار کو ختم کر دیا۔ دعاؤں میں پوپ کی جگہ بادشاہ کا نام لیا جانے لگا۔ گرجوں میں بائیبل کے انگریزی ترجمہ کو عام کر دیا گیا۔ ہنری ہشتم نہ کیتھولک تھا اور نہ ہی پروٹسٹنٹ۔ وہ پروٹسٹنٹ کو بے دینی کے الزام میں اور کیتھولک کو پوپ کے تابع ہونے کے الزام میں قتل کرتا۔ اس نے راہب خانوں اور خانقاہوں کو مسمار کر کے زمینوں کو فروخت کر دیا۔ ہنری ہشتم کا چانسلر تھامس مور تھا۔ ہنری ہشتم کے اس سوال پر کہ انگلستان کے کلیسا کا حاکم اعلیٰ کون ہے، مور نے پوپ کا نام لیا۔ اس پر بادشاہ نے اپنے وزیر اعظم کو موت کی سزا دی۔ دو عشرے کے بعد تھامس کرامویل کا بھی یہی حشر ہوا۔ ایڈورڈ ہشتم چونکہ نابالغ تھا، اس لئے سومرسیٹ اس کا محافظِ اعلیٰ مقرر ہوا لیکن اسے قتل ہونا پڑا۔

میری ٹیوڈر چونکہ کیتھولک تھی، اس لئے اس نے سو کے قریب پروٹسٹنٹوں کو زندہ جلا دیا۔ اُس نے کلیساؤں میں انگریزی کی جگہ لاطینی زبان کو از سرنو رائج کیا۔ اُس نے اپنے مذہب کی خاطر کیتھولک ہسپانیہ سے اتحاد کیا۔ اس نے فرانس سے جنگ کی۔ لیکن کیلے اُس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ میری ٹیوڈر کی موت کے بعد اس کی بہن الزبتھ تخت نشین ہوئی۔ الزبتھ نے مذہب کو سیاسی رنگ میں دیکھا۔ چونکہ اس کی تخت نشینی کے وقت ملک کی حالت بہت خراب تھی اس لئے وہ بتدریج انگلستان کو ترقی کی راہ پر لے گئی۔ اُسے اس قدر کامیابی ہوئی کہ الزبتھ سے پہلے کا انگلستان اس کے بعد کے انگلستان سے بالکل مختلف دکھائی دیتا ہے۔ انگلستان کے کیتھولکوں نے ہسپانیہ کی مدد سے میری ملکہ سکاٹ لینڈ کی تخت پر بٹھانے کی بہت کوشش کی۔ لیکن وہ ناکام رہے۔ میری کو موت کی سزا دی گئی۔ چونکہ ہسپانیہ ایک کیتھولک ملک تھا اور انگلستان کے کیتھولک تخت انگلستان پر کسی کیتھولک کو دیکھنا چاہتے تھے۔ اس لئے ہسپانیہ نے انگلستان پر سمندری حملہ کرنے کے لئے ایک بیڑہ تیار کیا جو آرمیدہ کے نام سے منسوب ہے۔ پوپ نے بھی الزبتھ کو مجرم قرار دیکھ کر کیتھولک یورپ کو اس کے خلاف لڑنے پر اُبھارا۔ ہسپانیہ چونکہ گذشتہ ایک سو سال سے امریکہ کی دولت سے مالا مال ہو رہا تھا اس لئے انگریز ملاحوں کو بھی امریکہ میں اپنی نوآبادیاں قائم کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ امریکہ میں ہسپانیہ کی طاقت کے سامنے انگریزوں کو کامیابی نہ ہو سکی۔ اب انگریز ملاحوں نے الزبتھ کی اجازت سے ہسپانیہ کے ان جہازوں کو لوٹنا شروع کر دیا جو سونے چاندی سے لد کر امریکہ سے ہسپانیہ جایا کرتے تھے۔ جب شاہ ہسپانیہ نے ملکہ سے ان لٹیروں کی گرفتاری کا مطالبہ کیا تو الزبتھ نے ان سمندری لیٹروں کے سردار فرانس ڈریک کو سر کا خطاب دے کر مزید برہم کیا۔ ہسپانوی آرمیدہ کو شکست ہوئی۔ اس شکست نے انگلستان میں کیتھولک مذہب کو شکست دی۔ نیز انگریزوں میں قومیت کا جذبہ استوار ہوا۔ اب انگریز ملاحوں کے لئے ہر سمندر کی راہیں کھل گئیں۔ انگلستان نے اپنی بحری طاقت کو بہت زیادہ مضبوط کیا۔ آرمیدہ کی شکست کے بعد انگلستان اور سکاٹ لینڈ کی طویل کش مکش ختم ہو گئی۔

ملکہ الزبتھ کے عہد میں انگریز تاجروں نے ہندوستان سے تجارتی تعلقات پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اس زمانہ میں ہندوستان کی تجارت پر ولندیزوں کا قبضہ تھا۔ انگریزوں اور ولندیزوں میں مشرق کی تجارت کے لیے باہمی لڑائی ایک یقینی بات تھی۔ تاجروں کے تجارتی قافلے ایک دوسرے کو لوٹ لینا تجارت خیال کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان سے تجارت کے لئے بہت سے تاجر مل کر کمپنی بناتے

اور حکومت سے تجارت کرنے کے لئے فرمان حاصل کرتے۔ لندن کے تاجروں نے ملکہ الزبتھ سے درخواست کی کہ ان کی تجارتی کمپنی کو ہندوستان سے تجارت کرنے کی اجازت دی جائے۔ ملکہ کے ایک فرمان کی رو سے اس کمپنی کو پندرہ سال کیلئے ہندوستان سے تجارت کرنے کا اجارہ مل گیا۔ ملکہ کے فرمان کا مقصد قوم کی ترقی، ملک کی فلاح، جہازوں کی تعمیر، اور ذرائع آمدرفت کی توسیع قرار دیا گیا۔

ملکہ الزبتھ کے بعد جیمز اول نے اس کمپنی کے معاملات و مسائل میں بہت زیادہ دلچسپی لی۔ اُس نے ایک نئے فرمان کی رو سے اس کمپنی کو مشرقی تجارت کا دوامی اجارہ دار بنا دیا۔ انگلستان کا کوئی دوسرا تاجر ذاتی طور پر مشرقی ملکوں کے ساتھ تجارت نہیں کر سکتا تھا۔ جیمز کے اس فرمان کی انگلستان میں مخالفت شروع ہوگئی۔ مخالفوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ ''کمپنی چونکہ اپنی تجارت کیلئے جہاز بنا رہی ہے اس لئے شاہی بیڑے کے لئے عمدہ لکڑی نایاب ہو جائے گی۔ کمپنی کے ملازموں کو سخت مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کمپنی مشرقی ملکوں سے سامان عیش و عشرت لاتی ہے۔ جس سے انگریزوں کے اخلاق پر برا اثر پڑتا ہے۔ ان فضول اشیاء کے عوض ہمارے ملک کا سونا باہر جاتا ہے۔'' ابتداء میں اس مخالفت پر دھیان نہ دیا گیا۔ لیکن جب مخالفت نے شدید صورت اختیار کر لی تو یہ معاملہ پارلیمنٹ میں پیش ہوا۔ اس سے ایک طرف تو کمپنی کے معاملات میں حکومت کا دخل بڑھنا شروع ہوا اور دوسری طرف جیمز نے کمپنی کو ایک نئے فرمان کے مطابق پرانے حقوق دے دیئے۔ ہالینڈ کے تاجر انگریز تاجروں کو لوٹ لیتے تھے۔ کمپنی نے جیمز سے شکایت کی۔ جیمز نے کمپنی کی اعانت کا وعدہ کیا۔ اس طرح تجارتی کمپنیوں کی رقابت یورپی ملکوں کی خارجہ پالیسی پر اثر انداز ہونے لگی۔

جیمز نے جہانگیر کے دربار میں سفیر اپنا سفیر بھیجا تاکہ دونوں ملکوں میں کوئی تجارتی معاہدہ ہو جائے۔ انگریزی سفیر سر طامس رو تین سال تک ہندوستان میں رہا۔ اس مدت میں شاہی فرمان کی رو سے انگریزوں کی تجارتی کمپنی کو سورت میں فیکٹری اور اس کے اردگرد فصیل بنانے کی اجازت مل گئی۔ ایک دوسرے فرمان کی رو سے جہانگیر نے انگریزی کمپنی کو اپنی سلطنت میں تجارت کرنے کی اجازت دیدی۔ چنانچہ اسی زمانہ میں آگرہ، اجمیر، احمد آباد اور بھرائچ میں انگریزوں کی تجارتی کوٹھیاں قائم ہوگئیں۔ جیمز کے عہد میں کمپنی اپنا کاروبار کرتی رہی۔

جیمز کے بعد چارلس اول کے عہد میں کمپنی کو بہت سی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اس نے ہالینڈ کی

تجارتی کمپنی سے ساز باز کر کے انگریز کمپنی کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔ چارلس نے انگریزی کمپنی سے بہت بڑی رقم بطور قرض طلب کی۔ کمپنی اپنی مالی پریشانیوں کے باعث اس شاہی خواہش کو پورا نہیں کر سکتی تھی۔ کمپنی کے انکار کے بعد چارلس نے کمپنی کے نام جو دوامی اجارہ کا فرمان تھا، اسے منسوخ کر دیا۔ اب ہر تاجر کو مشرق سے تجارت کرنے کی اجازت تھی۔ چنانچہ انگلستان میں ایک اور کمپنی بن گئی۔ چارلس اس کمپنی کا سرپرست تھا۔ ہالینڈ کی تجارتی قوت کے سامنے انگلستان کی پہلی کمپنی نہیں ٹھہر سکتی تھی۔ باہمی رقابت نے کمپنی کے لئے مزید مشکلات پیدا کر دیں۔ کمپنی کے ڈائرکٹروں نے اپنا کاروبار ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ چارلس کو اب اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اس نے نئی کمپنی توڑے بغیر پرانی کمپنی کی مخالفت ترک کر دی۔ لیکن حالات ایسے پیدا ہو چکے تھے کہ دونوں کمپنیوں کا ایک ساتھ چلنا ناممکن ہو گیا۔ پرانی کمپنی یعنی ایسٹ انڈیا کمپنی نے نئی کمپنی کو اپنے ساتھ شامل کر دیا۔ لیکن دونوں کمپنیوں کے حصہ داروں کی مخالفت بدستور سابق جاری رہی۔

اس زمانہ میں انگلستان میں ایک اندرونی انقلاب ہو رہا تھا۔ پارلیمنٹ نے چارلس پر ظالم اور ملک دشمن ہونے کا الزام لگا کر اسے وائٹ ہال میں قتل کر دیا۔ پارلیمنٹ کے اس فعل نے یورپ کے تمام تاجداروں کو عوام کے اقتدار سے خوفزدہ کر دیا ہوگا۔ اب انگلستان میں آمرانہ جمہوریت قائم ہو چکی تھی۔ کرامویل انگلستان کا آمر تھا۔ کرامویل کے دور آمریت میں انگلستان نے بہت ترقی کی۔ وہ یورپ میں پہلی مرتبہ ایک بحری قوت کی صورت میں ظاہر ہوا۔ انگلستان کی یہ آمرانہ جمہوریت زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی۔ کرامویل کی موت کے دو سال بعد جمہوریت کا خاتمہ ہو گیا۔ چارلس اول کا بیٹا جو غیر ملکوں میں پناہ گزین تھا انگلستان آ گیا۔ وہ انگلستان کے تخت پر چارلس دوم کے نام سے بیٹھا۔ انگلستان کے اس بادشاہ نے پارلیمنٹ سے متصادم ہونے سے گریز کیا۔ لیکن در پردہ وہ ایک غیر ملکی بادشاہ کے زیر اثر تھا۔ اس کے عہد میں انگلستان ان تمام قوتوں اور عزتوں سے محروم ہو گیا جو اُس نے کرامویل کے دور آمریت میں حاصل کی تھیں۔ ولندیزوں نے اتنی قوت حاصل کر لی تھی کہ انہوں نے ٹیمز میں داخل ہو کر برطانی بیڑے کو آگ لگا دی۔

چارلس دوم کے بعد اس کا بھائی جیمز دوم تخت پر بیٹھا۔ جیمز دوم اور پارلیمنٹ میں پھر تنازعہ شروع ہوا۔ انگلستان کا یہ تاجدار چاہتا تھا کہ انگلستان میں پھر سے پاپائیت کا زور ہو جائے لیکن اب ملک پاپائیت

کے لئے تیار نہیں تھا۔ پارلیمنٹ سے لڑنے جھگڑنے کے بعد اسے فرانس میں پناہ گزین ہونا پڑا۔ انگلستان کی تاریخ میں یہ واقعہ بے خون انقلاب کہلاتا ہے۔ شاہ پرست انگریزوں کو اب بادشاہ کی تلاش تھی۔ ولیم اورنجی کو انگلستان کا بادشاہ بنادیا۔ انگلستان میں اب پارلیمنٹ پورے زوروں پر تھی۔ اشرافیہ کی قوت پایہ تکمیل تک پہنچ چکی تھی۔ انگلستان کی حکومت پر وہاں کے جاگیرداروں اور تاجروں کا قبضہ ہوگیا۔

ولیم اور اس کی بیوی (ملکہ) میری کے بعد ملکہ میری کی بہن این تخت نشین ہوئی۔ اس کی موت کے بعد انگلستان کو پھر اپنے بادشاہ کی تلاش میں نکلنا پڑا۔ اس مرتبہ انہوں نے ایک جرمن کو اپنا بادشاہ بنایا۔ اس بادشاہ کا نام جارج اول تھا۔ انگلستان کا یہ بادشاہ انگریزی زبان تک نہیں بول سکتا تھا۔

کراموئیل نے ابتدا میں نئے نئے تاجروں کو ہندوستان سے تجارت کی اجازت دی۔ لیکن جب اس طرح انگریزی تاجروں کی باہمی رقابت سے انگلستان کو نقصان پہنچنے لگا تو کراموئیل نے کمپنی کو بلا شرکت غیرے ہندوستان اور مشرق سے تجارت کرنے کا فرمان دیدیا۔ چارلس اول کے عہد میں ہندوستان میں انگریزوں نے بہت سے مقامات پر تجارتی کوٹھیاں قائم کیں۔ چارلس دوم کے عہد میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے خوب دولت پیدا کی۔ اُس نے ایک پرتگیزی شہزادی سے شادی کی۔ یہ شہزادی اپنے جہیز میں جو جزیرہ لائی اُسے چارلس دوم نے کمپنی کے ہاتھ دس پونڈ سالانہ لگان پر فروخت کر دیا۔ اس جزیرے نے بعد میں بمبئی کی صورت اختیار کی۔

اس زمانہ میں کمپنی نے ہندوستان میں بہت سی زیادتیاں شروع کر دی تھیں۔ سورت میں کمپنی نے اودھم مچا رکھا تھا۔ اورنگ زیب کے سپہ سالار نے انہیں سورت میں شکست دی۔ اس شکست کے بعد کمپنی کے ایک وفد نے اورنگ زیب سے اپنے گزشتہ افعال کی معافی مانگی۔ اس پر اورنگ زیب نے کمپنی کو ایک فرمان دیا۔ جس کی رو سے کمپنی کو مغلیہ سلطنت میں تجارت کرنے کی اجازت مل گئی۔

اس فرمان میں شہنشاہ اورنگ زیب نے کمپنی کو اس بات کے متعلق آگاہ کر دیا کہ اگر اسے آئندہ صوبے داروں سے کوئی شکایت ہو تو اس کی شہنشاہ کو اطلاع دیا کرے۔

> ''درخواست اس مضمون کی مابدولت کے ملاحظ میں آئی کہ جس قدر فساد برپا ہوا۔ اس کے ذمہ دار تم ہو اور یہ کہ اس میں سراسر تم قصور وار ہو۔ تمہاری طرف سے مابدولت کو مابدولت کے صوبہ داروں کے خلاف شکایات موصول ہوئی تھیں۔ تمہیں یہ شکایت تھی کہ مابدولت کے

صوبہ داروں نے تمہارے ساتھ بدسلوکی کی۔تمہیں لازم تھا کہ شورش برپا کرنے سے پہلے تم مابدولت کو تمام واقعات کی اطلاع دیتے۔اب چونکہ تم اپنے جرم کو تسلیم کرتے ہو۔اس لئے اب نہ صرف گذشتہ واقعات کو معاف کر کے تمہاری درخواست ہی منظور نہیں کی جاتی بلکہ تمہاری التجا کے مطابق تمہیں ایک فرمان بھی دیا جاتا ہے۔مابدولت نے اسد خان کو حکم بھیج دیا ہے کہ وہ فرمان مذکور رسورت کے صوبہ دار کے پاس بھیج دے۔جب یہ فرمان تمہیں موصول ہو تو اس کا احترام کرو۔نیز آئندہ ایسی غلطی کا ارتکاب نہ کرنا۔ہمیشہ مابدولت کی خوشنودی کے امیدوار رہو۔۔۔''

جب کمپنی کی ان بداعمالیوں کا پتہ چلا تو انگلستان میں اس کی مخالفت شروع ہوگئی۔چونکہ کمپنی دولت مند ہو چکی تھی اس لئے اس نے دولت سے اپنے مخالفوں کو چپ کرا دیا۔پھر بھی اس کمپنی کا اجارہ ٹوٹ گیا اور اس کے مقابلہ پر ایک نئی کمپنی میدان میں نکل آئی۔لیکن ہندوستان انگریزوں کی دو کمپنیوں کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔دونوں کمپنیوں کو نقصان اٹھانا پڑا۔اس نقصان نے دونوں کو متحد کر دیا۔اب ''متحدہ ایسٹ انڈیا کمپنی'' کے نام سے دوبارہ کاروبار شروع ہوا۔اب کمپنی بادشاہ کی جگہ پارلیمنٹ کے ماتحت ہوگئی۔

کمپنی بہت جلد تجارت کے ساتھ سیاست کے میدان میں بھی اُتر پڑی۔اب اس کے پیش نظر تجارت اور ملک گیری تھی۔یہ ملک گیری قائم رہی۔یہاں تک کہ ملکہ وکٹوریہ کے ایک فرمان نے اس کی سیاسی قوت کو ختم کر دیا۔

## دکن میں کش مکش

نظام الملک مغلوں کے آخری دور کی ایک نمایاں شخصیت ہے۔اورنگ زیب کی موت کے بعد مغلیہ سلطنت کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ان سے وہ پوری طرح آگاہ تھا۔اس نے سلطنت کو منتشر ہونے سے روکنے کی انتہائی کوشش کی۔لیکن جب اسے ہر طرف سے مایوسی دکھائی دی تو اس نے اپنی سرگرمیوں کا تمام تر مرکز دکن کو بنالیا تھا۔دکن میں اس نے مملکت حیدرآباد کی بنیاد رکھی۔اُس نے اپنی مملکت کی حدود میں اس امن کو قائم کیا جو وہاں سے مفقود ہو چکا تھا۔نظام الملک چونکہ تیموری روایات کا حامل تھا۔اس لئے اس کی کاوشوں اور محنتوں سے حیدرآباد کو مغلیہ تہذیب کا مرکز بن گیا۔

1723ء میں نظام الملک نے شہنشاہ سے درخواست کی تھی کہ وہ ایران کی مدد کے لئے اپنی فوج بھیجیں۔اس زمانہ میں قندھار کے افغان سردار نے قندھار سے شیراز تک کے سارے علاقہ پر قبضہ کرلیا تھا۔ جب افغانی فتوحات کی یہ خبریں دہلی میں پہنچیں تو نظام الملک نے شہنشاہ سے ایران کی مدد کرنے کی درخواست کی۔لیکن محمد شاہ نے اس تجویز پر عمل نہ کیا۔نظام الملک افغانستان کے مقابلہ پر ایران کو مضبوط بنانا چاہتا تھا۔اسی اثنا میں نادر اُٹھا۔اس نے افغانوں کے خلاف سارے ایران کو متحد کیا۔افغانوں کو ایران سے خارج کرنے کے بعد اُس نے قندھار پر قبضہ کیا۔نادرشاہ کے حملہ سے قبل دہلی کی مرکزی حکومت کی طرف سے کابل کا وکیل دہلی پہنچا۔اس نے امیر الامرا کو تمام حالات سے آگاہ کیا۔اس پر امیر الامرا نے کابل کے وکیل سے کہا۔''میں اس قسم کے افسانوں سے متاثر نہیں ہوسکتا۔اس قسم کی کہانیوں سے مرعوب ہوکر میں تمہیں روپیہ نہیں دے سکتا۔اپنے آقا سے کہو کہ میرا گھر میدان میں ہے اور میں صرف ان باتوں پر غور کرسکتا ہوں جو میری آنکھوں کے سامنے ہوں لیکن تمہارا مکان پہاڑ پر ہے۔اس لئے شاید تمہیں ایرانی فوجیں یلغار کرتی ہوئی دکھائی دے رہی ہیں۔''

نادرشاہ شمالی افغانستان میں داخل ہوا۔اس نے غزنی اور کابل قبضہ کرلیا۔کابل کا گورنر پشاور بھاگ آیا۔سرحدی فوجوں کو چونکہ کئی سال سے تنخواہیں نہیں ملی تھیں اس لئے مغلوں کی اس فوج کے بہت سے سپاہی ایرانی حملہ آوروں کے ساتھ شامل ہوگئے۔اب نادرشاہ نے پنجاب پر حملہ کردیا۔نادرشاہ نے ایران سے افغان سرداروں کو نکالنے کے بعد شاہ طماسپ دوم کو تختِ ایران پر بیٹھایا۔اس بادشاہ کی تخت نشینی کے موقع پر مغل شہنشاہ نے قدیم روایات کے مطابق شاہ ایران کو نہ تحائف بھیجے اور نہ دربار ایران میں اپنا کوئی سفیر بھیجا۔لیکن اس کے برعکس دربار دہلی نے میر ویس اور ایسے افغان سرداروں کے ساتھ تعلقات قائم رکھے جو مشرقی ایران پر حملے کررہے تھے۔جب نادرشاہ ایران کا بادشاہ بنا تو اس نے دربار دہلی میں تین سفارتیں بھیجیں تاکہ مغل شہنشاہ اپنے ماتحت حاکم کابل کو ہدایت بھیج دے کہ وہ مفرور افغانوں کو اپنے ہاں پناہ دے۔دربار دہلی کا خیال تھا کہ افغانستان نادری حملے کا مقابلہ کرسکے گا اس لئے اس نے نادرشاہ کے سفیروں کے ساتھ شاہانہ سلوک نہ کیا۔اس پر نادرشاہ نے ہندوستان پر حملہ کرنے کا ارادہ کرلیا۔دہلی دربار کی امیدوں کے برعکس نادرشاہ نے غزنی اور کابل پر بغیر مزاحمت کے قبضہ کرلیا۔

نظام الملک کے خیال میں مغلوں کا نادرشاہ پر فتح پانا ناممکن تھا۔اس لئے اس نے کوشش کی کہ

محمد شاہ اور نادر شاہ میں سمجھوتہ ہو جائے۔ لیکن دربار دہلی نادر شاہ سے لڑنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ پانی پت کے قریب ایرانیوں اور مغلوں میں لڑائی ہوئی۔ سعادت خان (اودھ) لڑائی میں گرفتار کر لیا گیا۔ جب اسے نادر شاہ کے سامنے پیش کیا گیا تو نادر شاہ نے اس سے مغلیہ سلطنت کے حالات دریافت کئے۔ اس پر سعادت خان نے کہا کہ نظام الملک مغلیہ سلطنت کا سب سے بڑا ستون ہے۔ اس لئے جہاں پناہ کو صلح کی بات چیت اس سے کرنی چاہئے۔ چنانچہ نادر شاہ نے اپنا ایک سفیر محمد شاہ کے پاس بھیجا تا کہ وہ نظام الملک کو نادری خیمہ میں بھیج دے۔ اگلے دن نظام الملک نے نادر شاہ سے ملاقات کی۔ نظام الملک کی حیثیت شہنشاہ دہلی کے نمائندہ کی تھی۔ نادر شاہ نے اپنی شکایتوں کو نظام الملک کے سامنے پیش کیا۔ نظام الملک نے تدبر اور دانش مندی سے نادر شاہ کو ان شرطوں پر رضامند کر لیا۔

''ایرانی فوج دہلی کی طرف نہیں بڑھے گی۔ بشرطیکہ کہ نادر شاہ کو پچاس لاکھ روپیہ دیا جائے اس رقم میں سے بیس لاکھ کی ادائیگی فوراً ہونی چاہئے۔ دس لاکھ لاہور میں دیا جائے۔ دس لاکھ اٹک میں اور دس لاکھ کابل میں، نادر شاہ سلطنت مغلیہ کے کسی حصہ پر قبضہ نہیں کرے گا۔''

اس معاہدہ کے بعد نظام الملک کی وساطت سے محمد شاہ اور نادر شاہ میں ملاقات ہوئی واپسی پر محمد شاہ کو شمس الدولہ کی موت کی اطلاع ملی۔ اس پر محمد شاہ نے نظام الملک کو امیر الامرا کا عہدہ پیش کیا۔ چونکہ سعادت خاں بھی اس منصب کا امیدوار تھا اس لئے اسے بہت صدمہ ہوا۔ اس نے نادر شاہ سے کہا کہ اس نے نظام الملک بہت سستا سودا کیا ہے۔ لہذا نادر شاہ کی چاہیے کہ وہ محمد شاہ، نظام الملک اور دوسرے امیروں کو گرفتار کر کے دہلی اور اس کی ساری دولت پر قبضہ کر لے۔ نادر نے اس مشورہ کو پسند کرتے ہوئے نظام الملک کو بلا بھیجا۔ نادر شاہ نے اسے حراست میں لے لیا۔ اب نادر شاہ نے پچاس لاکھ کی جگہ بیس کروڑ روپیہ کا مطالبہ کیا۔ نادر شاہ نے نظام الملک کو مجبور کیا کہ وہ محمد شاہ کو بلا بھیجے۔ محمد شاہ کو آتے ہی حراست میں کر لیا گیا۔ ان گرفتاریوں کے بعد مغل فوج منتشر ہو گئی۔ ایرانی سپاہیوں نے اعتماد الدولہ کو بھی گرفتار کر لیا۔ اب نادر شاہ دہلی میں داخل ہو کر دیوان خاص میں مقیم ہوا۔ وہ دہلی میں دو مہینے رہا۔ بے شمار مال و دولت لے کر نادر شاہ ایران چلا گیا۔ وہ اپنے پیچھے خالی خزانہ اور تباہ و برباد صنعت و حرفت چھوڑ گیا۔

دہلی سے نادر شاہ کے چلے جانے کے بعد نظام الملک کو اپنے بیٹے ناصر جنگ کی سرکشی کی اطلاع ملی۔ چنانچہ اس نے شہنشاہ سے دکن جانے کی اجازت طلب کی۔ برہان پور پہنچ کر نظام الملک اپنے بیٹے کی

بغاوت کوتلوار سے فرو کرنے کے لئے آگے بڑھا۔ راہ میں پیشوا بالا جی نے اس سے ملاقات کی اور نظام الملک کو وہ شاہی فرمان دکھایا جس کی رو سے اسے مالوہ کا حاکم مقرر کیا گیا تھا۔ دولت آباد کے قریب نظام الملک نے ناصر جنگ کو شکست دی۔ کرناٹک کے معاملات میں حصہ لینے کے بعد اس نے 1748ء میں وفات پائی۔

نظام الملک اپنے زمانہ میں ہندوستان کا سب سے بڑا مدبر تھا۔ اس کی زندگی کا زیادہ حصہ میدان جنگ میں گذرا۔ اس نے سادہ زندگی بسر کی۔ نظام الملک تیموری اوصاف کا مرقع تھا۔ تدبر، فراست، شجاعت اور قلم میں نظام الملک کا درجہ بہت بلند ہے۔ سیاسی معاملات میں اس کی فراست کو بعض واقعات درست ثابت کرتے رہے۔ وہ اپنے تورانی افسروں سے ترکی بولتا تھا۔ وہ فارسی زبان میں شعر کہتا تھا۔ اس زمانہ میں جب کہ ہندوستان میں بدامنی اور لوٹ مار کا بازار گرم تھا، نظام الملک نے دکن میں امن قائم کیا۔ وہ 1713ء سے آخری دم تک دکن کو خوشحال بنانے میں مصروف رہا۔ انگریزوں اور فرانسیسیوں میں تجارت کے پردہ میں جو سیاسی کش مکش شروع ہو چکی تھی اس میں نظام الملک نے فراست اور تدبر کا اس حد تک ثبوت دیا کہ ان دونوں قوموں میں ہر ایک کو یقین تھا کہ نظام الملک اس کا حامی ہے وہ یورپی قوموں کی عملی سیاسیات میں حصہ لینے کا حامی نہیں تھا۔

سمندری تگ دور میں فرانسیسی سب سے پیچھے تھے۔ یہاں تک کہ لوئی چہاردہم کے وزیر کالبر نے 1664ء میں ہندی تجارتی کمپنی کی بنیاد رکھی۔ 1674ء میں فرانسیسیوں نے ساحل مدراس پر پانڈی چری کی نوآبادی قائم کی۔ اٹھارھویں صدی کے آخری سالوں میں فرانسیسی چندرنگر، ماہی اور کاری کل پر بھی قابض ہو گئے۔

دکن میں نظام الملک آصف جاہ ایک آزاد اور خود مختار پادشاہ کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ کرناٹک کا شاہی خاندان نظام دکن کا مطیع و منقاد تھا۔ مرہٹے دکن میں نظام کی سیادت تسلیم نہیں کرتے تھے۔ باجی راؤ اور آصف جاہ قبائے دکن زیب تن کرنے کے لئے باہم دست و گریبان تھے۔ ہندوستان میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کا تصادم اطریشی جنگ تخت نشینی کی صدائے بازگشت تھی۔ اس جنگ میں انگلستان اور فرانس ایک دوسرے کے خلاف صف آراء تھے۔ انگریزوں اور فرانسیسیوں کا دنیا کے ہر مقام پر باہمی قتال ہونا عین قومیت تھا۔ قومیت کا یہ جذبہ ہندوستان میں خون کے دریا بہا گیا۔ سرزمین ہند میں بھی یہ دونوں

قومیں ایک دوسرے سے متصادم ہوئیں۔ 1746ء میں انگریزی بیڑہ پانڈی کی فرانسیسی بندر پر لنگر انداز ہوا۔ فرانسیسی گورنر دوپلے نے کرناٹک کے نواب نوارالدین سے مدد چاہی۔ نواب کے اشارہ ابرو نے انگریزی بیڑے کو پانڈی چری خالی کرنے پر مجبور کر دیا۔ فرانسیسی میر بحر لابوردانی نے مدراس پر حملہ کر کے اسے اپنے قبضے میں کر لیا۔ فرانسیسی سینٹ ڈیوڈ کا قلعہ کرنا چاہتے تھے۔ لیکن لارنس نے فرانسیسیوں کو شکست دی۔ اب انگریزوں نے پانڈی چیری پر حملہ کیا۔ لیکن نقصان عظیم برداشت کرنے کے بعد انہیں واپس ہونا پڑا۔ 1748ء میں عہدنامہ ایکس لاشیپل کی رو سے اطریشی جنگ تخت نشینی کا خاتمہ ہوا۔

کرناٹک کو ہنوز دومرتبہ رزم گاہ بننا ہے!

کرناٹک کی پہلی جنگ میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس کا اثر ہندوستان کی تاریخ پر بہت گہرا پڑا۔ دوپلے نے انوارلدین سے اس امر کی اجازت چاہی کہ وہ نواب کے نام پر مدراس پر حملہ کرے۔ مدراس فتح ہو چکا ہے۔ فرانس کا مدبر وعدہ شکنی کرتا ہے۔ انوارالدین اس عہد شکن کا غرور توڑنے کے لئے بہت بڑی عسکری قوت روانہ کرتا ہے۔ میدان جنگ میں ہندی سپاہی نام کام رہتے ہیں۔ شجاعت ایوان میں انگشت بدنداں ہے۔ فرانس جیت گیا۔ ہندوستان نے شکست کھائی۔ اس شکست نے ہندوستان کی بہادری کو محض افسانہ بنا دیا۔ اب دوپلے کے ذہن نے ایک مشرقی فرانسیسی سلطنت کی تشکیل کا خواب دیکھا۔ دوپلے انگریزوں کو ہندوستان سے کلی طور پر خارج کرنے کی فکر میں تھا۔

دوپلے کی ساعت مطلوبہ بہت جلد آ گئی!

تیموری درس عسکری کا آخری سرباز 1848ء میں چل بسا۔ تخت کے لئے ناصر جنگ اور مظفر جنگ امیدوار تھے۔ کرناٹک میں بھی اس قسم کی کشمکش جاری تھی۔ چنداصاحب فرانسیسی شاطر کا ایک کرناٹکی مہرہ تھا۔ دوپلے اس پٹے ہوئے مہرے سے کام لینا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ انوارالدین کی جگہ چندا صاحب کو کرناٹک کا تاجدار مقرر کرے اور زاں بعد مظفر جنگ کو تخت دکن پر بٹھائے۔ وہ دکن پر فرانسیسی اثر ورسوخ کا دائرہ وسیع کرنے کی فکر میں تھا۔ چنداصاحب اور مظفر جنگ کی متحدہ صفوں نے انوارالدین پر حملہ کیا۔ چنانچہ 1749ء میں انوارالدین امبور کے مقام پر مارا گیا۔

کرناٹک پر فرانسیسیوں کا قبضہ تھا یا چنداصاحب کا؟

فرانسیسیوں کا بڑھتا ہوا اثر ورسوخ انگریزوں کے سینہ میں ناسور تھا۔ انگریزوں نے چنداصاحب

اور مظفر جنگ کے حریفوں محمد علی اور ناصر جنگ کی طرفداری کی۔ اگرچہ یورپ میں انگریز اور فرانسیسی باہم دست وگریبان نہ تھے۔ تاہم دونوں قومیں کرناٹک میں دوسری دفعہ برسر پیکا ہوئیں۔ ناصر جنگ نے انگریزوں کی مدد سے چندا صاحب کو پانڈی چری میں پناہ گزین ہونے پر مجبور کیا۔ ناصر جنگ نے مظفر جنگ کو نظام تسلیم کرلیا۔ زاں بعد چندا صاحب کو بھی ارکاٹ کا نواب مقرر کردیا گیا۔ دکن اور ارکاٹ کے تاجدار نیم فرانسیسی تھے! مظفر جنگ کی موت کے بعد فرانسیسی جرنیل بسے نے صلابت جنگ کو بطور نظام تخت نشین کیا۔ دکن پر فرانسیسی اقتدار طاری ہو چکا تھا۔

ہندوستانی درباروں میں فرانس کا بڑھتا ہوا اثر ورسوخ انگریز کیونکر برداشت کر سکتے تھے۔ انگریزوں نے محمد علی کی مدد کا مکمل ارادہ کرلیا۔ محمد علی ان دنوں ترچناپلی میں محصور تھا۔ ترچناپلی میں انگریزی قوت ناکافی تھی۔ چندا صاحب کی فوجوں کو شکست دینا اُن کے بس کی بات نہ تھی۔ جہاں ہاتھ ناکام رہے وہاں ذہن کام آیا۔ کلائیو نے چندا صاحب کی قوت تقسیم کرنے کی غرض سے ارکاٹ پر حملہ کرنے کی تجویز پیش کی۔ برسر اقتدار افراد نے کلائیو کی اس تجویز سے سے کلی طور پر اتفاق کیا۔ کلائیو نے ارکاٹ پر قبضہ کرلیا۔ اس قبضہ کا لازمی نتیجہ ساعت مطلوبہ تھا۔ چندا صاحب نے اپنی فوج کا بیشتر حصہ ارکاٹ روانہ کیا۔ کلائیو نے چندا صاحب کی فوجوں کا ایک مہینہ ستائیس دن تک مقابلہ کیا۔ زاں بعد کلائیو کی مدد کے لئے مدراسی اور مرہٹی فوجیں آن پہنچیں۔ عملی سیاسیات میں فرانسیسی ناکام ہو چکے تھے۔ ترچناپلی کا محاصرہ اُٹھالیا گیا۔ کاویری پک میں کلائیو کی کامیابی نے فرانس کے ایشیائی منصوبے خاک میں ملا دیئے تھے۔ چندا صاحب نے اپنے تئیں راجہ تنجور کے سپرد کردیا۔ راجہ نے اُسے قتل کرادیا۔ محمد علی اب کرناٹک کا نواب تھا۔

کرناٹک کی پہلی جنگ، اطریشی جنگ تخت نشینی کی ہندی صدائے بازگشت تھی۔ لیکن کرناٹک کی دوسری جنگ اس زمانے میں لڑی جارہی تھی جب فرانس اور انگلستان میں صلح وآشتی تھی۔ دونوں ملکوں کی حکومتوں نے اس جنگ کے خلاف لسانی قوت کا اظہار کیا۔ فرانسیسی حکومت نے دوپلے کو افلاس وذلت کی موت مرنے کے لئے واپس بلالیا۔ موت سے پیشتر اس نے اپنی داستان مصیبت ان الفاظ میں بیان کی۔ میں نے اپنا شباب، اپنی دولت اور اپنی زندگی کا ہر سانس فرانسیسی قوم کو ایشیا میں سربلند اور مقتدر بنائے میں صرف کیا۔ افسوس قدر ناشناس قوم نے میرے خدمات کو پائے حقارت سے ٹھکرادیا.... میری زندگی ذلیل ترین انسان سے بھی بدتر ہے۔

دونوں کمپنیوں نے پھر عہد کیا کہ ہندوستانی سیاسیات میں غیر جانبدارانہ رہیں گی۔ دونوں کمپنیوں کے ملازم ہندوستانی عہدے اور خطاب قبول نہیں کریں گے۔

جنگ ہفت سالہ کرناٹک کی تیسری جنگ کا اعلان تھی۔

1751ء میں جنگ ہفت سالہ کے سبب ہندوستان میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کو تیسری مرتبہ ایک دوسرے کے خلاف جنگ آزما ہونا پڑا۔ کلائیو نے چندر نگر پر قبضہ کر لیا۔ اب حکومت فرانس نے کمان دار لالی کو انگریزوں کی سرکوبی کے لئے ہندوستان بھیجا۔ شروع شروع میں لالی کامیاب رہا۔ اُس نے سینٹ ڈیوڈ کے قلعہ اور دوسرے چھوٹے چھوٹے مقامات پر قبضہ کر لیا۔ تنجور پر اس کا حملہ ناکام رہا۔ لالی اب شدید ترین سیاسی غلطی کرنے والا ہے۔ اس نے بسے کو دربار دکن سے واپس بلا لیا تا کہ مدراس پر حملہ آور ہو سکے۔ اس غیر سیاسی حکمت عملی سے دربار دکن میں فرانسیسی مقبولیت کا خاتمہ ہو گیا۔ نظام صلابت جنگ اب انگریزوں کی طرف مائل ہوا۔ اس نے شمالی سرکار کا علاقہ انگریزوں کے حوالہ کر دیا۔ لالی نے مدراس پر ایک ناکام حملہ کیا ایک اہم لڑائی میں وندواش کے مقام پر آئرکاٹ نے لالی کو شکست دی۔ لالی نے اب انتہائی جرأت سے پانڈی چری کی حفاظت کی۔ لیکن بے سود پانڈی چری کی فیصل اور اس کی فرانسیسی عمارتیں سطح زمین کے ساتھ ہموار کر دی گئیں۔ خشت و چوب کے اس ڈھیر نے فرانسیسی عزائم کی موت کا اعلان کر دیا۔ لالی کو حکومت فرانس نے تختہ دار پر لٹکا دیا۔ صلح پیرس کی رو سے کی ہندوستان کے فرانسیسی مقبوضات فرانس کو واپس مل گئے۔ لیکن فرانس سے ان مقبوضات میں قلعہ تعمیر کرنے کا حق چھین لیا گیا۔ انگریزی کمپنی کی مالی حالت فرانسیسی کمپنی کی مالی حالت کی نسبت اچھی تھی نیز انگریزوں نے کرناٹک کی جنگوں کے زمانہ میں اس امر کو کبھی فراموش نہیں کیا کہ وہ سوداگروں کی قوم سے ہیں۔ اس لئے وہ ایام جنگ میں بھی نیم تاجرانہ اور نیم سیاسی سرگرمیوں کو جاری رکھتے۔ فرانسیسی کمپنی کے اعداد و شمار نے ثابت کر دیا تھا کہ فرانس تجارت میں برطانیہ سے بازی نہیں لیجا سکتا۔ اس لئے اس کمی کو پورا کرنے کے لئے فرانس نے فتوحات کی حکمت عملی اختیار کی۔ فرانسیسی کمپنی کے قرطاس نتائج پر سود کی جگہ زیاں منقوش ہو گیا۔ فرانسیسی کمپنی حکومت فرانس کے شانوں پر ناقابل برداشت بار تھی۔ فرانس کا امریکہ اور یورپ میں مصروف قتال ہونا کمپنی کے لئے نقصان دہ ثابت ہوا۔ ان حالات میں دوپلے کے عزائم پایہ تکمیل کیونکر پہنچتے؟

انگریزی کمپنی تقدیر آزماؤں کی ایک جماعت تھی۔جس کے پیش نظر جنگ اور محبت میں سب روا تھا۔انگریزی کمپنی کی سرگرمیوں میں برطانی حکومت مداخلت نہیں کرتی تھی۔اس لئے اس کمپنی کے افراد اور شرکائے کار کا فرانسیسیوں کی نسبت زیادہ مہم پرداز ہونا ایک یقینی امر تھا۔فرانسیسی کمپنی حکومت کا ایک شعبہ تھی۔اس لئے اس کے حصہ داروں میں قوت عمل نسبتاً کم تھی۔یہی وجہ ہے کہ فرانسیسی کمپنی میں بہت زیادہ بدنظمی تھی۔

فرانس کی نامرادی میں مندرجہ اسباب کے علاوہ لالی کے فقدان تدبر کا بھی ایک حد تک دخل تھا۔

## بنگال

سراج الدولہ کا قتل ایسٹ انڈیا کمپنی کے عروج کا سب سے بڑا سبب ہے لیکن کم ظرف اور تنگ نظر مورخوں نے سراج الدولہ سیرت کو اس بری طرح پیش کیا ہے کہ پڑھنے والے کے دل و ماغ میں سراج الدولہ کے خلاف نضرت وحقارت کے جذبات سرایت کر جاتے ہیں۔ان اوراق کا محرر شاہیت کا حامی نہیں اور نہ ہی پادشاہوں کی مدح وستایش سے اسے واسطہ ہے۔اسے سراج الدولہ کی حمایت مقصود نہیں بلکہ اُسے ان اسباب کو ظاہر کرنا ہے جو ایسٹ انڈیا کمپنی کو مقتدرہ بنانے میں کارفرما تھے۔جب ظالم ومظلوم دونوں تاجدار ہوں تو اس صورت میں مظلوم تاجدار کی حمایت اگر چند لفظوں سے کی جائے تو کیا یہ مورخانہ بددیانتی ہوگی؟

انگریز مورخوں نے سراج الدولہ کو بدترین انسان ثابت کرنے میں بہت زورِ قلم صرف کیا ہے۔ان کے نزدیک سراج الدولہ کی خانگی زندگی اخلاقی طور پر قابل اعتراض تھی۔کیا اُن مورخوں نے کبھی کلائیو کی خانگی زندگی پر بھی غور کیا؟اگر سراج حقیقی معنوں میں عیش وعشرت کا متوالا ہوتا تو اس سے زیادہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی خوش بختی اور کیا ہوسکتی تھی۔ہوشیار لوگوں کا عیاش تاجداروں سے ہر قسم کی مراعات حاصل کر لینا بہت آسان ہے۔اگر کمپنی کے پیش نظر محض تاجرانہ مراعات کا حصول تھا تو اس مقصد کے لئے بدکردار سراج، ذی ہوش سراج سے کہیں زیادہ مفید تھا۔چونکہ سراج ایک نہایت ہی قابل اور مدبر حکمران تھا اور کمپنی کا اس کے تدبر کے سامنے کامیاب ہونا ناممکن تھا۔اس لئے سراج کے خون ہی سے نخل مراد بارآور ہو سکتا تھا۔تاج وتخت کے لئے سینکڑوں ہاتھ خون آلود ہونے کے لئے نکل آتے ہیں۔جعفر کا وجود ایک

فطری امر تھا۔

علی وبردی خاں کے زمانہ میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کی لڑائیاں صرف دکن تک محدود تھیں۔ کلکتہ اور چندرنگران جنگوں سے بے خبر رہے۔ ظاہر ہے کہ علی وبردی خان کی موجودگی میں یورپی قومیں بنگال کو اپنی حکمت عملی کا شکار نہ بنا سکتی تھیں۔ انہیں دعویداران تخت کی تلاش تھی۔ لیکن بنگال میں صرف ایک تاجپوش تھا، انگریزوں اور فرانسیسیوں کو علی وبردی کی موجودگی میں تاج وتخت کے امیدوار میسر آنے ناممکن تھے۔ تاج کی نسبت دار زیادہ قریب تھی۔

علی وبردی یورپی قوموں کے عزائم سے بخوبی آگاہ تھا۔ مرنے سے پیشتر اس نے سراج الدولہ کو ان الفاظ میں وصیت کی۔

''مغربی قوموں کی اس قوت کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا جو انہیں ہندوستان میں حاصل ہے۔ اگر میری عمر کا پیمانہ لبریز نہ ہو چکا ہوتا تو تمہارے اس اندیشہ کو بھی ہمیشہ کے لئے ختم کر دیتا۔ اس کام کی تکمیل تیرے ذمہ ہے، میرے چراغ! دکن میں اُن کی سیاسی سرگرمیوں سے سبق حاصل کرو۔ ذاتی جنگوں میں اُلجھ کر انہوں نے مغل اعظم کی رعایا کے اموال واملاک پر قبضہ جمالیا ہے۔ ایک ہی وقت میں تینوں قوتوں کو تباہ کرنے کی کوشش نہ کرنا۔ سب سے پہلے انگریزوں کی قوت کو توڑنا... سنو بیٹا! انہیں سپاہی رکھنے اور قلعہ تعمیر کرنے کی اجازت نہ دینا۔ اگر ایسا ہوا تو بنگال تمہارا نہیں؟

قطع نظر اس سے کہ یہ الفاظ علی وبردی خاں کی زبان سے نکلے۔ یا برطانی حاکی ہال دیل کے افسانہ از ذہن کا نتیجہ ہیں تاہم ان الفاظ سے سراج الدولہ کی مشکلات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ 15 اپریل 1756ء کو وہ علی وبردی کی وصیت پر عمل کرنے کے لئے مجبور ہو گیا۔ کمپنی کا رویہ سراج الدولہ سے بیحد معاندانہ تھا۔ ژین لا اپنی یادداشت میں لکھتا ہے:

''انگریزوں نے دربار سراج سے تمام تعلقات منقطع کر لئے ہیں۔ بارہا انہوں نے سراج الدّالہ کو قاسم بازار کی فیکٹری میں داخل ہونے سے روکا۔''

انگریزوں نے سراج الدولہ کی تخت نشینی کے موقع پر رسمی تحائف نہیں بھیجے تھے۔ انگریز سراج الدولہ کے خلاف سازش میں شریک تھے۔ کمپنی کے ملازم تاجرانہ مراعات سے ناجائز فائدہ اٹھاتے۔

سراج الدولہ کے خزانہ پر کمپنی کی ان بداعمالیوں کا بہت بڑا اثر پڑا۔ انگریزوں نے کلکتہ کے قلعہ کو نواب کی اجازت کے بغیر مستحکم کرنا شروع کر دیا۔ انگریزوں نے ڈھاکہ کے دیوان راج بلب کے بیٹے کرشن داس کو اپنے ہاں پناہ دی۔ سراج الدولہ کے پیہم اصرار پر بھی انگریزوں نے اس نواب کے حوالہ کرنے سے انکار کر دیا۔ مجرم یا ملزم کو اپنے ہاں پناہ دینا اور پھر اس بے یار و مددگار کی حفاظت کے لئے اپنوں اور بیگانوں سے لڑنا شریفانہ جرأت کا بلند ترین معیار ہے۔ لیکن کمپنی اور کرشن داس کے معاملہ میں حرص و آز فرما تھی۔ کرشن داس کو صرف اس لئے اپنے پناہ دی گئی تھی کہ اس کا باپ ڈھاکہ کا دیوان ہونے کی صورت میں انگریزوں کے مالی مفاد کیلئے بے حد مفید تھا۔

ان اسباب نے سراج الدولہ کو مجبور کر دیا کہ وہ تاجروں کی بدعہد جماعت کو اپنی مملکت سے باہر نکال دے۔ ''سراج الدوہ انگریزوں پر حملہ کرے۔'' تاریخ کا یہ فتویٰ تھا۔ ایک انگریز مصنف ہل ان حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ کہ ''سراج الدّولہ کا انگریزوں پر حملہ حق بجانب تھا۔'' انگریزوں کو اپنی مملکت سے باہر نکالنے کے سراج الدّولہ قاسم بازار کی فیکٹری پر حملہ آور ہوا۔ فیکٹری زیادہ مستحکم اور مضبوط نہ تھی۔ نواب کی فوجوں کا مقابلہ ناممکن تھا۔ انگریز سپاہی تعداد میں بہت کم تھے۔ فیکٹری کی تسخیر پر نواب کے سپاہیوں کا ایک کارتوس بھی ضائع نہ ہوا۔ سراج الدولہ اگر چاہتا تو اس وقت ہر انگریزی بولنے والی زبان کٹوا دیتا۔ لیکن شریف اور بردبار سراج نے برطانی چراغ حیات بجھانے کی کوشش نہ کی۔ اب سراج نے کلکتہ کا رخ کیا۔ بنگال کے بدترین موسم میں قاسم بازار سے کلکتہ تک کا عسکری کوچ سراج کی قابلیت کا بہترین ثبوت ہے۔ اگر سراج کے فوجی افسر غدار نہ ہوتے تو اس کا شمار ہندوستان کے بہترین جرنیلوں میں تھا۔ سراج کی فوجوں کو آتے دیکھ کر کلکتہ کے انگریز تاجروں نے وہاں کی دیسی آبادی کا ذرہ بھر خیال نہ کیا۔ تحفظ رعایا کے فرائض کو آگ کے شعلوں سے پورا کیا گیا۔ دیسی آبادی کے مکانوں کو نذر آتش کر دیا گیا۔ کلکتہ کے دیسی باشندوں سے اس قسم کا سلوک کیا جا رہا تھا۔ لیکن ہم مذہب آرمینیوں اور پرتگیزوں کے بیوی بچوں کو اپنے ہاں پناہ دی گئی۔

امی چند کلکتہ میں تھا۔ اس کا وجود انگریز تاجروں کے لئے بہت مفید تھا۔ لیکن انہوں نے ایک غدار ہندوستانی پر اعتماد نہ کیا۔ انہیں خیال تھا کہ کہیں اس کی رگ وطنیت میں خون انتقام نہ ابل پڑے۔ یہ محض اُن کا ''حسن ظن'' تھا۔ غداران ازلی کے وہم و گمان میں بھی ملک وملت کی بہی خواہی کا تصور نہیں آ سکتا۔

انگریز سپاہیوں نے اس کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ اُس نے کسی قسم کی مزاحمت کئے بغیر اپنے تئیں انگریزوں کے سپرد کر دیا...اس کے بھائی ہزاری مل اور کرشن داس نے اپنے نوکروں کو حکم دیا کہ وہ انگریز سپاہیوں پر گولی چلائیں۔ ہزاری مل اس وقت تک انگریزوں سے لڑتا رہا۔ جب تک اس کا بائیاں ہاتھ ضائع نہیں ہو گیا۔ انگریز سپاہی امی چند کے زنانہ میں داخل ہونا چاہتے تھے۔ ان کے عزائم محتاج بیان نہیں۔ امی چند کے نوکروں کا جمعدار دیویوں کی توہین کس طرح برداشت کر سکتا تھا؟ وہ انتقام چاہتا تھا۔ انگریز سپاہیوں سے لڑتے ہوئے اسے اپنی جان کھو دینے میں کوئی دریغ نہ تھا۔ ''کیا میری موت دیویوں کی آبرو بچا سکتی ہے؟'' اُس نے خیال کیا۔ ''ہرگز نہیں۔'' اُس نے خود ہی جواب دیا۔ موت اجنبی سپاہیوں کے لئے شہوانی حرکتوں کے دروازے کھول دے گی۔ نوکر اپنے لہو کی آگ میں جل رہا تھا۔ دیویوں کی عصمت دری کو وہ اپنی موت کے بعد بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ خادم نے اپنے آقا کے مکان کو شعلوں کی صورت میں تبدیل کر دیا خنجر کے تیرہ حملوں نے اسی قدر دیویوں کو آغوش موت میں سلا دیا۔ کیا اُسے اب زندہ رہنے کا حق تھا؟ شاید اُس نے خیال کیا ہو۔ تکمیل وفا کے لئے یہی خون آلود خنجر قاتل کے سینہ کی طرف بڑھتا ہے۔

خدمت! خون و خنجر سے!

نواب 16 جون 1756ء کو کلکتہ پہنچا۔ تین دن بعد نواب کی فوجوں نے فورٹ ولیم پر حملہ کیا۔ نواب کے فرانسیسی اور پرتگیزی توپچیوں نے انگریزی قلعہ پر گولے برساتے وقت نمک حرامی کا بدترین ثبوت دیا۔ اس امر کے باوجود انگریز، نواب کی فوجوں کا مقابلہ کرنے میں ناکام رہے۔ قاسم بازار کی فتح پر نواب نے انگریزوں پر صلح کا دروازہ بند نہیں کیا تھا۔ لیکن فورٹ ولیم کے مفرور اور سرکش افسروں نے نواب سے صلح کی گفتگو کرنے سے انکار کر دیا۔ اب سرکشی صلح پر آمادہ تھی۔ انگریز خجالت کے سبب نواب کے سامنے نہیں جاتے تھے۔ ناچار انگریزوں نے امی چند کو ثالث کے فرائض سرانجام دینے پر مقرر کیا۔ امی چند نے اپنی گذشتہ تحقیر و تذلیل کے پیش نظر انگریزوں کی اس خواہش کو پورا کرنے سے انکار کر دیا۔ رہ فرار اختیار کرنے کے علاوہ انگریزوں کے پاس اور کوئی ذریعہ نجات نہ تھا۔

فورٹ ولیم سراج کے قدموں پر تھا۔ نواب برطانی خطرہ کو ہمیشہ کے لئے ختم کر سکتا تھا۔ لیکن اس موقع پر بھی نواب کی فطری رحم دلی جذبات انتقام پر غالب آئی۔ برطانی مورخوں نے نواب کی اس کامیابی

کے ساتھ ایک حکایت کو اس طرح وابستہ کر رکھی ہے کہ تاریخ کے طالب علم کو اس کی عبارت سے بوئے انتقام آتی ہے۔ اس حکایت کا عنوان ''بلیک ہول'' ہے۔ اس افسانہ پورا زور قلم کرتے ہوئے بل لکھتا ہے۔

''دیسی سپاہیوں نے یورپی آبادی کے مال واسباب کو لوٹا۔ لیکن یورپی لوگوں سے کی قسم کی بدسلوکی نہ کی۔ مذہبی پیشوا نماز شکرانہ ادا کر رہے تھے کہ اچانک ایک بہت بڑا تغیر رونما ہوا۔ بعض یورپی سپاہیوں نے نشہ میں بدمست ہو کر دیسی سپاہیوں کی تذلیل کی۔ ان سپاہیوں نے نواب سے شکایت کی۔ نواب کے دریافت کرنے پر کہ اس قسم کے بدسلوک سپاہیوں کو انگریز کہاں قید کرتے ہیں۔ اُسے بتایا گیا کہ 'بلیک ہول' ایسے لوگوں کے لئے مقرر ہے۔ چنانچہ نواب نے حکم دیا کہ کہ انہیں رات کے وقت اس میں بند کر دیا جائے۔ نواب کے افسروں نے بدسلوک سپاہیوں اور دوسرے جنگی اسیروں میں کوئی امتیاز نہ رکھا۔ 146 انگریزوں کو رات کے وقت ایک ایسے کمرے میں بند کر دیا۔ جس کا رقبہ 18 مربع فٹ تھا۔ ہولناک تکالیف، قطرہ آب کے لئے تڑپ اور دیسی سپاہیوں کی دل لگی کو ہال ویل نے اس انداز میں بیان کیا ہے کہ اس سے زیادہ روح فرسا واقعہ برطانی ہندوستان کی تاریخ میں نہیں مل سکتا۔ سات بجے شام سے چھ بجے صبح تک یہ مصیبت جاری رہی۔ دیسی افسروں میں اتنی جرأت نہ تھی کہ وہ نواب کی نیند میں مخل ہو کر اسے اس واقعہ سے آگاہ کرتے۔ مصیبت نواب کی بیداری تک جاری رہی۔ 146 قیدی داخل ہوئے اور صرف 23 زندہ نکلے۔

سراج الدّولہ کو بدنام کرنے کے لئے انگریزوں نے بلیک ہول کے حادثہ کو اس انداز میں پیش کیا کہ پونے دوسو سال سراج ہندی اور غیر ہندی مورخوں کے تیروں کا نشانہ بنا رہا۔ اس واقعہ کی تغلیط کے

لئے اکاشی کمار مترا نے بنگالی زبان میں ''شراج الدّولہ'' کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ ڈاکٹر بھولا ناتھ چندر 1895ء میں کلکتہ یونیورسٹی میگزین میں لکھتے ہیں۔

''مجھے بلیک ہول کے واقعہ کی صحت سے انکار ہے۔ اس واقعہ کی سب سے پہلے نشر واشاعت کرنے والا ہال ویل ہے۔ مجھے ہمیشہ یہ خیال رہا ہے کہ 146 انسان 18 مربع فیٹ کمرہ میں ہرگز نہیں سما سکتے۔ خواہ انہیں انار کے دانوں کی طرح کیوں نہ بند کیا جائے۔ چونکہ اس حادثہ میں اقلیدس اور ریاضی ایک دوسرے سے متضاد ہیں۔ اس لئے اس واقعہ کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔''

بنگالی مورخ باسواسی موضوع پر قلم اٹھاتے ہوئے ''ہندوستان میں نصرانی حکومت کا اقتدار'' میں لکھتا ہے۔

''ہم عصر مورخین اس واقعہ کا ذکر تک نہیں کرتے۔ سیر المتاخرین کا مصنف خاموش ہے۔ مدراس کونسل کے مباحث میں اس کا اشارہ تک نہیں پایا جاتا کلائیو اور واٹسن کے اُن خطوط میں جو انہوں نے نواب کو لکھے۔ اس واقعہ کا کوئی حوالہ نہیں دیا گیا۔ علی نگر کے عہد نامہ میں اس واقعہ کا کوئی تذکرہ نہیں۔ سراج الدّولہ کی تخت سے علیحدگی کے اسباب پر بحث کرتے ہوئے جو خطوط کلائیو نے کورٹ آف ڈائرکٹرز کو لکھے۔ اُن میں اس واقعہ کا کوئی ذکر نہیں انگریزوں نے میر جعفر سے جو معاہدہ کیا۔ اس میں بلیک ہول کے حادثہ میں مرنے والوں کو پسماندگان کی اعانت کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا... ہال ویل نے سیالکوٹ کمپنی کے سامنے جو یادداشت پڑھی۔ اس میں بھی اس واقعہ کا ذکر نہیں ملتا''

سراج الدّولہ نے کلکتہ کو علی نگر میں تبدیل کرتے ہوئے راجہ مانک چند کو حاکم اعلیٰ مقرر کیا۔ سراج اگر چاہتا تو انگریزوں کا کام تمام کر دیتا۔ قلعہ میں پناہ گزین انگریزوں کی طرف توجہ کرنا سراج نے اپنی

توہین خیال کیا۔اس کے خیال میں انگریز ہواؤں کے موافق ہوتے ہی مدراس چلے جائیں گے۔سراج 24 جون 1756ء کو روانہ ہوکر 11 جولائی 1756ء کو مرشد آباد پہنچا۔

قاسم بازار اور کلکتہ کی شکستوں نے مدراس کونسل میں ہیجان پیدا کر دیا۔ارکان کونسل نے نہ صرف بنگال میں تاجرانہ مراعات واپس لینے کی سعی کی بلکہ انہوں نے فیصلہ کرلیا کہ وہ کثیر فوج سے کلکتہ فتح کرنے کے بعد نواب کے خلاف سازش کا بازار گرم کر دیں گے۔چنانچہ یکم اکتوبر 1756ء کو آٹھ سو یورپی اور تیرہ سو دیسی سپاہی بنگال کی طرف روانہ ہوئے۔بحری اور بری فوجوں کے کماندار واٹسن اور کلائیو تھے۔دسمبر 1756ء میں انگریزی فوجیں منزل مقصود پر پہنچ گئیں۔

17 دسمبر 1756ء کو واٹسن اور کلائیو نے نواب کو نیم تحکمانہ اور نیم صلح جویانہ خطوط لکھے۔ان خطوط مین بلیک ہول کا ذکر تک نہیں کیا گیا۔واٹسن اور کلائیو نے مانک چند سے سازش کی۔چنانچہ ڈم ڈم کے مضبوط اور مستحکم قلعہ سے اُس کا نصف گھنٹہ لڑنے کے بعد بھاگ جانا اس امر کا بہت بڑا ثبوت ہے۔ 29 دسمبر 1756ء کو انگریزوں نے ڈم ڈم کا قلعہ فتح کرلیا۔اب مانک چند کی غیر حاضری میں کلکتہ کی فتح بہت آسان تھی۔فاتح انگریزوں کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔جب انہوں نے فورٹ ولیم میں اپنے تجارتی مال واسباب کو بالکل اسی طرح پایا۔جس طرح وہ چھوڑ گئے تھے۔مفرور باغیوں کے املاک و اسباب کی حفاظت اُسی سراج کے حکم سے ہو رہی تھی۔کیا جنگوں کی تاریخ اس قسم کا کوئی واقعہ پیش کرسکتی ہے؟

ہگلی میں نواب کی عسکری قوت کم دیکھتے ہوئے کلائیو اور اُس کے شرکائے کار نے ہگلی پر حملہ کر کے لوگوں کے مال ومتاع پر قبضہ کرلیا۔کمپنی کے سپاہی نواب کی نیکیوں کا صلہ اس کی رعایا کے خون کی صورت میں ادا کر رہے تھے۔

> 11 جنوری 1757ء کا دن قلعہ کے اردگرد کے مکانات لوٹنے میں صرف ہوا....سات دن تک انگریزی فوجیں دیسی آبادی میں لوٹ مار مچاتی رہیں بعض سپاہی اس بہانہ سے ولندیزی علاقہ میں داخل ہو گئے کہ نواب کی رعایا اس علاقہ میں پناہ گزین ہو رہی

تھی۔''

کمپنی کی ان جارحانہ حرکات سے سراج کی آنکھوں میں خون اتر آنا یقینی تھا۔ وہ اگر اس موقع کو بنائے مخاصمت قرار دیتے ہوئے بنگال میں ہر انگریز تاجر کی جائیداد ضبط کر لیتا تو عسکری اخلاقیات کی قطعاً خلاف ورزی نہ ہوتی۔ لیکن نواب نے ہر بار سوداگروں کی قوم سے شریفانہ سلوک روا رکھا۔ اب پھر سراج اس کوشش میں تھا کہ تمام معاملہ خوش سلوبی سے طے پا جائے۔ چنانچہ سراج نے مندرجہ ذیل سطور ایک مکتوب کی صورت میں امیر البحر واٹسن کو بھیجیں:۔

''آپ نے ہگلی پر قبضہ کرنے کے بعد میری رعایا کے مال واسباب کو لوٹا۔ یہ حرکات سوداگروں کے لئے ٹھیک نہیں۔ میں مرشد آباد سے روانہ ہو کر ہگلی کے قریب پہنچ چکا ہوں۔ میں اپنی فوجوں سمیت دریا عبور کر رہا ہوں۔ میری فوج کا ایک مختصر حصہ آپ کے معکسر کی طرف روانہ ہو چکا ہے۔ ان امور کے باوجود اگر آپ صلح پر راضی ہیں تو گفت وشنید کے لئے ابھی ایک نمائندہ میرے ہاں بھیج دیں۔ میں کمپنی کو سابقہ مراعات دینے کیلئے تیار ہوں۔ میرے مقبوضات میں بسنے والے انگریز اگر میرے احکام کی اطاعت کریں اور مجھے تنگ کرنے کی حکمت عملی چھوڑ دیں تو آپ یقین جانیں کہ میں ان کے نقصان کی تلافی مدنظر رکھتے ہوئے اُن کی تسلی کر دوں گا۔''

''آپ خوب جانتے ہیں کہ سپاہیوں کو لوٹ مار سے نہیں روکا جا سکتا۔ تاہم آپ سے دوستانہ تعلقات استوار کرنے کے لئے میں ان نقصانات کی بھی تلافی کر دوں گا۔''

''آپ نصرانی ہوتے ہوئے خوب جانتے ہیں کہ جنگ کے شعلوں کو سرد کر دینا انہیں ہوا دینے سے بہتر ہے۔ لیکن اگر آپ جنگ کے ذریعہ کمپنی اور اس کے افراد کو نقصان پہنچانا چاہتا ہوں۔

تو اس میں میری کون سی خطا ہے؟ اس قسم کی تباہ کن جنگ کو ختم
کرنے کیلئے میں اپنا مکتوب بھیج رہا ہوں۔''

ایک صلح پسند کا ایک متشکک کو مکتوب!

نواب 4 فروری 1757ء کو کلکتہ پہنچا۔ اب کلائیو کے عیارانہ ذہن نے ایک شرارت پیدا کی۔ اس نے کمپنی کی طرف سے نواب کے خیمہ میں دو نمائندے بھیجے جو بظاہر صلح کی گفت وشنید کے لئے بھیجے گئے تھے۔ لیکن ان کا مقصد نواب کے خیمہ کی عسکری قوت کا اندازہ لگانا تھا۔ رات کے وقت یہ جاسوس اپنے خیموں میں واپس چلے گئے۔ خیموں میں داخل ہوتے ہی اُنہوں نے چراغ گل کر دیئے تا کہ نواب کے پہرہ دار خیال کریں کہ نمائندے محوخواب ہیں۔ تاریکی شب میں یہی نمائندے واپس جا کر کلائیو کو تمام حالات سے آگاہ کرتے رہے۔ صرف ان دو نمائندوں کے طرز عمل سے ساری کمپنی کی سیاسی خواہش کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

ایم ژین لا اپنی یادداشت میں لکھتا ہے:

''اگلے روز یعنی 5 جنوری کو چار بجے گہرے دھندلکے میں کمپنی کی
فوج نے کلائیو کے زیر کمان ٹھیک اسی خیمہ پر حملہ کیا جہاں کمپنی کے
دو نمائندوں نے سراج کو اسی رات دیکھا تھا۔ اچھا ہوا کہ نواب
اس خیمہ میں نہ تھا۔ نواب کے دیوان نے اسے دوسری جگہ رات
بسر کرنے کا مشورہ دیا۔ انگریز سپاہیوں نے نواب کے 158
سپاہی قتل کئے۔ نواب خوفزدہ ہو کر بھاگ نکلا۔ کلکتہ سے 16 میل
اُدھر جا کر نواب نے سانس لیا نواب کے سپاہیوں اور ایک ایرانی
رسالہ نے جم کر انگریزوں کا مقابلہ کیا۔ روشنی نمودار ہونے کو تھی۔
اس لئے کلائیو واپس چلا گیا۔ اس لڑائی میں انگریزی فوج کے
200 سپاہی کام آئے۔''

دربار سراج میں غدار پیدا کئے جا چکے تھے۔ ان حالات میں نواب کا انگریزوں سے عہدہ برآ ہونا مشکل تھا۔ چنانچہ نواب نے 9 فروری 1757 کو عہد نامہ علی نگر پر دستخط کر دیئے۔ اس عہد نامہ کی مندرجہ

ذیل دفعات تھیں:۔

(۱)ان تمام مراعات کا تسلیم کرنا جو شہنشاہ دہلی نے کمپنی کو دے رکھی تھیں۔

(۲)برطانی پراونہ راہداری کے ذریعہ بنگال بہار اور اُڑیسہ میں کمپنی کا مال بغیر محاصل ادا کئے داخل ہوگا۔

(۳)نواب اس نقصان کی تلافی کرے جو کمپنی ارکان کو نواب کے سپاہیوں کے سبب ہوا۔

(۴)انگریز معسب منشا کلکتہ کو مستحکم کر سکتے ہیں۔

(۵)برطانی قوم اور کمپنی کی طرف سے کلائیو اور واٹسن وعدہ کرتے ہیں کہ جب تک نواب اس عہد نامہ پر عمل پیرا ہوگا وہ نواب کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم رکھیں گے۔''

ہنوز اس عہد نامہ کی سیاہی بھی خشک نہ ہونے پائی تھی کہ مجلس منتخبہ کو نواب سے مزید مطالبات منظور کرانے کی فکر ہوئی۔ کمپنی اس فوری عہد شکنی کو کام میں نہ لاسکی۔ تاہم کمپنی نے نواب کو اس امر پر رضامند کر لیا کہ کمپنی کا ایک سفیر مرشد آباد میں رہے گا۔ یورپی اقوام کے سفیروں کے اپنے ہاں جگہ دیکر کئی ایشیائی تاجداروں نے تاج وتخت سے ہاتھ دھوئے ہیں۔ کمپنی کی طرف سے واٹسن سفیر مقرر ہوا۔ کمپنی کا یہ سفیر دربار مرشد آباد میں کامیاب سازش پیدا کرنے کیلئے امیر چند کو اپنے ساتھ لے گیا۔ اب سراج کا تخت اس کے لئے کانٹوں کا بچھونا تھا۔ واٹسن ہی نے فورٹ ولیم میں یہ پیام بھیجا تھا کہ چندرنگر کی فرانسیسی بستی پر حملہ کیا جائے۔ کمپنی کے ارکان نے نواب سے اس حملہ کی اجازت چاہی۔ نواب نے جواب میں کہا کہ انگریزوں کا چندرنگر پر حملہ معاہدہ کی صریحاً خلاف ورزی ہے۔ کیونکہ چندرنگر اس کی مملکت کا ایک حصہ ہے۔ لیکن انگریز چندرنگر پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ اس لئے انہوں نے چندرنگر پر حملہ کر کے بنگال میں فرانسیسی اقتدار کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا۔ انگریزوں کے اس حملہ کی روک تھام کے لئے نواب نے نندکمار کو حکم دیا کہ وہ انگریزوں کو ہگلی سے آگے نہ بڑھنے دے لیکن رشوت نے نندکمار کو مزاحمت میں اس قدر نرم بنا دیا کہ انگریزوں کا اپنے ارادوں میں کامیاب ہونا بہت آسان ہوگیا۔

معاہدہ علی نگر کی خلاف ورزی کس نے کی؟

کمپنی کا سفیر، امی چند کی مدد سے نواب کے لئے مصیبتوں کا پہاڑ تیار کر رہا تھا۔ چنانچہ چند دنوں میں کمپنی نے لطف خان، میر جعفر، مانک چند، راج بلب اور درلاب ایسے سازشی پیدا کر لئے ان حالات

میں سراج کا زندہ رہنا بہت مشکل تھا۔

امی چند کے ذریعہ جعفر کے کانوں میں تاج وتخت کی داستان دہرائی گئی۔ میر جعفر سازش میں شریک ہوگیا۔ میر جعفر نے وعدہ کیا کہ اگر اُسے نواب بنایا گیا تو وہ انگریزوں کو جنگی اخراجات کے علاوہ ایک کروڑ پچھتر لاکھ روپیہ دے گا۔ سازش کو کامیاب بنانے کے صلہ میں امی چند نے بھی تیس لاکھ روپیہ کا مطالبہ کیا۔ کلائیو کا پرفریبی ذہن پھر کام آیا۔ اس نے دو اقرار نامے تیار کئے۔ جعلی اقرار نامہ میں امی چند کے مطالبات کا ذکر کیا گیا۔ کلائیو نے چاہا کہ واٹسن بھی اس جعل سازی میں شریک ہو، لیکن بیسود۔ کلائیو نے واٹسن کے جعلی دستخط کرنے کے بعد امی چند کو مطمئن کر دیا۔ یہ ہے کلائیو کی سیرت کا ایک پہلو جسے اُس کے ہم وطنوں نے ''بہت بڑا جرنیل'' بنا رکھا ہے۔ اور جس کا مجسمہ لندن کے پرشکوہ حصہ میں اس لئے نصب کر رکھا ہے کہ ہر راہ گیر کے دل و دماغ کو کلائیو بننے کی دعوت دی جائے۔

نواب کے خلاف سازش مکمل ہو چکی تھی۔ مرشد آباد میں مقیم انگریز شکار کے بہانہ سے شہر چھوڑ کر چلتے بنے۔ اگلے روز واٹسن اور امی چند بھی غائب تھے۔ سراج سازش سے باخبر ہو چکا تھا۔ میر جعفر نے کلائیو کو پلاسی کی طرف کوچ کرنے کے لئے کہا۔ نواب کی فوج میں سازش کا بیج بویا جا چکا تھا۔ پلاسی کے میدان میں دونوں فوجیں برسرپیکار ہوئیں۔ سراج کا شیر دل جرنیل ''میر میدان'' جنگ میں کام آیا۔ پلاسی کے لوگ آج تک میر جعفر کو غدار کہتے ہوئے سنے جاتے ہیں۔ وہ صبح کے وقت میر جعفر کا نام لینا یا سننا پسند نہیں کرتے۔ لیکن اُن کے سر ''میر میدان'' کی شجاعت اور شہادت کے تذکرہ پر جھک جاتے ہیں۔ میر جعفر کی غداری، جرنیلوں کی سازش، کلائیو کی ہوشیاری اور میر میدان کی موت نے سراج کو میدان جنگ میں شکست کا منہ دکھایا۔ شکست خوردہ سراج ایک ہاتھی پر سوار ہو کر مرشد آباد کی طرف چل پڑا۔ اس شکست کی خبر بنگال میں آگ کی طرف پھیل گئی۔ نواب بے یار و مددگار تھا۔ یگانے اور بیگانے سب اس کے دشمن تھے۔ اس کے درباریوں نے سراج کو اپنے تئیں انگریزوں کے حوالہ کرنے کا مشورہ دیا۔ لیکن سراج اس بات کو برداشت کرنے کی جگہ تاج وتخت سے علیحدہ ہونا بہتر خیال کرتا تھا۔

میر جعفر مرشد آباد کی طرف بڑھ رہا تھا۔ سراج فقیر کے بھیس میں مرشد آباد سے رخصت ہو رہا تھا۔

غدار سوئے تخت! اور پادشاہ سوئے بیابان۔ بنگال نے سراج اور جعفر میں سے جعفر کو چن لیا۔

عسکری زاویہ نگاہ سے پلاسی کی جنگ خاص اہمیت نہیں رکھتی۔ لیکن نتائج کے پیش نظر اس جنگ کا

ہندوستان کی فیصلہ کن جنگوں میں شمار ہوتا ہے۔ پلاسی کی جنگ نے انگریزوں کو بنگال کا واحد حکمران بنا دیا۔ فاتح سپاہی مفتوح شہروں میں جس طرح داخل ہوتے ہیں اس کا اندازہ تاریخ حرب وضرب کا طالب علم نہایت آسانی سے لگا سکتا ہے۔ لیکن کلائیو مرشد آباد میں داخل ہوتے ہوئے گھبراتا تھا۔ کلائیو مرشد آباد میں فاتحانہ انداز سے داخل نہیں ہوا۔ اس کی نگاہوں سے کامرانہ چمک کی جگہ دریو ہویدا رتھا۔

انگلستان کے سوداگروں اور بنگال کے غداروں نے مرشد آباد کے خزانوں کا اندازہ لگانے میں مبالغہ سے کام لیا تھا۔ میر جعفر نے انہیں غلط اندازوں کی بناء پر کمپنی، کلائیو اور اس کے شرکائے کار کو رشوت کے طور پر زر کثیر دینے کا وعدہ کیا۔ سراج کے خزانوں کو حسب منشانہ پا کر میر جعفر کی حریصانہ نگاہوں کی بصارت میں یقیناً فرق آ گیا ہوگا۔ شائی لاک کے مطالبہ گوشت میں فرق آنا ناممکن تھا۔ میر جعفر نے کلائیو اور اس کے رفقائے کار کو دل کھول کر روپیہ دیا۔ لیکن کمپنی کو موعودہ رقم کا نصف ملا۔ میر جعفر نے بقایا نصف تین سال کی مدت میں ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ میر جعفر کے مصائب میں ہر روز اضافہ ہو رہا تھا۔ کمپنی نمک اور شورہ کی تجارت سے فائدہ اٹھا رہی تھی۔ کمپنی کے کارندے درآمد برآمد کے محاصل سے آزاد تھے۔ بنگالی تاجر نقصان اُٹھا رہے تھے۔ میر جعفر کا خزانہ خالی ہو چکا تھا۔ میر جعفر نے اپنے احباب نو کو اپنی داستان غم سنائی۔ لیکن ان کی زبانوں پر ایک لفظ تک بھی نہ آ سکا۔ رعایا کے سینوں میں بغاوت پرورش پا رہی تھی۔ تخت میر جعفر کے لئے کانٹوں کا بچھونا تھا۔ خر کلائیو کی کمر بہت بڑے جرنیل کے بوجھ سے ٹوٹ رہی تھی۔ میر جعفر بے بس تھا۔

> ''اب میر جعفر نے چاہا کہ فوج اور نسق میں چند تبدیلیاں کرے۔ لیکن کلائیو نے ان تبدیلیوں کو جمہور کے خلاف بتاتے ہوئے جعفر کو اپنے ارادوں سے باز رکھا.... میر جعفر نے کلائیو کے اس رویہ کو اپنی توہین خیال کرتے ہوئے انگریزوں کے پنجہ سے رہائی حاصل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔''

میر جعفر کی نیم گرسنہ سپاہ کمپنی کے مقابلہ کی تاب نہیں رکھتی تھی۔ فرانسیسی اقتدار کا بنگال میں خاتمہ ہو چکا تھا۔ مشہور فرانسیسی جرنیل ژین لا موجود نہیں۔ میر جعفر کس کی طرف بڑھے؟

ولندیزوں نے فرانسیسی اقتدار کے خاتمہ کو محسوس کرتے ہوئے اپنی قوت میں اضافہ کرنا چاہا۔ کمپنی

کے عروج کو ولندیز رشک کی نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ کمپنی کے حاصل کردہ مراعات کے مقابلہ میں ان کی تجارت کامیاب نہیں ہوسکتی تھی۔ وہ انگریزوں کے مقابلہ کے لئے اپنی عسکری قوت میں اضافہ کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ ولندیز کا ایک جنگی بیڑہ 1759ء میں چنسرہ کے استحکام کے لئے ہگلی پہنچا۔ کلائیو نے ولندیزوں کو کمپنی اور میر جعفر کی مشترکہ فوجوں سے

اب کوئی یورپی طاقت بنگال میں انگریزوں کے مقابل نہ تھی!

1759ء میں شہزادہ عالی گوہر نے نواب وزیر کی مدد سے بہار پر حملہ کیا۔ شہزادہ کی فوجوں نے پٹنہ کے قلعہ کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ میر جعفر نے کلائیو سے مدد طلب کی۔ کلائیو رضامند ہوکر پٹنہ روانہ ہوا۔ شہزادہ کو شکست ہوئی۔ کلائیو نے اس خدمت کے صلہ میں میر جعفر سے بہت بڑی جاگیر طلب کی چشم زدن میں کلائیو کی یہ خواہش پوری کی دی گئی۔

> ''کلائیو کو بنگال آئے ہوئے اب تین سال سے زیادہ مدت ہوچکی ہے۔ اس مدت میں اُس نے ہر ممکن ذرائع سے اپنے تئیں اور کمپنی کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کی۔ نواب اور اس کی رعایا کو مفلسی کے سپرد کرنے کے بعد کلائیو اپنے لئے دولت پیدا کرتا رہا۔ اکتوبر 1756ء میں مدراس کو جن عزائم کے ساتھ اُس نے چھوڑا تھا سب پایہ تکمیل تک پہنچ چکے تھے۔ مدراس کے انگریز تاجر جس قسم کی تبدیلی بنگال میں چاہتے تھے کلائیو نے اسے پورا کر دیا۔ میر جعفر انگریزوں کو موعودہ رقم ادا کر چکا ہے۔ کمپنی اپنے لئے نواب سے تاجرانہ مراعات حاصل کر چکی ہے اب کلائیو کو انگلستان جانے کی فکر ہوئی۔ جہاں وہ اپنی دولت سے طبقہ امراء کو مرعوب کرنا چاہتا تھا۔ 23 جنوری 1760ء کو کلائیو بنگال کی گورنری سے مستعفی ہوکر 8 فروری 1760ء کو کلکتہ سے عازم انگلستان ہوا۔''

کلائیو ایک چالاک اور لالچی انسان دکھائی دیتا ہے۔ کلائیو نے صرف اپنی ذات کیلئے میر جعفر سے دو لاکھ چوبیس ہزار پونڈ وصول کئے۔ کلائیو اس جرم کی صفائی پیش کرتے ہوئے کہتا ہے کہ'' آزاد

تاجداروں سے تحائف وصول کرنا کوئی ذلیل حرکت نہیں۔'' اگر میر جعفر کا آزاد تاجدار ہونا ثابت ہو جائے تو ہمیں کلائیو کے اس نظریہ کو قبول کرنے میں کوئی عذر نہیں۔ کلائیو کے اس طرز عمل نے کمپنی کے عہدہ داروں میں رشوت ستانی کا ایک ایسا بازار گرم کیا جسے قانون اور موت کا دست سرد بھی ٹھنڈا نہ کر سکا۔ پانچ سال کی قلیل مدت میں کمپنی نے مرشد آباد کے خزانواں کو اپنے قبضہ میں کرنے کے لئے تین سازشیں کیں۔ سازشوں کے اسباب غیر منطقی اور وحشیانہ ہیں۔ کلائیو کا طرز عمل بنگال میں بدنظمی پیدا کرنے کا سب سے بڑا سبب ہے۔

جولائی 1760ء میں دین سٹارٹ بنگال کے انگریزی مقبوضات کا گورنر مقرر ہوا۔ بنگال پر ہلاکت وفلاکت کے سیاہ بادل مسلط ہو چکے تھے۔ بنگال کی نگاہون نے اس سے زیادہ پرآشوب زمانہ اپنے بدترین ایام میں بھی نہیں دیکھا ہوگا۔ نواب کی دولت برطانی جادوگر کی زنبیل پر کرنے سے قاصر تھی۔

تاجدار مقروض! رعایا فاقہ کش!

شاہ عالم (سابق شہزادہ عالی گوہر) نے پھر بہار پر حملہ کیا۔ کمپنی کا کماندار کرنل کیلاڈ جعفر کے بیٹے میرن کو شاہ عالم کے خلاف صف آراء کرنے میں ناکام رہا۔ تاہم شاہ عالم کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ انگریزوں کا ہرگز یہ منشانہ تھا کہ جعفر یا میرن مغل شہنشاہ کی اطاعت قبول کریں۔ کیونکہ اس صورت میں انگریزوں کو اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے مرکزی قوت سے نبرد آزما ہونا پڑتا تھا۔ ہندوستان کے شہنشاہ کا سایہ انگلستان کے سوداگروں کو خوفزدہ کرنے کے لئے کافی تھا۔ میر جعفر کو تخت سے اُتارنے کا وقت آچکا ہے۔ میرن کی انگریز دشمنی ظاہر ہو چکی ہے۔ اور جعفر کی علیحدگی کے بعد میرن کا نواب ہونا یقینی تھا۔ کمپنی میرن سے خائف تھی۔ کمپنی کے عہدہ دار دوسرے دعویٰ داران تخت کی تلاش میں تھے کہ میرن کی موت کی خبر پہنچی۔ میرن کی موت میں دست اجل کے علاوہ کوئی دوسرا ہاتھ بھی کارفرما تھا۔

ہال ول کے یہ الفاظ میرن کی پراسرار موت کا سراغ لگانے میں کافی مفید ہیں۔ میرن کے عزائم اور کمپنی کی مزاحمت کا ان الفاظ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

> ''نواب کے فرزند کی قیادت میں ایک ایسی جماعت معرض وجود میں آچکی ہے جس کا اولین مقصد انگریزوں سے رہائی حاصل کرنا ہے... میرن اپنے باپ سے بارہا یہ کہتے ہوئے سنا گیا ہے کہ جب

تک انگریزوں کے اقتدار کا خاتمہ نہیں ہوتا اُس وقت تک اُس کی
حکومت برائے نام ہے۔''

انگریزوں نے تین سال کی قلیل مدت میں زرودولت کے انبار اکٹھے کر لئے۔ بنگال مفلس ہو رہا ہے۔لیکن کمپنی امیر بن چکی تھی۔ بنگال کی موت کمپنی کی زیست کا سب سے بڑا سبب بنی۔انگریز میر جعفر کے دامن زر سے آخری قطرہ تک نچوڑ چکے تھے۔انگریزوں کے دل میں میر جعفر کیلئے کوئی جگہ نہ تھے۔ میر جعفر نے انگریزوں کو سب کچھ دیا۔لیکن انگریزوں نے اس کا صلہ مفلسی اور تباہی کی صورت میں دیا۔ خرکلائیو اب اس قدر دبلا ہو چکا تھا کہ اس سے اب سفید آدمی کا بوجھ اٹھایا نہیں جا سکتا تھا۔سفید آدمی کو اب کس دوسرے گدھے کی تلاش تھی۔انگریز بنگال میں ایک اور سازش کامیاب کرنا چاہتے تھے۔کلائیو کی روانگی اور ڈین سٹارٹ کی آمد کے درمیانی زمانے میں ہال ویل سازش کا جال بچھا جا چکا تھا۔میر جعفر نے اسی ہال ویل پر بے دریغ روپیہ صرف کیا تھا۔اب ہال ویل کا دست سپید سیاہ محسن کی گردن کی طرف بڑھ رہا تھا۔

سازشی سازش کا شکار ہونے والا ہے۔

میر جعفر کے خلاف کلکتہ میں خفیہ اجلاس ہونے شروع ہوئے۔ان اجلاس کا صدر بنگال کا گورنر ہوتا۔اس خفیہ مجلس کے اجلاس ستمبر 1760ئمیں بہت زیادہ ہوئے۔ایک اجلاس میں مجلس نے''موجودہ حالات'' پر ان الفاظ میں تبصرہ کیا۔

''کرنل کلائیو کے پیدا کردہ انقلاب نے ہمارے اثر ورسوخ کا دائرہ بہت وسیع کر دیا۔اب اس وسیع دائرہ پر اپنا اثر جاری وساری رکھنے کیلئے ہماری عسکری قوت میں بھی اضافہ ہو۔ ایک ہزار انگریزی اور پانچ ہزار دیسی سپاہ پر مشتمل فوج کیلئے بہت روپیہ درکار ہے...اس لئے ہمیں نواب سے مطالبہ کرنا چاہئے کہ وہ کمپنی کے لئے مزید ذرائع آمدن پیدا کرے.... ہمارا دائرہ اقتدار بے شک وسیع ہے۔لیکن پائدار نہیں۔ہمیں اپنی قوت میں اضافہ کرنا ہے تا کہ بروقت کام آ سکے۔''

وین سٹارٹ نے میر قاسم اور ہال ویل نے رائے درلاب سے اس موضوع پر تبادلہ خیال کیا۔ انگریز اپنے عزائم میں کامیاب ہو گئے۔ چنانچہ اکتوبر 1760ء میں میر جعفر کو بنگال کے تخت سے اتار دیا گیا۔ میر جعفر نے انگریزوں کیلئے پلاسی میں سراج کی فوجوں کو شکست دلوائی۔ مرشد آباد کی جوئے زر کا رخ کلکتہ کی طرف پھیر دیا۔ کمپنی کے عہدہ داروں کو خوش کیا۔ کلائیو کو پچیس لاکھ روپیہ دیا۔ عہد نامہ کی حرف بحرف پیروی کی۔ لیکن انگریزوں نے جب دیکھا کہ میر جعفر سے زیادہ میر قاسم مفید ہو سکتا ہے تو انہوں نے جعفر کو تخت سے علیحدہ کرنے میں ذرا بھی تامل نہ کیا۔ سراج کی زندگی میں کمپنی کے ذمہ دار ارکان نے ایسے مکتوب لندن روانہ کئے جن میں سراج کی ظالم اور جعفر کو رحم دل ثابت کرنے میں انگریزی ادبیات کی تمام بلاغت صرف کر دیا۔ لیکن اب اسی جعفر کی قلمی چہرہ کو اس قدر تاریک پیش کیا جا رہا تھا کہ جعفر سراج سے کہیں زیادہ ظالم نظر آنے لگا۔

بنگال کو انگریزوں کے سپرد کرنے کے بعد جعفر کربلائے معلیٰ کی زیارت کو جانا چاہتا تھا۔ اچھا ہوا کہ جعفر اپنے اس ارادہ میں ناکام رہا۔ ورنہ شہید کربلا کی روح کو اس کی ناپاک آمد سے بہت تکلیف ہوتی۔

حسین کربلا کی خاک کو اپنے خون سے اس لئے سیراب کرتا ہے کہ اُس زمین سے نخل حریت پھوٹے۔ لیکن ہندی زائر اپنے ملک کو سپرد اغیار کرنے کے بعد کربلا کا سفر اختیار کرنے کی فکر میں ہے۔ میر جعفر ایسا غدار کربلا کی اہمیت کیا جانے۔ اگر میر جعفر حادثہ کربلا میں موجود ہوتا تو وہ کس کی فوجوں کا ساتھ دیتا؟

میر قاسم نے اپنے عہد حکومت میں عہد نامہ کی تمام دفعات پر عمل کیا۔ لیکن اس کے باوجود کمپنی نے اپنے مظالم میں کمی واقع نہ کی۔ مظالم کی فہرست میں ہر روز اضافہ ہوتا رہا۔ میر قاسم نے کمپنی کو بیس لاکھ روپیہ نقد دیا۔ بنگال کے تین زرخیز اضلاع انگریزوں کے حوالہ کئے۔ کمپنی کو اپنا سکہ جاری کرنے کی اجازت دی۔ لیکن انگریز کا سہ آز ہنوز خالی تھا۔ سونے کا پہاڑ دیکھنا چاہتے تھے۔ وہ بنگال کی تمام تر تجارت اپنے قبضہ میں کرنا چاہتے تھے۔ میر قاسم ان شرائط کی پابندی پر بھی رضامند تھا۔ لیکن انگریزی ترکش مطالبہ کے تیروں نے اس معاہدہ کو بھی چھلنی کر دیا۔ انگریزوں نے میر قاسم کو مجبور کر دیا کہ وہ چند لمحات کے لئے امن وصلح کے دعاوی سے منہ پھیر کر عہد شکنوں سے نپٹ لے۔ میر قاسم کے مکتوب سے ثابت ہوتا ہے کہ

جنگ کی تمام ذمہ داری کمپنی پر ہے۔

میر قاسم نے روپیہ ادا کرنے کے لئے رعایا پر جور وستم کے دروازے کھول دیئے۔ تاہم اُس نے عہد نامہ کی حرف بحرف پابندی کی۔ میر قاسم نے دولت مند افراد کو اس لئے افلاس سے ہم کنار کیا کہ وہ انگریزوں کو خوش کر سکے۔ میر قاسم کی یہ حکمت عملی رعایا کو ناراض کرنے کے لئے کافی تھی۔ انگریز روپیہ چاہتے تھے۔ اور رعایا نے روٹی دینے سے انکار کر دیا۔ رعایا ناخوش تھی اور انگریز ناراض میر قاسم نے جواہرات فروخت کئے تا کہ انگریزوں کو موعودہ رقم ادا کر سکے۔ بیگمات کے تمام طلائی زیور سکوں کی صورت میں ڈھال کر انگریزوں کی خدمت میں پیش کئے گئے۔

اب انگریز میر قاسم سے بہت خوش تھے!

بنگال کا نظم ونسق میر قاسم کے لئے سب سے اہم مسئلہ تھا۔ بیرونی دباؤ اور اندرونی شورش نے میر قاسم کے ایام زیست کو تلخ بنا دیا۔ میر قاسم کی تخت نشینی چونکہ ایک سازش کا نتیجہ تھی اس لئے میر قاسم کی دولت کمپنی کے تمام ارکان کی کی جیبوں کو گرم نہ کر سکی۔ وہ ارکان جو مال غنیمت سے محروم رہے تھے۔ اُنہوں نے اب میر قاسم کے خلاف سازش شروع کی۔ انہوں نے 11 مارچ 1726ء کو کورٹ آف ڈائرکٹرز کو ایک خط لکھا۔ جس میں انہوں نے میر قاسم اور اس کے برطانی حواریوں کی مذمت کی۔ میر قاسم کے برطانی حواری مسیح کے حواریوں سے کم نہ تھے!

میر قاسم کی تخت نشینی کے بعد کمپنی کے افراد کو اجازت تھی کہ وہ ذاتی تجارت پر محاصل درآمد برآمد ادا نہ کریں۔ اس غیر تجارتی رعایت کا لازمی نتیجہ دیسی تاجروں کو تباہی تھا۔ کیونکہ دیسی تاجروں کو محاصل ادا کرنے پڑتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں دیسی تاجروں کو اپنا مال نسبتاً برطانیہ نے آج بھی اپنی تجارت کے فروغ کے لئے ''شاہی مراعات'' کا قانون نافذ کر رکھا ہے۔

ولیم ایلس کمپنی کی طرف سے پٹنہ فیکٹری کا حاکم اعلیٰ تھا۔ یہ شخص حد درجہ ضدی ہونے کے علاوہ میر قاسم کا جانی دشمن تھا۔ میر قاسم نے کلکتہ کے اصحاب اقتدار تک اپنی شکایات پہنچائی۔ لیکن انہوں نے میر قاسم کی گزارشات پر غور کرنا اپنی توہین خیال کیا۔ وہ چاہتے تھے کہ ایلس کی بدعنوانیوں سے متاثر ہو کر میر قاسم کوئی ایسی حرکت کرے جس کی وجہ سے انہیں میر قاسم کو تخت سے علیحدہ کرنے کا بہانہ مل سکے۔ انگریز ہندوستانی تجارت کو تباہ کرنے کا عزم کر چکے تھے۔ عہد نامہ مونگیر کی رو سے انگریز تاجروں کو 9

فیصدی محاصل ادا کرنے پڑتے تھے۔لیکن انگریز ان محاصل کی قیود سے بھی آزاد ہونا چاہتے ہیں۔انہوں نے اس امر کو فراموش کر دیا کہ دیسی تاجروں کو کمپنی سے زیادہ محاصل ادا کرنے پڑتے تھے۔لیکن انگریز عہد نامہ مونگیر کی خلاف ورزی پر آمادہ ہو گئے۔انہوں نے اپنی آزاد تاجرانہ سرگرمیوں کو از سر نو جاری کر دیا۔ بنگال کے دیسی تاجر تباہ ہو گئے۔نواب کا خزانہ خالی تھا۔آئے دن کی مصیبتوں اور انگریزوں کی عہد شکنیوں سے متاثر ہو کر نواب نے اپنی مملکت سے محاصل اڑا دیئے۔اب انگریز اور دیسی تاجر ایک ہی کشتی میں سوار تھے۔لیکن انگریز تاجر صرف اپنے لئے کشتی زر کے طلبگار تھے۔نواب کے اس اقدام نے خود غرض، لالچی، طالع اور حریص انگریز تاجروں کو آتش زیر پا کر دیا۔

نواب کو اس حکم کا قطعی اختیار تھا۔اس معاملہ میں نواب بے جرم و خطا دکھائی دیتا ہے لیکن کمپنی فیصلہ کر چکی ہے۔کہ نواب کو ''اس خطا پر مارا جائے کہ وہ خطاوار نہیں۔''

میر قاسم نے انتہائی کوشش کی کہ وہ جنگ سے باز رہے۔لیکن کمپنی کے رویے نے اس مجبور کر دیا کہ وہ انگریزوں کے خلاف نبرد آزما ہو۔صلح کی تمام کوششیں ناکام رہیں۔حکمت و دانش کے گہرے الفاظ شرمندہ معنی نہ ہوئے۔بڑی مشکل کے بعد کمپنی نے نواب کی خدمت میں ایک وفد بھیجنا منظور کیا۔وہ وفد محض رسمی تھا۔اس وفد کا مقصد صلح دامن نہ تھا بلکہ نواب کے جذبات کو اس قدر برانگیختہ کرنا تھا کہ وہ اعلان جنگ کر دے۔کیونکہ اس صورت میں انگریزوں کو نواب کی علیحدگی کا بہانہ مل جاتا۔وفد نے گیارہ مطالبات پیش کئے۔اُن مطالبات کو منظور کرنے سے بہتر تھا کہ نواب اس عجیب و غریب نوابی سے علیحدہ ہو جائے۔معمولی حکمران تک ان مطالبات پر غور کرنے کے لئے بھی تیار نہیں ہو سکتا تھا۔لیکن انگریز نوک شمشیر کے ذریعہ اپنے مطالبات تسلیم کرانا چاہتے تھے۔ولیم ایلس کو پٹنہ پر حملہ آور ہونے کی ہدایت بھیجی جا چکی تھی۔سامان جنگ سے لدی ہوئی کشتیاں مونگیر پہنچیں تو نواب کو ان کشتیوں کو روک لینا ایک معقول فعل تھا۔جب اس روک تھام کی خبر کلکتہ پہنچی تو اصحاب اقتدار نے نواب کو لکھ بھیجا کہ اس کی یہ حرکت اعلان جنگ کے معنی رکھتی ہے۔ارکان وفد کو واپس بلا لیا گیا۔ایلس کو پٹنہ پر حملہ کرنے کی اجازت مل گئی۔

ولیم ایلس نے پٹنہ پر قبضہ کر لیا۔ایلس کی اس حرکت نے نواب کو بہت پر جوش کر دیا۔نواب کی فوجوں نے ایلس کو شکست دی۔پٹنہ فتح ہو گیا۔اور اس کے دوسرے انگریز رفقائے کار گرفتار ہو کر مونگیر پہنچے۔7 جولائی 1723ء کو میر قاسم کے خلاف جنگ اور میر جعفر کی تخت نشینی کا اعلان کر دیا گیا۔

انگریزوں نے ہر وہ حرکت کی جس سے میر قاسم کا مشتعل ہونا ممکن تھا۔لیکن میر قاسم ایک بردبار اور صابر انسان کی طرح سب کچھ برداشت کرتا رہا۔اس نے معاہدہ کی حرف بحرف پیروی کی۔انگریزوں نے معاہدہ شکنی میں سبقت کی۔ بردبار اور شریف انسان کا انتقام بہت خوفناک ہوتا ہے۔ولیم ایلس شکست کھا چکا ہے۔ برطانی سپاہی اور افسر نواب کے قیدی ہیں۔ان حالات میں کمپنی کو صلح کی کوشش کرنی چاہیے تھی۔

میجر ایڈمز اور تقی خان ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہوئے۔ایڈمز اپنی فوجوں سمیت کلکتہ سے اور تقی خاں مرشد آباد سے روانہ ہوا۔تقی خاں ایک بہادر سپاہی اور قابل جرنیل تھا۔لیکن سید محمد خاں نائب حاکم مرشد آباد کی سازشوں نے تقی خاں کو اتنا موقع نہ دیا کہ وہ اپنے جوہر دکھا سکتا۔ سیر المتاخرین کا مصنف لکھتا ہے۔کہ اس جنگ میں انگریزوں کی کامیابی نوک شمشیر کی جگہ نوک زبان کی موہون منت ہے۔کمپنی کے زبانی وعدوں نے میر قاسم کی فوجوں میں غداری، بے وفائی اور نمک حرامی پیدا کر دی۔ میر قاسم کا قابل جرنیل تقی خان میدان جنگ میں خاموش پڑا ہے۔نواب انگریزوں سے آخری مرتبہ نبرد آزما ہونے کی فکر میں ہے۔وہ انگریزوں کے وجود سے بنگال کو خالی کرنے پر تلا ہوا ہے۔میر قاسم نے ادوانالا ایسے مقام کو جنگ کے لئے انتخاب کر کے اپنی عسکری ذہانت کا سب سے بڑا ثبوت دیا۔ایک ماہ تک انگریزی فوجوں پر لرزہ طاری کر رکھا تھا۔اودانالا کی تسخیر کمپنی کی قوت سے بہت بالا تھی۔نواب کی فوجیں باقاعدہ منظم اور محفوظ تھیں۔لیکن اس کے آرمینی افسر محسن کش غدار اور بے ایمان تھے۔ان کی مذموم حرکات نے اڈوانالا ایسے مستحکم مقام کو انگریزوں کے حوالہ کر دیا۔

میر قاسم بھاگ کر مونگیر پہنچا۔مونگیر سے اُسے پٹنہ جانا پڑا۔نواب کے ہمراہ انگریز قیدی بھی تھے۔ اس وقت تک نواب کا سلوک قیدیوں سے بہت اچھا رہا۔لیکن اب نواب کو کمپنی کی قاسم دشمنی کا یقین ہو چکا تھا۔اس لئے اُس نے انگریز قیدیوں کو قتل کرانے کے علاوہ اپنی فوج کے باغی افسر گرجین خان کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔ان تمام قیدیوں کا قاتل سمرو نامی ایک جرمن تھا۔

میر قاسم 4 دسمبر 1763ء کو اودھ کی مملک میں داخل ہوا۔شجاع الدولہ حاکم اودھ سلطنت مغلیہ کا نواب وزیر تھا۔مغل شہنشاہ شاہ عالم ابھی الٰہ آباد میں تھا۔شجاع الدولہ کا شاہ عالم پر بہت زیادہ اثر تھا۔ چنانچہ اس خیال کے پیش نظر میر قاسم نے اپنے تئیں شجاع الدولہ کے حوالہ کر دیا۔شجاع الدولہ نے بھی میر قاسم سے وعدہ کر لیا کہ وہ اسے مسند بنگال پر بٹھانے کے لئے انگریزوں سے جنگ کرے گا۔

شہنشاہ اور وزیر ایک تباہ حال انسان کی مدد پر کمر بستہ ہیں!

شجاع الدولہ نے مندرجہ ذیل مکتوب کلکتہ کونسل کو بھیجا۔

''سابق شاہان ہند نے انگریزی کمپنی کے سوداگروں کو اس قدر اعزاز مراعات دیئے کہ ان کی مثال دیسی اور غیر انگریز تاجروں میں نہیں ملتی۔ حال ہی میں اعلیٰ حضرت نے تمہارے کے علاقوں پر قبضہ کرلیا۔ لیکن ان احسانات کے باوجود کمپنی نے حکومت کے علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ کمپنی اپنی خواہش کے مطابق نوابوں کو تاج وتخت سے محروم کرتی ۔اپنی مرضی کے مطابق انہیں نواب بناتی رہی، کمپنی نے ان معاملات میں کبھی دربار شہنشاہی سے مشورہ طلب نہیں کیا۔ کمپنی کا درباریوں کو قید کرنا، دربار اعلیٰ کی توہین کرنا، اپنے مظالم سے لوگوں کو تباہ کرنا اور شہنشاہ کے خزانہ کی کمی کا سبب ہونا کیا معنی رکھتا ہے؟' ملک پر قبضہ نہ جمانے کی ایک مکارانہ چال...حکومت کے معاملات میں مداخلت نہ کرو، اپنے سپاہیوں کو ملک کے حصوں سے واپس منگا کر انہیں وطن بھیج دو۔ تجارت کرو اور صرف تاجر رہو۔ اس صورت میں حکومت تمہاری مدد کرتی رہے گی....اگر تم ضدی اور نافرمان ہو تو یقین جانو کہ انصاف کی تلوار سے نافرمانوں کی گردنیں اڑادی جائیں گی۔ اعلیٰ حضرت شہنشاہِ ہند کی ناراضگی کا نتیجہ تم بہت جلد محسوس کرو گے۔''

شاہ عالم، شجاع الدولہ اور میر قاسم کے حملۂ بہار سے انگریزوں کا مارے خوف کے کانپنا ایک فطری امر ہے۔ وہ نواب وزیر کے افسروں میں سازش پیدا کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ نواب وزیر نے میر قاسم کے ساتھ انتہائی بدسلوکی شروع کر دی۔ فوجیں پٹنہ کی طرف بڑھیں۔ کمپنی نے میجر منرو کے اس ہدایت کے ساتھ روانہ کیا کہ جنگ کو جلد از جلد ختم کر دے۔ کیونکہ کمپنی کو اندیشہ تھا کہیں کہ مرہٹے اور افغان نواب وزیر کی مدد پر آمادہ نہ ہو جائیں۔

بکسر کی جنگ ۱۵ ستمبر ۱۷۶۴ء کی لڑی گئی۔ شجاع الدولہ کو نقصانِ عظیم کے ساتھ شکست کھانی پڑی۔ میر قاسم نے فرار ہو کر اپنی جان بچائی۔ شہنشاہ کمپنی سے جاملا۔

میر قاسم تاریخ کے اوراق سے غائب ہوتا ہے۔

چونکہ شجاع الدولہ نے کمپنی کی پیش کردہ شرائط قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا اس لیے انگریزوں نے نواب وزیر کے علاقہ میں اپنی جنگی سرگرمی کو جاری رکھا۔ انگریزی فوجیں قلعہ چنار کے سر کرنے میں ناکام ہوئیں۔ کمپنی کے سپاہیوں نے الٰہ آباد کا رخ کیا۔ الٰہ آباد کا قلعہ فتح کر لیا۔ میر قاسم کی طرح شجاع الدولہ کو بھی فرار ہونا پڑا۔ شجاع الدولہ نے بریلی کا رخ کیا۔ بریلی کے حاکم نے مہمان کے خیر مقدم کے لیے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ شجاع الدولہ نے آخری مرتبہ جنگ کرنے کا فیصلہ کیا۔ مشہور مرہٹہ جرنیل ملہار راؤ اپنی فوجوں سمیت کورہ پہنچا۔ شجاع الدولہ روہیلوں سے بھی امداد کا متوقع تھا۔ روہیلوں نے شجاع الدولہ کی اس خواہش کی عملی شکل نہ دی۔ شجاع الدولہ ناکام رہا۔ اس کی تمام مملکت انگریزوں کے قبضہ میں چلی گئی۔ شجاع الدولہ نے صلح پر آمادگی ظاہر کی۔ شتاب رائے کے ذریعے مندرجہ ذیل شرائط پر صلح کی:

> ''شجاع الدولہ انگریزوں کو پچاس لاکھ روپیہ بطور تاوان جنگ اس طرح پیش کرے کہ نصف رقم پیشگی اور نصف بذریعہ اقساط۔ نیز الٰہ آباد کا صوبہ شہنشاہ کے ذاتی اخراجات کے لیے علیٰحدہ کر دیا جائے۔ الٰہ آباد کا قلعہ شہنشاہ کی اقامت کے لیے خالی کر دیا جائے۔ انگریز سپاہیوں کا ایک دستہ شہنشاہ کی حفاظت کے لیے الٰہ آباد رہے گا۔ ایک انگریز وکیل شجاع الدولہ کے دربار میں رہے گا۔ اس وکیل کو شجاع الدولہ کے معاملات میں دخل انداز ہونے کا کوئی حق نہ ہوگا۔ اس عہد نامہ کے بعد فریقین کے دوست دشمن مشترکہ ہوں گے۔''

شجاع الدولہ اور انگریزوں کی جنگ کا یوں خاتمہ ہوا۔

میر جعفر مسند شاہی پر ایک دن بھی چین سے نہ بیٹھ سکا۔ میر جعفر کے آخری ایام بے حد تلخی میں بسر ہوئے۔

۵فروری ۱۷۶۵ء میں مرشد آباد میں میر جعفر نے وفات پائی۔

میر جعفر پنسر کے ایامِ حکومت میں چل بسا۔ کمپنی نے میر جعفر کے ساتھ جو عہد نامہ کیا تھا اس میں اس کی جانشینی پر بحث نہیں کی تھی۔ اس کی موت نے کمپنی کے ارکانِ اقتدار کے لیے رشوت ستانی کا دروازہ کھول دیا۔ میر جعفر کی رفیقۂ حیات منی بیگم نے میرن کے بیٹے کو وارثِ تخت و تاج بنانے کے لاکھوں روپیہ خرچ کیا۔ لیکن کمپنی نے میر جعفر کے ۱۵ سالہ فرزند نجم الدولہ کی نوابی کا اعلان کر دیا۔

نیا نواب اور نیا معاہدہ لازم و ملزوم تھے۔

نئے معاہدے کی رو سے نواب کے لیے ضروری تھا کہ وہ محمد رضا خان کو اپنا نائب مقرر کرے۔ ثانیاً محکمہ دیوانی کے تمام عہدہ داروں کے تقرر و تعطل حکومتِ کلکتہ کی ایماء پر ہوگا۔ ثالثاً کمپنی کے افواج کے لیے نواب پانچ لاکھ روپیہ بدستور ادا کرے گا۔ رابعاً نواب کو اسی قدر فوج رکھنے کو اجازت ہوگی جس سے وہ مالیہ جمع کرنے میں مدد لے سکے۔ خامساً انگریز تاجر حدودِ مملکت میں محاصل سے آزاد ہوں گے۔

باپ کے گناہ کی پاداش!

نجم الدولہ نے عہد نامے پر دستخط کرنے کے علاوہ حکومتِ کلکتہ کے ارکان کو بیس لاکھ روپیہ بطور 'نذرانہ' پیش کیا۔ نواب نے انتہائی کوشش کی کہ نند کمار کو اس کا دیوان مقرر کیا جائے۔ کمپنی نے نواب کی درخواست کا جواب یوں دیا کہ نند کمار کو قید کر کے کلکتہ پہنچا دیا۔

کلائیو مئی ۱۷۶۵ء کو کلکتہ پہنچا۔ ۳۰ ستمبر ۱۷۶۵ء کو اس نے کورٹ آف ڈائرکٹرز کو مندرجہ ذیل مکتوب لکھا:

> ''کمپنی کے حالات اس قدر بگڑ چکے ہیں کہ ہر صاحبِ عزت کا اس سے لرزہ براندام ہونا یقینی ہے۔۔۔۔۔ دولت کو اچانک کثرت نے انتہائی عشرت کے دروازے کھول رکھے ہیں۔۔۔۔ چھوٹے بڑے سب ایک ہی مرض کا شکار ہیں۔''
>
> ''فوجوں کی حالت اس سے بھی بدتر ہے۔ کسی شہر پر قبضہ کرنے کے بعد وہاں کی تمام دولت پر فوجی قابض ہو جاتے ہیں۔ میں

آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ بنارس میں ایسا ہوا۔''

انگریزی شرافت، کمپنی کی نیک نامی اور انصاف وانسانیت کا خون کرتے ہوئے حرص وعاز اور عیش وعشرت نے سیاسیات میں ایک نیا راستہ کھول رکھا ہے۔''

کلائیو کے اس مکتوب کا جواب دیتے ہوئے کورٹ آف ڈائرکٹرز نے لکھا:

''ہمارے خیال میں اندرونِ ملک کی تجارت سے جو دولت کمائی گئی ہے وہ محض ظلم وستم سے حاصل کی گئی ہے ظلم وستم کی ایسی مثالیں کسی زمان ومکاں میں نہیں مل سکتیں۔

'' ہم یورپی دلالوں کی ستم رانیوں کا عرصہ سے مطالعہ کر رہے ہیں۔۔۔ہمیں توقع ہے کہ حضورِ عالی ایسے دلالوں کو پریزیڈنسی کے تحت لانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔''

ان اصلاحات سے کلائیو کا مقصد حکومت کلکتہ کے دست و بازو کو طاقتور بنانا تھا۔وہ چاہتا تھا کہ بنگال۔ بہار اور اڑیسہ میں انگریز اسی طرح حکومت کریں جس طرح پیشوا، نظام اور نواب وزیر پونہ، حیدر آباد اور لکھنؤ میں حکومت کر رہے تھے۔کلائیو انگریزوں کے لیے شہنشاہ سے دیوانی حقوق حاصل کرنا چاہتا تھا۔وہ شہنشاہ سے ملاقات کرنے کے لیے چل نکلا۔شہنشاہ اس وقت الٰہ آباد میں مقیم تھا۔راستے میں کلائیو نے مرشد آباد پر قبضہ کرلیا۔اب نواب کا وجود محض سائے کی حیثیت رکھتا تھا۔شجاع الدولہ چونکہ ان دنوں بنارس میں تھا اس لیے کلائیو نواب وزیر کی ملاقات کے لیے بنارس پہنچا۔۱۲ اگست کو کلائیو پہلی مرتبہ نواب وزیر سے ملا۔اس ملاقات کا نتیجہ ایک عہد نامہ کی صورت میں رونما ہوا جس کے ذریعے الٰہ آباد اور کورہ کے علاقے نواب وزیر سے چھین لیے گئے۔نیز نواب نے ۵۰ لاکھ پونڈ تاوانِ جنگ ادا کیا۔ کلائیو وزارت کو روندنے کے بعد شاہیت کی زیر کرنے کے لیے الٰہ آباد روانہ ہوا اور ۱۹ اگست کو شہنشاہ شاہ عالم سے ملا۔

شاہ عالم نے مغلیہ حکومت کی موت کی گھنٹی بجادی۔

شاہی خاندان کے ابتدائی بادشاہ ایک انچ زمین کے لیے لاکھوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتے تھے۔دورِ تنزل کے بادشاہ ملک وملت کی سستے داموں فروخت کرنے میں ذرہ بھر شرم محسوس

نہیں کرتے شاہ عالم نے بنگال، بہار، اڑیسہ کے دیوانی حقوق کمپنی کے حوالے کرتے ہوئے سوائے ذاتی مفاد کے اور کسی امر کو پیشِ نظر نہیں رکھا۔

کلائیو کلکتہ روانہ ہو گیا۔

مرشد آباد میں پُر اسرار واقعات رونما ہو رہے تھے۔نوجوان نجم الدولہ کی اچانک موت کے متعلق 'سیر المتاخرین' کا مصنف لکھتا ہے:

''اس امر کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ لارڈ کلائیو مرشد آباد میں قیام کرنے کے بعد سادھو باغ میں مقیم رہا جہاں نجم الدولہ اور محمد رضا خان نے اس کی خاطر مدارت کی۔کلائیو کے رخصت ہونے پر دونوں حضرات اپنے محلوں میں واپس جا رہے تھے کہ اچانک نجم الدولہ کو تکلیف محسوس ہوئی۔نواب نے محل میں پہنچ کر اپنی جان دے دی۔''

یہی مصنف حاشیہ میں لکھتا ہے:

''میں اس وقت نوجوان شہزادے کے محل کے پاس سے گزر رہا تھا۔۔۔۔زبانِ خلق پر محمد رضا خاں کا نام تھا۔''

رضا خان انگریزوں کا دوست تھا اور اس حرکت کا کمپنی کے ارکان کے اشارہ سے پایہ تکمیل تک پہنچنا بعید از قیاس معلوم نہیں ہوتا۔''ہندوستان میں نصرانی اقتدار کا عروج'' کا معزز محترم مصنف اس بارے میں رقم طراز ہے کہ نجم الدولہ کی موت میں کلائیو کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔

نجم الدولہ کی موت سے بنگال میں مرشد آباد کے نوابوں کا تذکرہ ختم ہو جاتا ہے۔اب بنگال کی تاریخ کا عنوان انگریزی حکمرانوں کے نام ہے۔

بنگال میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی بدعنوانیوں کو ختم کرنے کے لئے کلائیو عازمِ ہند ہوا۔کلائیو کے بلند بانگ دوعاوی کی کوئی حیثیت نہ تھی۔کلائیو نے اصلاحات کے پردے میں اپنی دولت میں نمایاں اضافہ کیا۔اس کا اصلاحی شور وغوغا خاموش اقتصادی تباہی کی حکمتِ عملی کو مستحکم کر گیا۔کلائیو کی اصلاحات نے بنگال کے لوگوں کو مزید تباہی کا شکار بنا دیا۔کلائیو کی کتاب اصلاحات کا کوئی باب اٹھاؤ۔اس میں

ہندوستان کی تباہی و بربادی کے سوا اور کچھ نہیں دکھائی دیتا۔ اس کی اصلاحات خود اسے اور اس کے ہم وطنوں کو مالا مال کر گئیں لیکن بنگال کو موت کے گھاٹ اتار کر مظلوم اقوام کی آنکھوں میں خاک جھونکنے کے لئے اصلاحات کا آلہ استعمال کیا جاتا ہے۔ ان کے اذہاں کو اس طرح مسحور کر دیا جاتا ہے کہ وہ اصلاحات کو قابلِ عمل بنانا اپنا اولیں فرض خیال کرتی ہیں۔ اصلاحات کو قبول کرنے والی قومیں اپنی مدتِ غلامی کو طول دیتی ہیں۔ اصالحات ایک کھلونا ہے جس سے غلام زادے اپنا جی بہلاتے ہیں اور آزادی پسند اس کی آوازِ سکست میں صدائے انقلاب پاتے ہیں۔ اصلاحات ایک جال ہے جو حسین الفاظ اور جمیل تراکیب سے تیار کیا جاتا ہے۔ زہر کی ایک گولی ہے۔ شکر میں لپٹی ہوئی زندان ہے جس کے دریچے نسبتاً بڑے ہوں۔ ایک ستارہ ہے ___ ٹوٹنے وال۔ ایک نغمہ ہے ___ موت کی نیند سلانے والا۔ ایک پھول ہے ___ زہریلے کانٹوں کو چھپائے ہوئے۔ آگ ہے ___ شفق کی صورت میں موت ہے۔ زندگی کے لباس میں۔

اصلاحات! طلائی زنجیریں!

اندرونِ ملک تاجرانہ زہزنی بدستور رہی۔ حالات کو مزید خراب کرنے کے لئے کلائیو نے نمک کی اجارہ داری کمپنی کے ملازموں کے سپرد کر دی جنہوں نے اس ضرورت پر عشرت سے زیادہ محاصل لگا کر اپنی جیبوں کا وزن بڑھالیا۔ کلائیو ۱۷۶۷ میں ہندوستان سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گیا۔

لندن میں کلائیو پر ایک مقدمہ چلایا گیا۔ اس مقدمہ کی تفصیلات ان اوراق کی متحمل نہیں ہوسکتیں۔ کلائیو کا مجرم ضمیر امی چند، سراج الدولہ اور نجم الدولہ کی روحوں کو شیکسپیئر کے کرداروں کی طرح دیکھتا ہوگا۔ مجرم ضمیر کے مسلسل حملوں نے کلائیو کو مجبور کر دیا کہ وہ اس ''غیر مہذب'' ضمیر کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی نے ایک فرمان کے ذریعے درامد و برامد کے محاصل سے آزادی حاصل کر لی تھی حالانکہ وطنی تجارت پر قیود و محاصل بدستو عائد تھیں۔ یورپ سے جو مال کمپنی حاصل کرتی رہی، اس پر اسے درامد کے محاصل ادا نہیں کرنے پڑتے تھے۔ اسی طرح کمپنی کا مال بغیر محاصل کے یورپ کی منڈیوں میں پہنچ جاتا۔ کمپنی کے صدر یا افسر کا پروانہ چونگی خانوں پر دکھانا کافی ہوتا۔ چونگی خانوں کے افسر اس پروانے کو دیکھ کر محاصل کا مطالبہ نہیں کر سکتے تھے۔

یہ رعایت اجتماعی تھی نہ کہ انفرادی!

جنگِ پلاسی کے بعد کمپنی کے کارکنوں نے اس رعایت سے انفرادی طور پر فائدہ اٹھانا شروع کیا۔ کمپنی کے ہر ملازم کمپنی کا تنخواہ ادا ہونے کے علاوہ بنگال میں آزاد تاجر کی حیثیت رکھنے لگا۔ کمپنی کے آزاد تاجروں کی حرکتوں نے بنگال کو اقتصادی طور پر بالکل تباہ کر دیا۔ بنگال کے بوابوں نے کمپنی کے آزاد حقوق تاجرانہ تسلیم کئے ہوئے تھے لیکن کمپنی کے ملازموں نے بھی اس رعایت کا ناجائز فائدا اٹھانا شروع کیا۔ پلاسی کی جنگ کے بعد کلائیو نے ۱۷۵۷ میں میر جعفر کو بنگا کا نواب بنایا۔ بیان کردہ اسباب کی بنا پر میر قاسم کو مسندِ بنگال پر بٹھایا گیا۔ نئے نواب نے کمپنی کو تین اضلاع کا مالیہ وصول کرنے کا حق دینے کے علاوہ اس رقم کے ادا کرنے کا بھی وعدہ کیا جو میر جعفر کے ذمہ تھی۔ میر قاسم نے کمپنی کو جنوبی ہند کی جنگوں کے لئے پانچ لاکھ روپیہ دیا۔ میر قاسم نے دو سال کی قلیل مدت میں کمپنی کا روپیہ تو ادا کر دیا لیکن بنگال کی تجارے رقز بروز تباہ ہوتی گئی۔ کمپنی کے ملازم آزاد تاجر تھے اور بنگال کے دیسی تاجروں کو بہت زیادہ ٹیکس ادا کرنے پڑتے تھے۔

نواب کا خزانہ خالی ہو رہا تھا۔ دیسی تاجر تباہ حال تھے۔ ۱۷۶۰ میں ہنری وین سٹارٹ کلائیو کا جانشین مقرر ہو۔ وین سٹارٹ کمپنی کے ملازموں کی بدعنوانیوں کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

''جہاں تک تجارت کا تعلق ہے، میر جعفر سے کسی جدید رعایت کا مطالبی نہیں کیا گیا تھا اور حقیقت یہ ہے کہ کمپنی کو مزید مراعات کی ضرورت بھی نہ تھی..... تاہم جب ہمارا سیاسی اثر رونما ہوا تو اس وقت کمپنی کے ملازموں نے ان اشیا کی تجارت شروع کر دی جن کی انہیں اجازت نہ تھی۔''

ورلسٹ بھی ہنری وین سٹارٹ کی نگاہوں سے ان واقعات کا مشاہدہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''آزاد تجارت کو برائے کار لاتے وقت ان گنت مظالم کئے گئے ء۔ برطانوی گماشتوں نے نہ صرف رعایا کو تنگ کیا بلکہ حکومت کے اقتدار کو بھی صدمہ پہنچایا۔ نواب کے افسروں کو سزائیں دی گئیں۔ میر قاسم سے جنگ کا یہ اولین سبب تھا۔''

ان اقتباسات سے بنگال کی تباہی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ سیر المتاخرین کا مصنف بنگا رعایا کی تباہی کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتا ہے:

انگریز اپنی رعایا کے لئے کسی قسم کا التفات روا نہیں رکھتے۔ انہیں رعایا سے کسی قسم کی ہمدردی نہیں۔ وہ لوگ

جوانگریزی حکومت کی رعایا ہیں، ہر جگہ تباہ ہو رہے ہیں۔انہیں بے حد مفلس بنا دیا گیا ہے۔''

یہی مصنف اپنی بیان جاری رکھتے ہوئے لکھتا ہے:

''اے خدا! اپنے مظلوم اور تباہ حال بندو پر رحم فرما، اے خدا! انہیں اس مصیبت سے نجات دلا جس میں وہ گرفتار ہیں۔''

کمپنی کے ملازموں نے بنگال کی تجارت کو اس طرح تباہ و برباد کرنے کے بعد حصول محاصل کا ایسا طریقہ جاری کیا جس کے بیان سے روح لرز جاتی ہے۔جس کا تذکرہ میں میں کپکپی پیدا کرتا ہے۔الم ناک داستان جو صرف اشکوں کی روانی ہی میں سنی جاتی ہے۔

تمام اقتباسات ایک دل ہلا دینے والی داستان کے ٹکڑے معلوم ہوتے ہیں۔ بنگال کے لوگ صدیوں سے مصیبت کا شکار تھے، لیکن کمپنی کے ابتدائی ایام حکومت کی مصیبتوں نے بنگال سے سانس لینے کا حق بھی چھین لیا۔کمپنی کی دازدستی رُستاق وصناع کو موت کے گھاٹ اتار گئی۔اس کے بے پناہ مظالم نے بنگالی تجارے، صنعت اور زراعت کو ناقابلِ عمل برباد اور ویران کر دیا۔صنعت کے چشمے خشک، ذرائع دولت مسدود۔

میر قاسم اپنی مجبوریوں کے باوجود بنگال کی تباہی سے متاثر ہو رہا تھا۔نواب نے دیکھ لیا کہ انگریزی تاجرانہ مراعات سے دیسی تاجروں کو تباہ و برباد کرنے کے علاوہ دیسی صنعت کو بھی ختم کرنے کی فکر میں ہیں۔میر قاسم کی رگِ وطنیت میں گرم خون دوڑنے لگا۔نواب نے دیسی تاجروں کو انگریزی تاجروں کی سطح پر لانے کے لئے دیسی تاجروں کو بھی محاصل سے آزاد کر دیا۔نواب کے اس عادلانہ فعل کو انگریزوں نے عہد شکنی سے تعبیر کیا ہے۔

تاریخ برطانوی ہندوستان کا مصنف جیمز مل اس موقع پر قلم اٹھاتے ہوئے لکھتا ہے:

''اس موقع پر کمپنی کے ملازموں کا طرزِ عمل خودغرضی کے مذبح پر انصاف وحیا کے قتل کے مترادف تھا۔''

منطق، انصاف اور اخلاق پر تاجرانہ خودغرضی کا غلبہ!

تاریخ عالم میں کہیں بھی سوداگروں کی ایسی جماعت دکھائی نہیں دیتی جس نے محض قوت کے بل بوتے پر مغلوب قوم کی تجارت، صنعت اور زراعت کو یوں تباہ کر دیا ہو۔میر قاسم نے بنگال کو انگریزی دست بُرد سے بچانا چاہا۔

کمپنی نے ہرنواب کی مسند نشینی کو اپنے لئے حصولِ زر کا ذریعہ بنایا۔ایک نواب کے خزانہ پر ہاتھ صاف کرنے کے بعد اسے مسند سے علیحدہ کر دیا جاتا تھا کیونکہ اس کے دامنِ زر سے مزید قطرے نہیں نچوڑے جا سکتے تھے۔ نیا نواب ان کے لئے از سرِ نو زرِ دولت کے دروازے کھول دیتا۔ جب ۱۷۵۷ میں جنگ پلاسی کے بعد میر جعفر کو بنگال کا نواب بنایا گیا تو اس وقت برطانوی افسروں نے ۲۳۸۵۷۵ پونڈ رقم وصول کی۔ اس نذرانہ میں سے لارڈ کلائیو نے ۳۱۵۰۰ پونڈ رقم وصول کرنے کے علاوہ بنگال میں ایک جاگیر بھی حاصل کی۔ جب ۱۷۶۰ میں میر قاسم کو بنگال کی مسند پر بٹھایا گیا تو برطانوی افسروں نے نذر کے طور ۲۰۰۲۶۹ پونڈ نواب سے وصول کئے۔ اس رقم میں سے ۵۸۳۳۳ پونڈ وین سٹارٹ کو ملے۔ جب ۱۷۶۳ میں میر جعفر کو از سرِ نو نواب بنایا گیا تو اسے ۵۰۰۱۶۵ پونڈ کمپنی کی نذر کرنے پڑے۔ نجم الدولہ نے شکرانے کے طور پر جو رقم پیش کی ۲۳۰۳۵۶ پونڈ کی تھی۔ گویا نو سال کی قلیل مدت میں کمپنی کے افسروں نے بنگال کے نوابوں سے ۲۱۶۹۶۶۵ پونڈ وصول کئے۔ اسی اثنا میں دیگر ذرائع سے جو رقم نوابوں سے وصول کی گئی وہ ۳۲۷۷۰۸۳۳ پونڈ کی تھی۔ ۱۷۷۲ میں دارالعوام کی کمپنی کے سامنے ان رقوم کا وصول کیا جانا تسلیم ہو چکا ہ۔

سوداگری کے سر پر خاک! اس سے بہتر تجارت اور کیا ہو سکتی تھی۔ مصنوعات کے لین دین پر لعنت! تاج و تخت کی خیر و فروخت ہی کمپنی کے شایان شان تھی!

ایسٹ انڈیا کمپنی کے لندنی کارپردازوں کو اس ''تحفہ بازی'' کی سمجھ نہ آئی چنانچہ انہوں نے ۱۷۶۵ میں قبولِ تحائف کے خلاف احکام بھیجے اور ساتھ ہی کلائیو کو لندن سے کمپنی کے امور کی اصلاح کے لئے روانی کیا۔ کمپنی کے ارکان نے ایک لمحہ بھی ضائع نہ کیا۔ کلکتہ کونسل نے نجم الدولہ کو مسند نشین کرتے ہوئے جنس تحائف کی فصل کو آخری مرتبہ کاٹ لیا۔

کلائیو ۱۷۶۵ میں بنگال پہنچا۔ اس نے کمپنی کے کارکنوں کو بدعنوانیوں اور رعایا کی تباہ حالیوں کا مرقع اس خط میں پیش کیا جو اس نے ۳۰ دسمبر ۱۷۶۵ کو لندن روانہ کیا۔ اس خط کے بعض اقتباسات گذشتہ اوراق میں پیش کئے جا چکے ہیں۔

''برطانوی ہند کی اقتصادی تاریک'' کا مصنف رومیش دت بنگال کی اقتصادی تباہی کے اسباب و علل پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''تین کروڑ انسانوں سے وصول کردہ محاصل اخراجات کے بعد
اس ملک کی بہتری کے لئے صرف نہیں کئے جاتے تھے، بلکہ کمپنی
کے نفع کی صورت میں انگلستان بھیج دئے جاتے۔ کمپنی کے
برطانوی حصہ داروں میں ہر سال ایک کڑور پچاس لاکھ پونڈ تقسیم
کئے جاتے۔ایک غریب قوم کے مالیہ سے دنیا کے امیر تین قوم کو
ہر سال امیر بنایا جاتا۔چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ برطانوی حکمرانوں
کی اس تجویز کے ذریعے ہندوستان کو ااقتصادی طور پر تباہ کر دیا
۔آج اسی سکیم کی رو سے کروڑوں روپیہ ہندوستان سے انگلستان
پہنچ جاتا ہے۔۔۔۔انگلستان اور ہندوستا ن کے اقتصادی
تعلقات ابتدا ہی سے ناروا تھے۔ ہندوستان اپنی زرخیز زمین،
اپنے وسیع ذرائع اور اپنی صنعتی آبادی کے باوجود برطانوی راج
کے یک صدونیم سالہ عہد کے بعد دنیا کا مفلس ترین ملک ہے۔''

کلائیو نے کمپنی کے ملازموں کے مفاد کے لیے بنگال کی اندرونی تجارت کو بدستور بحال رکھا۔چونکہ کہ انفرادی تجارت انگریزوں کے لیے بہت مفید تھی اس لیے اس نوعیت کی تجارت کو بند کرنے کے لیے کلائیو نے کوئی سعی نہ کی۔

انگریزوں کے مفاد کے لیے کمپنی کے احکام کی خلاف ورزی۔

بنگال کی تجارت اور صنعت کی تباہی کے متوازی زرعی بربادی کا رفرما دی۔کمپنی کے ملازموں نے بردوان اور مدناپور کے اضلاع میں جدید طریقہ رائج کر کے وہاں کی زرعی آبادی میں بداطمینانی کے بیج بو دیے۔کمپنی کے روزافزوں اخراجات پورے کرنے کے لیے بڑی سختی سے مالیہ وصول کیا جاتا۔

برطانوی پارچہ باف بنگالی پارچہ بافوں سے حسد کرنے لگے تھے۔وہ چاہتے تھے کے بنگال کے نفیس اور عمدہ کپڑے کی انگلستان میں درآمد بند ہو جائے۔آزاد بنگال انگریزی جولاہوں کی اس خواہش پر زیادہ سے زیادہ مسکرا دیتا۔لیکن محکوم بنگال کو اپنی صنعت،تجارت اور زراعت کی تباہی کا تماشا کرنے کے سوا کام ہی کیا تھا؟انگلستان کے جولاہوں کی حوصلہ افزائی کے لیے کمپنی نے اپنا سیاسی اثر استعمال کیا۔بنگال

کے پارچہ بافوں کو مجبور کر دیا کہ وہ صرف برطانوی فیکٹریوں میں کام کریں۔

**بنگالی صنعت پر پہلا وار:**

دارالعوام کی مجلسِ منتخبہ کی نویں رُپورٹ سے صاف عیاں ہے کہ انگلستان بنگال کو برطانوی مصنوعات کا محتاج بنانا چاہتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ پچاس برس تک برطانیہ کی حکمتِ عملی ہندوستان کی صنعت کی تباہی تھی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس مدت میں متعدد دیسی مصنوعات برطانوی صناعوں کے لیے صفحۂ ہستی سے مٹادی گئیں۔

۱۷۸۳ء میں فاکس ایسٹ انڈیا بل پر تقریر کرتے ہوئے ایڈمنڈ برک نے بنگال کی تباہی کا نقشہ مندرجہ ذیل الفاظ میں کھینچا۔ برک فنِ خطابت میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ خطابت، زور اور تاثیر کے پیشِ نظر برک کے یہ الفاظ اس کی تقریروں میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں:

> ''۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔لیکن انگریزی حکومت میں معاملہ ہی دگرگوں ہے۔ تاتاری حملہ یقیناً خراب تھا۔ لیکن ہمارا تحفظ ہندوستان کو تباہ کر رہا ہے۔ وہ تاتاریوں کی دشمنی تھی اور یہ ہماری دوستی ہے۔ ہمارے مفتوحہ علاقے کی بدحالی بھی ویسی ہے جیسے بیس سال پیشتر تھی۔۔۔۔ ہندوستانیوں سے ہمدردی کیے بغیر ان پر لوٹ کے حکومت کر رہے ہیں۔۔۔ ہر وہ روپیہ جو انگریز نفع میں حاصل کرتا ہے دراصل ہندوستانیوں کا نقصان ہے۔''

۱۷۷۰ء میں بنگال قحط کا شکار ہو رہا تھا۔ اس قحط نے اس کی ایک تہائی آبادی کو موت کی نیند سلا دیا۔ کمپنی کے لیے اس سے زیادہ سنہری موقع اور کیا ہو سکتا تھا۔ کمپنی کے ملازموں نے انسانی نعشوں کے اوپر کھڑے ہو کر محاصل اور مالیہ کا مطالبہ کیا۔ دنیا کی تاریخ میں اس سے زیادہ خونچکاں حوادث کا ملنا امر محال ہے۔ کمپنی کے فلک بوس گوداموں کے سایہ میں لوگ دانے دانے کے لیے تڑپ کر مر گئے۔ لیکن کمپنی نے گوداموں کو بدستور مقفل رکھا۔

# صنعت اور تجارت

سولہویں صدی سے یورپ کے سوداگر سمندری راستہ سے ہندوستان آنا شروع ہوئے۔ سترھویں صدی کے شروع میں انگلستان کے تاجر ہندوستان میں پھیلے۔ ان تاجروں کی تجارت اٹھارہویں صدی میں اپنے کمال کو پہنچ گئی۔ ہندوستان سے جو مال انگلستان میں درآمد ہوتا تھا اسے قانوناً ممنوع قرار دے کر ہندوستان کو انگلستان کی منڈی بنانے کو جدوجہد شروع ہوگئی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ذریعے ہندوستان کا تجارتی مال انگلستان کے علاوہ آئرستان، اسپین، فرانس اور جرمنی تک جاتا تھا۔ یورپ میں ہندوستانی کپڑا کالیکو کے نام سے مشہور تھا۔ سوتی کپڑے کے علاوہ ہندوستان کا ریشمی کپڑا بھی یورپ کو بھیجا جاتا تھا۔ کپڑے کے علاوہ ریشمی رومال، باناتی ٹوپیاں، چینی کے برتن، کھلونے اور تصویریں بھی انگلستان کو بھیجی جاتی تھیں۔ شورا اور نیل بھی برآمد کیا جاتا تھا۔ ان کے علاوہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی معرفت سے ہندوستان سے بہت سی دوسری اشیاء بھی برآمد کی جاتی تھیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انگلستان ہندوستانی مال کی منڈی بن گیا۔ انگلستان نے بہت کوشش کی کہ وہاں کا اونی کپڑا ہندوستان میں رائج ہو جائے لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ پارلیمنٹ نے ۱۶۹۳ء کے فرمان میں کمپنی کے لیے یہ ضروری کر دیا کہ وہ کم از کم ایک لاکھ پونڈ کا اونی کپڑا ہر سال انگلستان سے برآمد کرتی رہے۔ ۳ جنوری ۱۶۹۴ء کو ایسٹ انڈیا کمپنی کو طرف سے ایک مراسلہ میں لکھا گیا:

> ''ہمیں نیا منشور ملا ہے۔ اس کے مطابق ہم پہلے سے زیادہ اونی کپڑا فروخت کرنے پر مجبور ہیں۔ ہندوستان میں اس اونی کپڑے کی فروخت کی جو مقدار مقرر کی گئی ہے اس کا فروخت ہونا یہاں ناممکن ہے۔ چونکہ ایران میں اس کپڑے کی کچھ مانگ ہوتی ہے اس لیے تھوڑا سا اونی مال وہاں بھیج دیا جاتا ہے۔ ہندوستان میں اس کی کھپت نہیں ہوسکتی۔ ہم اسے مفت تقسیم کریں یا اسے گوداموں میں دیمک کا شکار ہونے کے لیے پڑا رہنے دیں۔ اس

کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہوسکتا۔''

جب انگلستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ذریعے ہندوستانی مال کی کھپت بہت بڑھ گئی تو اس سے کمپنی کے حصہ داروں کو تو بہت نفع ہوا لیکن انگلستان کی تجارت برآمد ختم ہوگئی اور انگلستان محض درآمد کرنے وال ملک بن گیا۔اس پر انگلستان کے صناعوں نے پارلیمنٹ میں بے شمار درخواستیں کیں کہ انہیں تباہی سے بچایا جائے۔کمپنی کی مخالفت انگلستان میں بڑھ گئی۔اس کے علاوہ انگلستان میں سودیشی تحریک نے زور پکڑنا شروع کر دیا۔سودیشی کی حمایت میں تقریروں اور تحریروں کو کام میں لیا گیا۔انگلستان کی عورتوں میں چونکہ ہندوستانی مال بہت مقبول تھا اس لیے ان سے ہندوستانی مال کے بائیکاٹ کی اپیل کی گئی۔آخر کار انگلستان کی حکومت نے اس کی طرف توجہ کی۔ پارلیمنٹ کے ایک ممبر نے تقریر کرتے ہوا کہا:''ہندوستاں کی جس چیز نے ہمیں سب سے زیادہ تباہ کیا ہے وہ کالیکو یعنی سوتی کپڑا ہے۔اس نے ہمارے اونی کپڑے کو بالکل تباہ کر دیا ہے۔مقامِ افسوس ہے کہ ہندوستانی تو دولت لوٹ رہے ہیں لیکن عیسائیت تباہ ہو رہی ہیں۔آخر اس تجارت کا انجام کیا ہوگا؟ یقیناً ہندوستان کے لوگ دولت مند ہو جائیں کے اور ہم مفلس ہو جائیں گے۔''ایک دوسرے ممبر نے اپنی تقریر میں کہا کہ:''ہندوستانی تجارت کی روک تھام ضروری ہے کیونکہ کہ نہ صرف پارچہ بافی بلکہ انگلستان کی بہت سی صنعتیں ہندوستانی مال کی درآمد سے خطرات میں پڑ گئی ہیں۔ہندوستانی مال نہ صرف انگلستان میں انگریزی مال کی جگہ استعمال ہوتا ہے بلکہ دوسرے ملکوں سے ہماری مصنوعات کو بھی خارج کر رہا ہے۔اگر ہندوستانی مال کی درآمد کی روک تھام نہ کی گئی تو ہماری مصنوعات تباہ ہو جائیں گی۔''ہندوستان سے ریشمی کپڑے کی درآمد کے متعلق مسٹر شیلڈن نے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ:''انگلستان میں جو ریشمی کپڑا فرانس اور اٹلی سے درآمد ہوتا ہے وہ بند ہو گیا ہے۔کیونکہ بنگال کا ریشمی کپڑا فرانس اور اٹلی کے ریشمی کپڑے سے آدھی قیمت پر انگلستان پہنچ جاتا ہے اور پھر ان سے بہتر ہوتا ہے۔''

ان تقریروں سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انگلستان میں ہندوستانی مال کے بائیکاٹ کی تحریک کتنے زوروں پر ہوگی۔چونکہ یہ مال کمپنی کے ذریعے انگلستان پہنچتا تھا اس لیے ایسٹ انڈیا کمپنی کی مخالفت بھی بڑھ گئی۔انگلستان کے جولاہوں نے ایک مرتبہ تو کمپنی کے دفتر پر ہلہ بول دیا۔کپڑا بننے والی عورتوں نے پارلیمنٹ کو گھیر لیا۔آخر انگلستان کی پارلیمنٹ نے ۱۷۰۰ء میں ہندوستانی کپڑے کی برآمد بند کر دی۔اس

کے ساتھ ہی ہندوستانی کپڑے کے استعمال کو جرم قرار دے دیا۔ یہ قانون اس وقت تک جاری رہا جب تک کہ ہندوستان کی تجارت اور صنعت تباہ نہ ہوگئی۔ جب ہندوستان برآمد کے قابل نہ رہا تو انگلستان میں ہندوستانی کپڑے کی درآمد سے پابندیاں ہٹالی گئیں۔لیکن اس پر اتنا محصول لگایا جاتا کہ اس کے فروخت ہونا محال ہوجاتا۔

پارلیمنٹ کے اس امتناعی حکم کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان سے مصنوعات برآمد کرنے کی جگہ یہاں سے خام پیداوار لے جانی شروع کردی اور اس نے اپنے سرمایہ کو انگلستان میں صرف کرنا شروع کردیا۔اس کے ساتھ ہی ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان میں انگریزی مال کی کھپت شروع کردی۔

وہ سرمایہ جو ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان کی تجارت سے پیدا کیا تھا انگلستان مین صنعتی انقلاب کا سبب بنا۔سر ولیم ڈگبی کے الفاظ ہیں''انگلستان کو صنعتی اقتدار صرف اسی وجہ سے ہوا کہ اسے بنگال اور کرناٹک کے خزانے استعمال کرنے کا موقع مل گیا۔ورنہ اس سے پہلے ہمارے ملک کی صنعت زوال پذیر تھی۔لنکا شائر میں کاتنے اور بننے کا کام صفر کے برابر تھا۔۔۔۔ہندوستان کی دولت کا انگلستان میں آنا اور اس کا صنعتی ملک بن جانا کوئی اتفاقی امر نہیں۔بلکہ ان دونوں میں علت اور معلول کا تعلق ہے۔'' پلاسی کی جنگ کے بعد مرشد آباد سے آٹھ لاکھ پونڈ کی رقم کلکتہ بھیجی گئی۔ چنانچہ کلکتہ میں ترقی ہونی شروع ہوئی۔جنگِ پلاسی کے بعد کپڑا بننے کی کلوں کے لیے ایجادات ہونے لگیں۔ یہاں تک ۱۷۵۸ء میں انگلستان میں کپڑا بننے کی مشین مکمل ہوگئی۔اگر ۱۷۵۰ء کے معاشی اور تجارتی انگلستان کا ۱۷۹۰ء کے انگلستان سے مقابلہ کیا جائے تو انگلستان پر جنگِ پلاسی کے اثرات کا پتہ چل جاتا ہے۔

# مہاراشٹر

مہاراشٹر مرہٹوں کا ملک ہے۔شمال میں ست پڑا کی پہاڑیوں سے اس کا آغاز ہوتا ہے مغرب میں سمندر ہے۔اس ملک کی سب سے بڑی طبعی خصوصیت اس کا پہاڑی ہونا ہے۔ساحل سمندر سے تیس یا چالیس میل کے فاصلے پر ان پہاڑیوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جنہیں ہندوستان کے جغرافیہ میں مغربی گھاٹ کا نام دیا گیا ہے۔فوجی زاویہ نگاہ سے یہ ملک دنیا کے مضبوط ترین ملکوں میں سے ہے۔ ہندوستان کی تاریخ میں مرہٹے ایک علیٰحدہ قوم کی حیثیت سے پندرھویں صدی کے اختتام پر دکھائی دیتے ہیں۔اس سے پہلے ہندوستان کے مؤرخوں نے ان کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔لفظ مرہٹہ سب سے پہلے فرشتہ نے استعمال کیا۔سولہویں صدی کے وسط میں بیجاپور کے بادشاہ نے اپنی حکومت کے شعبۂ مال کی زبان فارسی کی جگہ مرہٹی کردی۔اسی بادشاہ نے اپنی فوج کی از سرِنو تنظیم کی۔اس نے بہت سے غیر ملکی سپاہیوں کی نکال کر ان کی جگہ مرہٹوں کی اپنی فوج میں بھرتی کیا۔ابتداء میں ان مرہٹہ سپاہیوں سے بہت معمولی کام لیے جاتے تھے۔لیکن بعد میں معلوم ہوا کے مرہٹے ہلکے توپ خانوں کے لیے بہت مفید ہیں۔ چنانچہ ان کی

خدمات کوتوپ خانوں کے لیے حاصل کیا گیا۔ بیجاپوراور احمدنگر کے توپ خانوں میں اس کی تعداد کافی ہو گئی۔ گولکنڈہ کی فوج مین بھی مرہٹوں کوجگہ دی گئی۔ان مرہٹہ سپاہیوں نے بہت جلد ترقی کر لی۔ان میں سے کئی ایک کو جرنیلوں کے عہدے دیے گئے۔انہیں دکن کے بادشاہوں کی طرف سے بڑی بڑی جاگیریں بھی دی گئی۔مہاراشٹر کے یہ فوجی سردار بہت تھوڑی مدت میں اپنی فوج میدان میں لا سکتے تھے۔ان سرداروں کو دربار کی طرف سے راجہ، نائک اور راؤ کے خطاب دئے گئے۔ان خطابوں کا بڑا احترام کیا جاتا۔راج پوتوں کی طرح مرہٹے شروع سے ہی ایک فوجی قوم نہیں تھے اور نہ ہی ان میں راج پوتوں کی شجاعت اور بہادری تھی۔ وجاہت اور مردانہ حسن میں بھی راجپوت ان سے بڑھ کر تھے۔کہا جاتا ہے کہ مرہٹوں ک ابتدائی وطن خاندیش تھا۔لیکن بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مرہٹے ایران کے مغربی حصہ سے ہجرت کر کے مہاراشٹر میں آباد ہوئے۔ایک قوم ہونے کے باوجود مرہٹوں میں قبائیلی لڑائیاں ہو تی رہتی تھیں۔ان میں وطنیت اور نسل کا کوئی تعصب نہیں تھا۔وہ دکن کے مختلف حکمرانوں کے فوج میں بھرتی ہوکر بڑی بہادری سے اپنوں ہی کہ خلاف لڑتے تھے۔

مرہٹے پست قامت اور مضبوط ہیں۔وہ بہت زیادہ جفاکش ومحنتی ہیں۔جہاں راجپوت ایک باوقار مخالف ہے وہاں مرہٹہ ایک شدید دشمن ہے۔پنجابیوں کی طرح مرہٹوں کی وفاداری بھی مانی ہوئی بات ہے۔

مہاراشٹر کوسب سے پہلے سیواجی نے گمنامی سے نکالا۔سیواجی کا باپ شاہ جی بھونسلہ احمدنگر کے بادشاہ نظام شاہ کے ہاں بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہا۔ملک عنبر کی فوج میں اسے دہ ہزاری کا عہدہ حاصل تھا۔احمدنگر کی زوال پذیر بادشاہت میں شاہ جی کے باپ مالوجی نے بہت زیادہ رسوخ حاصل کر لیا۔بادشاہ کی طرف سے اسے راجہ کا خطاب دیا گیا۔شاہ کی طرف سے اسے بہت سی جاگیریں بھی دی گئیں۔اسے دوقلعوں کے حفاظت کی لیے بھی مقرر کیا گیا تھا۔مالوجی کی موت کے بعد شاہ جی نے دربار احمدنگر سے تعلق قائم کیا۔دکن کی بہت سی لڑائیوں میں شاہ جی نے احمدنگراور بیجاپور کا ساتھ دیا۔ان خدمات کے صلہ میں اسے میسور میں بہت بڑی جاگیر دی گئی۔سیواجی ۱۶۲۷ء میں پیدا ہوا۔اس کے والد نے اس کی تعلیم کی لیے بڑے بڑے پنڈت مقرر کیے لیکن اکبر کی طرح سیواجی اپنا نام تک لکھنا نہ سیکھ سکا۔اس کے برعکس اس نے فنِ حرب میں مکمل اور پوری تعلیم حاصل کی۔سولہ سال کی عمر میں ہی اس نے اپنے ساتھیوں

سے مہاراشٹر میں آزاد حکومت قائم کرنے کے مشورے شروع کر دیے تھے۔ سیواجی نے مہاراشٹر کے تمام پہاڑی راستوں سے واقفیت حاصل کر لی۔

بیجاپور کے حکمران نے مہاراشٹر کے پہاڑی قلعوں کو مضبوط کرنے کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی تھی۔ اس زمانہ میں ان قلعوں کی بالکل نظر انداز کر دیا گیا۔ سیواجی نے کسی نہ کسی طرح ان قلعوں میں سے ایک پر قبضہ کر لیا۔ یہ تورنہ کا قلعہ تھا۔ یہ قلعہ پونا سے بیس میل مغرب میں تھا۔ سیواجی کے اس اقدام کے خلاف دربار میں شکایت کی گئی۔ لیکن سیواجی نے شکایت کرنے والوں کو خاموش کر دیا۔ سیواجی نے اس قلعے میں مرہٹوں کا حفاظتی دستہ مقرر کرنے کے بعد اسے مضبوط کرنا شروع کر دیا۔ اس قلعہ کی کھدائی کے دوران سیواجی کے قبضہ میں ایک دفینہ آ گیا۔ اس دولت سے اس نے بہت سا سامانِ جنگ خرید لیا۔ اسی دولت سے اس نے رائے گڈھ کے قلعے کو مضبوط کر لیا۔ شاہ جی کی جاگیر کا چونکہ مالیہ ادا کیا جاتا تھا اس لیے اس نے اپنے بیٹے، سیواجی کو کرناٹک سے لکھا کہ وہ کیوں مالیہ ادا نہیں کرتا۔ اس پر سیواجی نے اپنے باپ کو لکھا کہ اس غریب ملک کے اخراجات اتنے بڑھ گئے ہیں کہ اب آپ کی کرناٹک کی جاگیر کی آمدن پر ہی گزارا کرنا پڑے گا۔ سیواجی نے اپنے باپ کی جاگیر کے دو قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ اب سیواجی بیجاپور کی شاہی فوجوں سے لڑ کر طالع آزمائی کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے فوج تیار کر لی۔ سیواجی نے ان سپاہیوں کی مدد سے ایک شاہی خزانہ لوٹ لیا۔ زاں بعد اس نے مغربی گھاٹ کے پانچ قلعوں پر بڑی تیزی نے قبضہ کر لیا۔ بیجاپور کے بادشاہ کو شبہ ہوا کہ سیواجی کا اقدام شاہ جی کے اشاروں پر ہو رہا ہے۔ شاہ جی کو گرفتار کر لیا۔ اپنے باپ کی رہائی کے لیے سیواجی نے شاہ جہاں سے خط و کتابت کی۔ چونکہ سیواجی نے شہنشاہ کی رعایا پر ہاتھ نہیں اٹھایا تھا۔ اس لیے شہنشاہ نے مداخلت کر کے اسے رہا کرا دیا۔ باپ کی رہائی کے بعد سیواجی نے پھر اپنی سرگرمیوں کو شروع کیا۔ اس نے راجہ چندر راؤ کے دربار میں قاتلوں کو قاصدوں کی صورت مین بھیجا۔ راجہ پر یہ ظاہر کیا کہ یہ قاصد تمہاری لڑکی سے میری شادی کے متعلق بات کریں گے۔ ان قاصدوں نے راجہ چندر راؤ کو قتل کر دیا۔ کئی ایک دوسرے قلعوں پر قبضہ کرنے کے بعد ۱۶۵۶ء میں سیواجی نے شام راج نیت کو پیشوا کا خطاب دے کر اپنا وزیر اعظم مقرر کیا۔ اب اس نے مغلوں کے علاقے پر بھی چھاپے مارنے شروع کیے۔ لیکن مغل شہنشاہ کی پالیسی یہ تھی کہ بیجاپور کے خلاف زیادہ سے زیادہ دباؤ ڈالا جائے۔ چنانچہ شہنشاہ نے سیواجی کو اس کے مفتوحہ علاقے کا حکمران تسلیم کر لیا۔ اب اس نے بیجاپور کے علاقہ پر

زیادہ شدت سے حملے شروع کر دیے۔

افضل خاں کا قتل، اس کی فوج میں تباہی، قلعوں پر قبضہ اور مرہٹہ فوج کے بیجا پور کے دروازں تک پہنچ جانے سے سیوا جی کے علاقے پر دو طرفہ حملہ کیا گیا لیکن پھر بھی بیجا پور کو کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ آخر ۱۶۶۱ء میں بیجا پور کا بادشاہ سیوا جی سے لڑنے کے لیے خود میدان میں اترا۔ اس مرتبہ سیوا جی کے لیے بادشاہ کا مقابلہ دشوار تھا۔ لیکن کرناٹک کی بغاوت فرو کرنے کے لیے بادشاہ کی وہاں جانا پڑا۔ بیجا پور کے بادشاہ نے باجی گھور پورے کو اس مہم کا انچارج بنایا۔ سیوا جی کو ان تبدیلیوں کا پتہ چل گیا۔ چنانچہ اس نے موقع پر باجی گلور رائے اور اس کے افرادِ خاندان کو قتل کرنے کے بعد ان کا سارا سامان لوٹ لیا۔ دو سال تک سیوا جی مفتوحہ علاقے کے نظم و نسق میں مصروف رہا۔ شاہ جی کی کوششوں سے سیوا جی اور بیجا پور کے بادشاہ میں صلح ہو گئی۔ اس وقت تک سیوا جی نے جو علاقہ فتح کیا تھا وہ دو سو پچاس میل لمبا اور ایک سو پچاس میل چوڑا تھا۔

یہ صلح ان دنوں ہیں ہوئی جب شہنشاہ اورنگ زیب صحت کی بحالی کے لیے کشمیر جا رہا تھا۔ سیوا جی اور بیجا پور کی صلح کا یہ نتیجہ نکلا کہ سیوا جی نے مغلوں کے علاقے پر حملے شروع کر دیے۔ جرز کے قریبی قلعوں میں سیوا جی نے قبضہ کر لیا۔ مرہٹہ سپاہی اورنگ آباد کی دیواروں تک بڑھ آئے۔ اورنگ زیب نے شائستہ خاں کو دکن کے حالات پر قابو پانے کے لیے بھیجا۔ وہ اورنگ آباد سے اپنی فوج لے کر نکلا۔ مرہٹہ فوج اس کے حملوں کی تاب نہ لا کر پیچھے ہٹتی گئی۔ شائستہ خاں نے پرنہ پر قبضہ کر لیا۔ لیکن سیوا جی فوجی چال سے شائستہ خاں کو حراساں کرنا چاہتا تھا۔ شائستہ خاں اسی مکاں میں مقیم تھا جہاں سیوا جی پیدا ہوا تھا۔ سیوا جی اور اس کے ساتھی رات کو تاریکی میں اس مکان میں داخل ہوئے۔ شائستہ خاں نے بڑی مشکل سے اپنی جان بچائی۔ اگلے دن مرہٹہ سواروں نے مغلوں کو شکست دے کر ان کا تعاقب کیا۔ شائستہ خاں کو شبہ ہوا کہ مغل فوج میں سیوا جی کے جاسوس ہیں۔ چنانچہ اس نے جسونت سنگھ پر شک کرتے ہوئے شہنشاہ کو ایک عرضداشت بھیجی۔ یہ عرض داشت شہنشاہ کو اس وقت پہنچی جب وہ کشمیر کے لیے روانہ ہو رہا تھا۔ شہنشاہ نے دونوں سرداروں کو واپس بلایا اور اپنے بیٹے معظم کو دکن کا وائسرائے بنا کر بھیجا۔ زاں بعد شہنشاہ نے جسونت سنگھ کو دکن کا نائب حاکم بنا کر بھیج دیا اور شائستہ خاں کے سپرد بنگال کی حکومت کر دی۔

تاپتی کے کنارے، سورت ہندوستان کی ایک پرانی بندرگاہ ہے۔ ۱۵۳۰ء میں پرتگیزوں نے اس

بندر گاہ کو لوٹا تھا۔۱۶۱۲ء میں جہانگیر نے انگریزوں کو سورت میں فیکٹری قائم کرنے کی اجازت دی تھی۔سورت کی دولت کے افسانے سیوا جی کے کانوں میں پہنچ گئے۔چنانچہ۱۶۶۴ء میں سیوا جی چار ہزر مرہٹہ سواروں کو لے کر سورت کی طرف بڑھا۔وہ انگریزی اور ولندیزی فیکٹریوں پر قبضہ نہ کر سکا۔تاہم اور کے سپاہیوں نے سات دن تک سورت کو خوب لوٹا۔سورت کی دولت کو سیوا جی نے اپنے قلعہ رائے گڈھ میں پہنچا دیا۔واپسی پر اسے اپنے باپ کی موت کو اطلاع ملی۔اب سیوا جی نے اپنے لیے راجہ کا لقب اختیار کر لیا۔سیوا جی نے ایک مضبوط بیڑا بنا کر مغلوں کے جہازوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔اس پر اورنگ زیب نے مغل فوج کو مرزا جے سنگھ اور دلیر خاں کی کمان میں سیوا جی سے لڑنے کے لیے بھیجا۔اس مرتبہ سیوا جی نے مغل فوج سے لڑنے کی بجائے مرزا جے سنگھ کی معرفت سے مغل فوج میں شامل ہونے کی درخواست کی۔شہنشاہ نے سیوا جی کو دربار میں طلب کیا۔سیوا جی ۱۶۶۶ء میں اپنے بیٹے سنبھا جی کو لے کر دربارِ شاہی کی طرف روانہ ہوا۔جب سیوا جی شہنشاہ کی خدمت میں نذرانہ پیش کیا تو شہنشاہ نے اس کی طرف زیادہ توجہ نہ کی اور اسے ایک معمولی سا فوجی عہدہ پیش کیا۔اس پر سیوا جی دربار سے باہر چلا آیا۔شہنشاہ کے حکم سے اسے نظر بند کر دیا گیا۔لیکن سیوا جی نظر بندی سے بھاگ نکلا۔متھرا پہنچ کر اس کے ساتھی اسے مل گئے۔اب اس نے بھیس بدل کر دکن کا سفر شروع کیا۔سیوا جی نو مہینوں کی مصیبتوں کے بعد دکن پہنچا۔

سیوا جی نے اپنی سرگرمیوں کو تیز کر دیا۔شہنشاہ نے چالیس ہزار فوج کو یہ حکم بھیجا کہ وہ سیوا جی کو گرفتار کر لائے۔اس فوج کا کماندار مہابت خاں تھا۔مرہٹوں نے بیس ہزار سپاہیوں کو ہلاک کر دیا اور پہلی مرتبہ با قاعدہ جنگ میں مغلوں کی شکست دی۔اسی اثناء میں افغانوں اور ست نامیوں نے بغاوت کر دی۔افغانوں نے مغلوں کو شکست دی۔ست نامیوں کی بغاوت کو شہنشاہ نے فرو کر دیا۔اس بغاوت کا اورنگ زیب کے ذہن پر کچھ ایسا اثر پڑا جسے وہ عمر بھر زائل نہ کر سکا۔اس کی نئی پالیسی سے راجپوت بھی ناراض ہو گئے۔دکن میں ہر غیر مسلم نے سیوا جی کو اپنا نجات دہندہ تسلیم کر لیا تھا۔راجپوتانہ کا مغربی حصہ شہنشاہ کا مخالف ہو گیا۔اورنگ زیب راجپوتوں سے لڑنے کے لیے خود میدان میں نکلا۔اس نے دکن ،بنگال اور گجرات سے فوجیں بلا لیں۔شہزادہ معظم اور شہزادہ اکبر بھی شہنشاہ کے ساتھ تھے۔ان لڑائیوں میں راجپوتوں اور مغلوں کی دوستی قصۂ پارینہ بن کر رہ گئی۔اسی اثناء میں سیوا جی نے اپنی فتوحات کو جاری

رکھا۔اس نے کئی ایک نئی بندرگاہوں اور قلعوں پر قبضہ کرلیا۔۱۶۸۰ء میں سیوا جی کی موت کے بعد اس کا بیٹا سنبھا جی اس کا جانشین ہوا۔شہزادہ اکبر نے راجپوتوں کے ساتھ مل کر اورنگ زیب کے خلاف بغاوت کی۔بغاوت میں ناکام ہونے کے بعد وہ سنبھا جی کے پاس پہنچا۔لیکن سنبھا جی نے شہزادہ اکبر کی مدد کرنے سے انکار کر دیا۔دکن کے معاملات پر قابو پانے کے لیے اورنگ زیب وہاں روانہ ہوا۔گولکنڈہ ،بیجاپور اور مرہٹوں کے خلاف لڑنے میں اس نے زندگی کے باقی ایام دکن میں صرف کر دیے۔گولکنڈہ اور بیجاپور کو اس نے آسانی سے فتح کرلیا۔بیجاپور اور گولکنڈہ کی فوجوں کے سپاہی سنبھا جی کی فوج میں شامل ہوگئے۔بعض نے ٹولیاں بنا کر لوٹ مار شروع کر دی۔مغل سپاہیوں کے ایک دستہ نے سنبھا جی کو گرفتار کر لیا۔شہنشاہ کے حکم سے اسے قتل کر دیا گیا۔اب مہاراشٹر کے تخت پر اس کا بیٹا ساہو بیٹھا۔راجہ رام اس کا اتالیق مقرر ہوا۔لیکن بہت جلد شہزادہ اور اتالیق کو جان بچا کر ستارہ بھاگنا پڑا۔اورنگ زیب نے ستارہ پر بھی قبضہ کرلیا۔آئندہ پانچ سال تک اورنگ زیب نے مرہٹوں سے تمام اہم قلعوں کو واپس لے لیا۔شمال میں راجپوتوں اور جاٹوں نے بغاوتیں کر رکھی تھیں۔اورنگ زیب نے مغل فوج کے بہت بڑے حصہ کو شمالی ہندوستان کی طرف روانہ کیا۔اس فوج کو روانگی کے فوراً بعد مرہٹوں نے دکن ، مالوہ اور گجرات میں لوٹ مچال دی۔وہ شہروں کو لوٹتے۔کھیتوں کو جلاتے ،تباہ شدہ بستیوں کا دھواں مرہٹی راہگزار کا پتہ دیتا تھا۔

۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب نے احمد نگر میں وفات پائی۔اورنگ زیب نے اگرچہ سلطان معظم کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا، تاہم شہزادہ اعظم بھی تخت کا وارث بن کے میدان میں نکل آیا۔آگرہ کے جنوب میں جنگِ تخت نشینی کا فیصلہ سلطان معظم کے حق میں ہوا۔اعظم اور اس کے بیٹے لڑائی میں مارے گئے۔سلطان معظم نے اپنے مقتول بھائی کے رشتہ داروں سے بہت اچھا سلوک کیا۔اس نے بہادر شاہ کا لقب اختیار کیا۔چند راجپوت راجوں نے شہنشاہ کے خلاف ایک محاذ قائم کیا۔چنانچہ بہادر شاہ راجپوتانہ کی طرف روانہ ہوا۔دورانِ سفر اسے معلوم ہوا کے سکھوں نے سرہند پر قبضہ کرلیا ہے۔بہادر شاہ نے سکھوں کے لیڈر بندہ کو پہاڑیوں کی طرف بھگا دیا۔۱۷۱۲ء میں بہادر شاہ نے لاہور میں وفات پائی۔

جہاندار شاہ نے تخت پر بیٹھتے ہی تمام شہزادوں کو قتل کرا دیا۔صرف فرخ سیر بچ نکلا۔جہاندار شاہ نے تخت کے تمام بڑے بڑے عہدوں پر اپنی بیوی کے رشتہ داروں کی فائز کیا۔سید حسین اور سید عبداللہ فرخ سیر کے حامیوں میں سے تھے۔اس نے ان سے امداد طلب کی۔سید بھائیوں نے اس شہزادہ کی ، جو اس

وقت بنگال کا حکمران تھا، مدد کی۔شاہی فوجوں کوفرخ سیر اور سید بھائیوں نے شکست دے دی۔ جہاندار قید ہوااور قتل کر دیا گیا۔فرخ سیر اپنی کامیابی کے عناصر کوخوب جانتا تھا۔ چنانچہ اس نے سید عبداللہ کو وزیر اور سید حسین کو امیر الامراء مقرر کیا۔لیکن بہت جلد فرخ سیر نے سید بھائیوں کے قبضہ نے نکلنے کو کوشش کی۔ بندہ بہادر اب پہاڑوں سے میدانوں میں اتر آیا تھا۔اس نے شاہی فوج کو شکست دینے کے بعد لوٹ مار شروع کر دی۔مغل فوج کو کمک پہنچ جانے کے بعد بندہ بہادر کو شکست ہوئی اور اسے گرفتار کر لیا گیا۔دربارِ دہلی کے حالت بدل رہے تھے۔سید حسین اور سید عبداللہ دونوں دہلی کی طرف روانہ ہوئے۔فرخ سیر کو گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا۔ چند مہینوں میں سید بھائیوں نے دو شہزادوں کو تخت پر بٹھایا۔اب یہ سید بھائی 'شاہ گر' بن چکے تھے۔ان کے لیے کسی تیموری شہزادے کی تخت پر بٹھانا آسان ترین کام تھا۔آخر ان شاہ گروں نے ۱۷۱۹ء میں روشن اختر کو تخت پر بٹھایا۔اس نے محمد شاہ کا لقب اختیا رکیا۔محمد شاہ نے سید بھائیوں کے اقتدار سے رہائی حاصل کرنے کے لیے نہایت دانشمندانہ قدم اٹھایا۔سید بھائی اس کے ارادوں سے بے خبر رہے۔ یہاں تک کے سید حسین کو قتل کر دیا گیا۔سید عبداللہ نے اپنے بھائی کے قتل کا بدلا لینے کے لیے دہلی کا رخ کیا۔آگرہ اور دہلی کے درمیان لڑائی ہوئی جس میں سید عبداللہ کو شکست ہوئی۔اس فتح کے بعد بھی محمد شاہ کی پوزیشن مضبوط نہ ہو سکی۔ملک میں بدستور بدامنی اور لوٹ مار جاری تھی۔

اس زمانہ میں مرہٹوں کی طاقت میں اضافہ ہو رہا تھا بالا جی وشوانا تھ کے تدبر سے ۱۷۲۰ء میں مرہٹوں اور مغلوں کے درمیان ایک معاہدہ ہوا جس کی رو سے سمبھا کے مقابلے پر ساہو کو مرہٹوں کا راجہ تسلیم کر لیا گیا۔ بالا جی وشوانا تھ کے بعد اس کا بیٹا باجی راؤ پیشوا بنا۔ باجی راؤ کی پیشوائی میں سمبھا نے مالوہ کو لوٹا اور محمد شاہ سے اس علاقہ میں چوتھ اور سرویش مکھی وصول کرنے کا فرمان حاصل کیا۔پیشوا نے زاں بعد آصف جاہ سے ایک معاہدہ کیا۔اس معاہدے کے بعد پیشوا نے ۱۷۳۴ء میں مالوہ پر قبضہ کر لیا۔مالوہ پر قبضہ کرنے کے بعد اس نے اپنی فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا۔اب باجی راؤ نے محمد شاہ سے متھرا، الٰہ آباد اور بنارس کے شہروں کا مطالبہ کیا۔شہنشاہ اگر چہ بہت کمزور ہو چکا تھا، تاہم اس نے کمزوری کے عالم میں بھی باجی راؤ کے اس مطالبہ کو ماننے سے انکار کر دیا۔ باجی راؤ کے اس مطالبہ نے آصف جاہ کو ہراساں کر دیا۔اب آصف جاہ کو احساس ہوا کہ کمزور شہنشاہ اس کے مفاد کے منافی ہے۔لہٰذا اس نے شہنشاہ کی قوت

بڑھانے کے لیے اپنی کارروائیاں شروع کر دیں۔ باجی راؤ بھی ان تدبیروں سے باخبر تھا۔ وہ جمنا کے جنوبی علاقہ میں لوٹ مار مچا رہا تھا کہ سعادت خاں نے اسے شکشت دی۔ باجی راؤ نے فوجی چال سے سعادت خاں کو دھوکہ دیتے ہوئے دہلی کا رخ کیا۔ اب مرہٹہ فوجیں دہلی کے دروازوں پر پہنچ چکی تھیں۔ لیکن باجی راؤ نے دہلی میں داخل ہونے کی بجائے دکن کا رخ کیا۔ جب وہ دکن جا رہا تھا تو مغل فوج نے اس پر حملہ کیا لیکن باجی راؤ نے اسے شکست دے دی۔ اسی اثناء میں آصف جاہ کی فوج بھی دہلی کو حفاظت کے لیے پہنچ گئی۔ محمد شاہ نے آصف جاہ کو مالوہ اور گجرات کے صوبوں کا بھی گورنر مقرر کر دیا۔ آصف جاہ مرہٹوں سے لڑنے کے لیے روانہ ہوا لیکن باجی راؤ نے اسے شکست دے دی۔ اس پر آصف جاہ اور باجی راؤ میں ایک معاہدہ ہوا۔ اس معاہدے کی رو سے نربدا اور چنبل کا درمیانی علاقہ باجی راؤ کے سپرد کر دیا گیا لیکن دہلی کو اب باجی راؤ کے معاہدہ سے کہیں زیادہ اہم مسئلہ کا سامنا تھا۔

**نادر شاہ**

روم کے بانیوں کی طرح نادر شاہ بھی ایک گڈریا تھا۔ نادر شاہ نے ایران کو متحد اور منظّم کرنے کے لیے کارہائے نمایاں کئے۔ اس زمانہ میں ایران پر افغانوں کا بہت زیادہ اقتدار تھا۔ افغان ہی ایران کے شاہ کو مقرر کرتے تھے۔ نادر شاہ نے فوج جمع کرنی شروع کی۔ اس نے ایرانیوں سے جس انداز میں اپیل کی وہ نہایت مؤثر تھی۔ چنانچہ اس کی فوج میں اضافہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ اس نے ۱۷۲۹ء میں افغانوں کو شکست دی اور اصفہان پر قبضہ کر لیا۔ ایران کا بادشاہ، اشرف جسے افغانوں نے تختِ اصفہان پر بٹھایا تھا افغانستان کی طرف بھاگ نکلا۔ قندھار میں ایک بلوچی سردار نے اسے قتل کر دیا۔ افغانوں کو ایران سے نکالنے کے بعد اس نے ترکوں کی طرف توجہ دی۔ خاندانِ صفوی کے کمزور ہو جانے کے بعد ترکوں نے مغربی ایران کے کئی علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا، نادر شاہ نے ترکوں سے تبریز واپس لے لیا۔ ۱۷۳۶ء میں اس نے ایران میں نمائندہ حیثیت رکھنے والوں کو ایک اجلاس میں طلب کیا۔ اس اجلاس میں نادر نے اپنے بادشاہ ہونے کا اعلان کیا۔ دو سال بعد نادر نے قندھار پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بیٹے رضا قلی مرزا نے بلخ فتح کیا۔ نادر شاہ کے عروج کے بعد بہت سے ایرانی امراء ہندوستان میں چلے آئے تھے۔ نادر شاہ نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ کابل اور پشاور کے درمیان اس کی کوئی مداخلت نہ کی گئی۔ کرنال تک اس کی فوجیں بغیر لڑائی کئے پہنچ گئیں۔ یہاں پہنچ کر اسے محمد شاہ کی فوجوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ایرانیوں نے مغلوں پر فتح

پائی۔ نادرشاہ دہلی کی طرف بڑھا۔اس کا مقصد منقولہ جائیداد پر قبضہ کرنا تھا۔وہ غیر منقولہ وسیع جائیداد پر قبضہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔دہلی پر ایرانیوں کا قبضہ ہو چکا تھا،لیکن نادرشاہ کا حکم تھا کہ کوئی ایرانی سپاہی کسی دہلوی سپاہی کو کوئی گزند نہ پہنچائے۔دو چار روز بعد دہلی پر نادرشاہ کے قتل کر دیے جانے کی خبر پھیل گئی۔اس پر دہلی والوں نے ایران کے منتشر سپاہیوں کو قتل کر دیا۔اگلے دن نادرشاہ گھوڑے پر سوار ہو کر دہلی کے بازاروں میں نکلا تا کہ اسے دیکھ کر شورش تھم جائے۔وہ دہلی کے بازاروں میں گھوم رہا تھا کہ اس پر گولی چلائی گئی۔اس پر نادرشاہ غصہ میں آ گیا۔اس نے ایرانی سپاہیوں کو لوٹ مار کا حکم دے دیا۔بچے، بوڑھے اور جوان بلا امتیاز موت کے گھاٹ اتارے گئے۔شہر میں آگ لگا دی گئی۔بارہ گھنٹے قتلِ عام ہوتا رہا۔جب نادرشاہ نے ایرانی فوج کے نام امتناعی حکم جاری کیا تو پندرہ منٹ ایک ایرانی سپاہی بھی شہر میں نہ رہا۔چونکہ دہلی کے قتل عام میں بیس ہزار سپاہی حصہ لے رہے تھے اس لیے قتل ہونے والوں کی تعداد یقیناً بہت زیادہ ہوگی۔تختِ طاؤس کے علاوہ چالیس کروڑ روپیہ نادرشاہ کے قبضہ میں آیا۔نادرشاہ اٹھاون دن دہلی میں رہا۔اس نے ہندوستان کے مختلف صوبوں کے حکمرانوں کو فرمان کے ذریعے آگاہ کیا کہ وہ محمد شاہ کے خلاف بغاوت نہ کریں۔جب تک نادرشاہ دہلی میں رہا مرہٹوں نے محمد شاہ کے خلاف کسی سرگرمی کا اظہار نہ کیا اور نہ ہی باجی راؤ نے محمد شاہ سے اس معاہدہ کی تصدیق کے لیے کہا جو اس کے آصف جاہ کے درمیان ہوا تھا۔بلکہ اس نے محمد شاہ لکھا کہ ''ہمارے خانگی جھگڑے بالکل معمولی ہیں۔اس وقت ہندوستان میں صرف ایک ہی دشمن ہے۔اس موقع پر ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک ہو جانا چاہیے۔''لیکن جب نادرشاہ ہندوستان سے چلا گیا تو اس نے پھر معاہدہ کو تصدیق پر زور دیا۔اب کے اس نے دکن پر یلغار کی مگر آصف جاہ نے اسے شکست دے دی۔اس شکست کے بعد وہ ۱۷۴۰ء میں مر گیا۔اس کی موت کے بعد اس کا بیٹا بالا جی پیشوا بنا۔اس نے سب سے پہلے مالیات درست کیا۔مرہٹوں کے خانگی مسائل بہت زیادہ پیچیدہ ہو رہے تھے۔چنانچہ بالا جی دکن میں مرہٹوں کی سلطنت کو وسیع کرنے کے منصوبوں میں ناکام رہا۔آصف جاہ نظام الملک کی وفات کے بعد اس کے بیٹوں غازی الدین اور صلابت جنگ میں لڑائی ہوئی۔غازی الدین نے بالا جی سے امداد طلب کی۔بالا جی اپنی فوج لے کر نظام کے علاقہ میں داخل ہو چکا تھا کہ اسے مرہٹہ سرداروں کی اس سازش کا پتہ چلا جس کی رو سے بالا جی کے اقتدار کو ختم کیا جا رہا تھا۔چنانچہ اسے مجبور ہو کر واپس لوٹنا پڑا۔جب بالا جی واپس ہوا تو تارا بائی نے اس کے خلاف بہت بڑی

سازش کی۔اس نے داما جی گائیکوار کو اپنی فوج سمیت ستارا آنے کی دعوت دی۔جب یہ فوج ستارا میں داخل ہوئی تو پیشوا اپنے ساتھیوں سمیت ارلہ میں پناہ گزین ہوا۔لیکن بہت جلد بالا جی نے اپنی فوج جمع کر کے داما جی کو شکست دے دی۔لیکن تارا بائی اپنے آپ پیشوا کے حوالے نہیں کرنا چاہتی تھی۔ایسی اثناء میں صلابت جنگ کی فوج فرانسیسی جرنیل بسی کی کمان میں مرہٹوں کے علاقوں پر قبضہ جما رہی تھی۔ صلابت جنگ اور تارا بائی میں خط و کتابت بھی ہو رہی تھی۔رگھو جی بھونسلہ نے صلابت جنگ کی فوجوں کو مہاراشٹر میں مصروف پا کر دکن پر حملہ کر دیا۔اب صلابت جنگ کو اپنی سلطنت میں واپس ہونا پڑا۔

ہندوستان سے واپس جانے کے آٹھ سال بعد نادر شاہ قتل ہوا۔نادر شاہ کے قتل ہونے کے بعد اس کا جرنیل احمد شاہ ابدالی اپنی فوج سمیت افغانستان چلا گیا۔یہاں اس نے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا ۔افغانستان کے بہت سے قبیلوں نے اسے اپنا بادشاہ مان لیا۔چنانچہ احمد شاہ ابدالی نے بہت جلد کابل اور قندھار پر قبضہ کر لیا۔لاہور پر اس کا بہت زیادہ رسوخ دیکھ کر دہلی میں خطرے کا احساس ہوا۔چنانچہ مغل شہزادہ احمد اور احمد شاہ ابدالی میں سرہند کے قریب لڑائی ہوئی۔اس لڑائی میں دونوں فوجوں کو بہت زیادہ نقصان اٹھانا پڑا۔اسی اثناء میں شہزادہ احمد کے باپ محمد شاہ نے وفات پائی۔احمد شاہ نے سرہند کی لڑائی میں جو بہادری دکھائی تھی اس سے یہ خیال پیدا ہو گیا کہ شاید مغلوں کی حالت سنبھل گئی ہے۔لیکن شہزادے نے جلد اپنے آپ کو عیاشیوں میں مبتلا کر دیا۔پنجاب کے سردار میر منوں نے افغانوں کا مقابلہ کیا لیکن ناکام ہونے کے بعد اس نے لاہور اور ملتان کے صوبوں کو افغانوں کے حوالے کر دیا۔مغل سلطنت کی حالت بہت نازک ہو چکی تھی۔جا بجا آزاد حکمرانوں کے پیدا ہو جانے سے سلطنت بہت کمزور ہو چکی تھی۔ملتان اور لاہور پر احمد شاہ ابدالی کا قبضہ تھا۔مرہٹوں نے مغل سلطنت کے وسیع علاقوں پر قبضہ کر رکھا تھا۔دکن ایک آزاد ملک بن چکا تھا۔

غازی الدین (نواب وزیر) نے لاہور کے قلعہ میں داخل ہو کر میر منوں کے بیوہ کا زر و مال لوٹ لیا۔اس پر احمد شاہ ابدلی بہت غصہ میں آیا۔اس نے لاہور کے قلعہ سے اس حفاظتی دستہ کو نکال دیا جسے غازی الدین مقرر کر گیا تھا۔لاہور کے بعد احمد شاہ ابدالی دہلی پہنچا۔

دہلی میں نواب وزیر نے احمد شاہ سے معافی مانگی۔احمد شاہ نے اسے معاف کر دیا۔لیکن اس کے سپاہیوں نے دہلی میں قتلِ عام کیا۔شہر والوں کو لوٹا۔دہلی کے بعد اس نے آگرہ کی دیواروں تک جاٹوں

کے علاقہ کو تباہ کر دیا۔ بالا جی نے اگر چہ صلابت جنگ سے صلح کر لی تھی لیکن اس نے موقع پا کر صلابت جنگ کے بڑے بھائی غازی الدین سے بھی صلح کرنے میں پیش قدمی کی۔ بالا جی کا بھائی رکھو با ۱۷۵۵ء میں گجرات فتح کر چکا تھا۔ رگھوبا کی فوجیں دہلی کے دروازوں سے واپس ہو گئیں۔ جب ۱۷۵۷ء میں احمد شاہ ابدالی دہلی سے واپس ہوا تو اپنے بیٹے تیمور کو لاہور کا حاکم بنا گیا۔ اس حاکم کا وزیر جہاں خاں تھا۔ اس وزیر نے میر منوں کے مشیرِ خاص آدینہ خاں کو گرفتار کرنا چاہا۔ لیکن وہ پہاڑوں کی طرف بھاگ گیا۔ اسے باغی قرار دے کر اس کی گرفتاری کے لیے فوج بھیجی گئی۔ سکھوں کی مدد سے اس نے افغان فوج کو شکست دی۔ جب آدینہ خاں کو رگھوبا کی فتوحات کا علم ہوا تو اس نے رگھوبا سے امداد طلب کی۔ مرہٹوں نے سرہند کے حاکم کو شکست دی۔ مئی ۱۷۵۸ء میں مرہٹوں نے لاہور فتح کیا۔ آدینہ خان کو لاہور میں مرہٹوں کا وائسرائے مقرر کیا گیا۔ آدینہ خاں کی موت کے بعد ایک مرہٹہ اس کا جانشین مقرر کیا گیا۔ رگھوبا پنجاب سے چلا گیا۔ اسی اثناء میں مرہٹوں نے نجیب الدولہ اور شجاع الدولہ پر فتوحات حاصل کیں۔ روہیلوں کی مدد کے لیے احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان کا رخ کیا۔ لاہور کے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ مرہٹہ سپاہی قتل کر دیے گئے۔ احمد شاہ دہلی کی طرف بڑھا۔ مرہٹوں نے بھی حرکت کی پانی پت کے میدان میں دونوں فوجوں نے خیمے لگا دیے۔ افغان فوج میں ۴۴ ہزار سوار، ۳۸ ہزار پیادے اور ستر توپیں تھیں۔ مرہٹہ فوج پچپن ہزار سواروں، پانچ ہزار پیادوں اور دو سو توپوں پر مشتمل تھی۔ مرہٹوں کے توپ خانے کا افسرِ اعلیٰ ابراھیم گاردی تھا۔ دونوں فوجوں میں لڑائی شروع ہوئی۔ گوبند راؤ اپنے دس ہزار سپاہی لیکر احمد شاہ ابدالی کے ذرائع رسل ورسائل منقطع کرنے کے لیے افغان فوج کے عقب کی طرف بڑھا۔ لیکن افغانوں نے اس کو شکست دے دی۔ اس کا سر کاٹ کر ابدالی کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس واقعہ کے بعد مرہٹوں نے تین دفعہ ابدالی کی فوجوں پر حملہ کیا۔ ان حملوں کی شدت بہت زیادہ تھی۔ ابدالی چونکہ ایک تجربہ کار سردار تھا اس لیے اس نے فوراً مشتعل ہو کر جوابی حملے نہیں کیے۔ بلکہ وہ موقع کا منتظر رہا۔ اس نے مرہٹوں کو محصور کرنے کو کوشش کی۔ ایک رات مرہٹہ فوج کے چند ہزار نوکر چاکر ضروری اشیاء خریدنے کے لیے اپنے کیمپ نے نکل گئے۔ افغانوں نے ان کو گھیر کر قتل کر دیا۔ اس پر مرہٹہ سپاہیوں نے اپنے افسروں سے لڑائی کا فوری فیصلہ کرنے کا مطالبہ کیا۔ چنانچہ اگلی صبح افغانوں پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اسی رات پچھلی گھڑی میں احمد شاہ کو مرہٹوں کے ارادوں کا پتہ چلا۔ چنانچہ اس نے اپنی فوج کو اسی وقت تیار رہنے کا حکم دیا۔ اگلی صبح مرہٹوں

نے ابدالی کی فوج پر حملہ کر دیا۔اس حملے کا آغاز ابراہیم گاردی نے کیا۔اس نے اپنی توپوں کا رخ روہیلوں کی طرف کر دیا۔روہیلوں نے اس حملے کا مقابلہ کیا۔تین گھنٹوں میں گاردی کے تین بٹالین تباہ ہو گئے۔دوپہر تک مرہٹوں کی فتح کے آثار ظاہر ہونے لگے۔دونوں فوجیں آگے بڑھ رہی تھیں۔دست بدست لڑائی شروع ہوگئی۔نیاموں سے تلواریں نکل آئیں۔تین گھنٹوں کے بعد مرہٹہ فوج بھاگ نکلی۔افغانوں نے بیس میل تک ان کا تعاقب کیا۔اس لڑائی میں مرہٹوں کے بہت سے سردار مارے گئے۔اس شکست نے پیشوا کا دل توڑ دیا۔چنانچہ وہ چند ماہ بعد چل بسا۔مرہٹوں کی بچی کھچی فوج نربدا پار چلی گئی۔

وارن ہیسٹنگز

تاریخی نقطۂ نگاہ سے وارن ہیسٹنگز کا عہد برطانوی ہند کی تاریخ کا سب سے اہم باب ہے۔اسی زمانہ میں ہندوستان کی بڑی بڑی طاقتوں کا انگریزوں سے مقابلہ ہوا۔لاریب ہیسٹنگز کمپنی کو مملکت میں ایک انچ زمین کا اضافہ نہ کر سکا۔تاہم وہ اپنے مقصد میں کامیاب ضرور ہوا۔اس کا مقصد ہندوستان کی مختلف قوتوں کو کمزور اور منتشر کرنا تھا۔

بنگال اور بہار کے دیوانی حقوق حاصل کرنے کے بعد انگریز عملی طور پر ان صوبوں کے حکمران تھے۔میر قاسم کی حیثیت شاہی قیدی سے زیادہ نہ تھی۔کمپنی کے منظورِ نظر سیاہ وسپید کے مالک تھے۔مرشد آباد میں کمپنی کا وکیل محمد رضا خاں اور پٹنہ میں راجہ شتاب رائے تھا۔ان دونوں کا وجود کمپنی کے لیے بے حد مفید تھا۔لیکن کمپنی محسن کشی کی روایات کو ہمیشہ کے لیے زندہ رکھنا چاہتی تھی۔چنانچہ ہیسٹنگز نے کمپنی کے ان ہندوستانی وکیلوں سے نجات حاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔رضا خاں اور شتاب رائے قید ہو کر کلکتہ پہنچے۔ان پر مقدمہ چلایا گیا۔ایک سال کی عدالتی کارروائی کے بعد دونوں رہا ہو گئے۔ان کی رہائی عدل وانصاف کی مرہونِ منت نہ تھی۔بلکہ دولت کا ایک ادنیٰ کرشمہ تھی۔ہیسٹنگز نے ان مجرموں سے لاکھوں روپیہ وصول کر کے انہیں رہا کر دیا۔

ہیسٹنگز دو عملی کا اس لیے خاتمہ نہیں کرنا چاہتا تھا کہ اسے بنگال کی مصیبت زدہ رعایا سے ہمدردی تھی ، بلکہ وہ بنگال کو کمپنی کی آہنی گرفت میں دیکھنے کا خواہاں تھا۔اس کا مقصد بنگال کی دولت سے کمپنی کے حصہ داروں کو زیادہ سے زیادہ منافع بہم پہنچانا تھا۔ہیسٹنگز نے دیوانی اور فوج داری عدالتوں کے دفتر مرشد آباد سے کلکتہ منتقل کیے۔شاہی خزانہ بھی کلکتہ میں منتقل ہو گیا۔کلکتہ ہندوستان میں برطانوی مقبوضات کا مرکزی شہر بن گیا۔نواب کا سالانہ وظیفہ نصف کر دیا گیا۔ہیسٹنگز اپنی مملکت میں دیسی حکومت کے تمام آثار فنا کرنے کے بعد امورِ خارجہ کی طرف متوجہ ہوا۔

شاہ عالم الٰہ آباد سے دہلی چلا گیا۔ہیسٹنگز نے شہنشاہ کو اس نکل مکانی کو غنیمت تصور کرتے ہوئے نہ صرف شاہ عالم کو خراج دینے سے انکار کر دیا بلکہ الٰہ آباد اور کورا کے علاقے شاہ عالم سے چھین کر نواب وزیر کو چھبیس لاکھ روپیہ کے عوض دے دیے۔نیز روہیلوں کو تباہ و برباد کرنے کے لیے ہیسٹنگز نے نواب وزیر کو چالیس لاکھ روپیہ کے عوض عسکری معاونت کا وعدہ کیا۔

''تاریخِ عالم میں ایسی مثال ملنی مشکل ہے جس میں ایک

مہذب طاقت نے ایسی قوم کے خلاف جنگ میں حصہ لیا ہو جس
سے اسے کسی قسم کی دشمنی نہ ہو۔''

## روہیلے

روہیل کھنڈ ہمالیہ کے دامن اور اودھ کے شمال مغرب میں ایک زرخیز علاقہ ہے۔اس علاقہ کا رقبہ ۱۲ لاکھ مربہ میل اور آبادی ۶۰ لاکھ نفوس پر مشتمل تھی۔اس علاقہ پر روہیلوں کی حکومت تھی۔طرزِ حکومت قبائلی تھا۔ ہر قبیلہ کا سردار روہیل کھنڈ کا کوئی نہ کوئی حصہ اپنے قبضہ میں رکھتا تھا۔حافظ رحمت خان کو تمام سردار اپنا رہنما تسلیم کرتے تھے۔مدت سے مرہٹے روہیل کھنڈ اور اودھ کو تاک رہے تھے۔دو سال تک مرہٹوں، نواب وزیر اور روہیلوں میں سفارتی معاہدے ہوتے رہے۔آخر طے پایا کہ اگر مرہٹے روہیل کھنڈ پر حملہ کرتے ہیں تو نواب وزیر زور وزر سے روہیلوں کی مدد کرے گا۔روہیلے اس مدد کا معاوضہ چالیس لاکھ روپیہ کی صورت میں نواب وزیر کو ادا کریں گے۔۱۷۷۳ء میں مرہٹوں نے روہیل کھنڈ پر حملہ کیا لیکن مقابلہ میں نواب وزیر اور روہیلوں کی متحدہ قوت کو دیکھتے ہوئے لوٹ گئے۔نواب وزیر نے روپیہ کا مطالبہ کیا۔حافظ نے ادا کرنے پر آمادگی کا اظہار نہ کیا۔نواب وزیر نے ہیسٹنگز کو چالیس لاکھ روپیہ کے عوض برطانوی فوجوں کو روہیلوں کے خلاف صف آراء کرنے پر آمادہ کرلیا۔کمپنی کے حاکم اعلیٰ کا رضا مند ہونا یقینی تھا۔کمپنی کو روپیہ کی ضرورت تھی۔اور ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔جنوری ۱۷۷۴ء میں نواب وزیر نے فوجی مدد طلب کی۔اپریل ۱۷۷۴ء میں کمپنی اور نواب وزیر کی فوجوں نے روہیل کھنڈ پر حملہ کیا۔۲۳ اپریل کو میراں پور کی جنگ میں حافظ کام آیا۔روہیلوں کو شکست کی ندامت موت یا ہجرت کی صورت میں اٹھانی پڑی۔بیس ہزار روہیلے اپنا گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔

ہیسٹنگز کی روہیلہ پالیسی پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔موافقت اور مخالفت سے قطع نظر ہم دیکھتے ہیں کہ ہیسٹنگز نے روہیلوں کی تباہی میں نواب وزیر کی اس لیے مدد کی کہ وہ کمپنی کی مالی حالت بہتر بنانے کے علاوہ سیاسی طور پر روہیل کھنڈ کو مملکت اودھ میں شامل کر کے اسے مرہٹوں کے حملوں کے لیے ایک فصیل بنانا چاہتا تھا۔ہیسٹنگز اپنے عزائم میں کامیاب ہو گیا لیکن سیاسی بداخلاقی کے بل بوتے پر۔روہیلوں نے کوئی ایسی حرکت نہیں کی تھی جس کا خمیازہ انہیں کمپنی کی تخریبی پالیسی کی صورت میں اٹھانا پڑتا۔ ہیسٹنگز نے اپنی قوت کا غلط استعمال کیا۔ثانیاً اس کی روہیلہ پالیسی کارپردازانِ کمپنی کے احکام کی خلاف

ورزی تھی۔ثالثاً برطانوی فوجوں کے ناجائز استعمال کی ایک بدترین مثال قائم ہوگئی۔کہا جاتا ہے کہ ہیسٹنگز نے صرف اس بناء پرنواب وزیر سے فوجی مدد کا وعدہ کیا تھا کہ اس کے نزدیک عملی مدد کا وقت ہی نہیں آئے گا۔لیکن رابرٹس کے نزدیک 'نیم امید اور نیم یقین' کی حکمتِ عملی فقدانِ تدبر کا بین ثبوت ہے۔روہیلے جن مظالم کا نشانہ بنائے گئے ان کا تذکرہ مل، میکالے، لائل اور برک نے ان الفاظ میں کیا ہے۔مل لکھتا ہے:

'ہر وہ شخص جس کا نام روہیلہ تھا،موت کے گھاٹ اتار دیا گیا یا جلاوطن کر دیا گیا۔'

میکالے روہیلوں کی تباہی کا اس طرح ماتم کرتا ہے:

'ایک لاکھ سے زائد انسان نے بے خانماں ہوکر وبائی علاقہ کی طرف بھاگ گئے۔۔۔انہوں نے اپنی بیبیوں اور بیٹیوں کو انتہائی مصیبت میں دیکھا۔ان کے بچے ذبح کر دیے گئے۔ان کی عورتیں بےعزت کی گئیں۔'

لائل لکھتا ہے:

'برطانوی عساکر ایک ایسی قوم کے خلاف صف آراء ہوئے جس نے اسے کوئی خاش نہ دی تھی۔'

برطانیہ کے پارلیمانی خطیب برک نے یوں کہا ہے:

'جناب ہیسٹنگز اس امر پر نازاں ہے کہ انہوں نے ظالم ترین نواب وزیر کے ہاتھ روہیلوں کو فروخت کر دیا۔صفحۂ ہستی پر نواب وزیر سے قاہر انسان کی جستجو فضول ہے۔۔۔ ہیسٹنگز روہیلوں کے خلاف اپنے سینے میں عناد کا طوفان لیے ہوئے تھا۔اس عناد کا سبب خواہ جمہوری، ذاتی یا سیاسی ہو ہیسٹنگز نے ظالم نواب وزیر کے ہاتھ ایک قوم کو فروخت کر دیا،صرف چالیس لاکھ روپیہ کے عوض زرخیز میدان ایک وسیع ویرانہ میں تبدیل ہوگیا۔'

' ہیسٹنگز نے ایک شریف ، شجاع اور غیور قوم کے خلاف عساکر کو صف آراء کیا۔جو روہیلے مادرِ وطن کے سینہ پر تڑپنے پر

معذور تھے انہیں آغوشِ مادر سے دور پھینک دیا۔ تا کہ وہ ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک برطانوی بے دردی کے افسانے سناتے پھریں۔

'صفحۂ ہستی پر ایک بھی راست باز اور حساس انسان ایسا نہیں جو احترام و انصاف اور انسانیت و آشتی کے پیشِ نظر جناب ہیسٹنگز کے اس فعل کی مذمت نہ کرے۔ مجلسِ ارکان، مجلس مالکان اور دارالعلوم اس واقعہ کی مذمت کر چکے ہیں۔ لیکن جناب ہیسٹنگز آپ جناب کے سامنے اسے اپنی خوبی بتاتے ہیں۔'

'میں دوبارہ اس امر کو ثابت کر سکتا ہوں کہ یہ واقعہ اپنے اندر بد ترین بھید چھپائے ہوئے ہے۔۔۔۔ جناب ہیسٹنگز نے روہیلوں کی تباہی سے روپیہ وصول کیا۔'

یہ ہے ہندوستان کے اس گورنر جنرل کی سیرت کا ایک پہلو جس کے اصلاحی کاموں کی تائیدی صدائیں ہر روز سکولوں میں گونجتی ہیں۔

جنگِ روہیلہ ہیسٹنگز کے ابتدائی دورِ حکومت کا آخری اہم واقعہ ہے۔ لارڈ نارتھ کے ریگولیٹنگ ایکٹ نے اس کے اقتدار میں نمایاں تبدیلیاں کر دیں۔ ہمیں اب ان اسباب پر غور کرنا ہے جن کے ذریعہ حکومتِ انگلستان کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے معاملات میں دخل دینے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

اٹھارہویں صدی میں انگلستان کے بعض لوگوں میں اس امر کا احساس ہونے لگا تھا کہ برطانوی قوم ہندوستان میں برطانوی حکومت کی ذمہ دار ہے نہ کہ سوداگروں کی جماعت۔ کلائیو نے بھی ۱۷۵۹ء میں پٹ کو لکھا تھا کہ ''اس قدر وسیع حکومت سوداگروں کے ایک گروہ کے بس کی بات نہیں۔ کمپنی قوم کی مدد کے بغیر حکومت کے نااہل ہے۔'' اس مکتوب میں کلائیو بتاتا ہے کہ اگر برطانوی حکومت بنگال پر قابض ہو جائے تو اس کی آمدنی ٹیکس دینے والے انگریزوں کے بوجھ کو ہلکا کر دے گی۔ پٹ نے کلائیو کی اس خواہش کو 'بہت ہی پُر لطف معاملہ' کہہ کر پورا نہ کیا۔ پلاسی کے پندرہ سال بعد کمپنی کے فارغ شدہ ملازموں نے لندن میں مشرق کے تاجداروں کی شان و شوکت کا مظاہرہ کیا۔ ہندوستان میں دولت کے

علاوہ اگر وہ کسی غیر چیز کو ہمراہ لے گئے تھے تو وہ نواب کا لفظ تھا جسے ان نئے نوابوں نے 'نباب' بنا دیا۔ سیاستدانوں نے چاہا کے کمپنی کے نفع سے کچھ رقم شاہی خزانے میں جمع ہونی چاہیے۔ دوسری طرف کمپنی کے حصہ داروں نے شور مچایا کہ کمپنی کے ملازموں کی نسبت انہیں زیادہ حصہ ملنا چاہیے۔ ۱۷۶۶ء میں پارلیمنٹ نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے معاملات میں دلچسپی لینی شروع کی۔ نیز یہ کہ کمپنی کے مقبوضات پر تاجِ برطانیہ کا قبضہ ہونا چاہیے۔ وزارت نے اس معاملہ کی طرف خاص توجہ نہ کی۔ چنانچہ ۱۷۶۷ء میں پارلیمنٹ اور کمپنی کے درمیان ایک ہلکا سا معاہدہ ہوگیا۔ لیکن اس معاہدہ سے دونوں ناخوش تھے۔ ۱۷۶۹ء میں کورٹ آف ڈائرکٹرز نے کمپنی کے تمام مقبوضات کی دریافت کے لیے کمپنی کے تین پرانے خادمین سٹارٹ، کرنل فورڈ اور سر کریفٹن عازمِ ہندوستان ہوئے۔ کورٹ آف ڈائرکٹرز نے انہیں وسیع اختیارات دے کر بھیجا۔ یہ کمیشن ہندوستان نہ پہنچ سکا۔ راس امید کے بعد اس جہاز کا کچھ پتہ نہ چل سکا جس پر کمیشن کے ارکان سوار تھے۔ لندن میں کمپنی کی مخالفت زیادہ مؤثر ہوگئی۔ مخالفت کا یہ جذبہ انتہائے کمال کو پہنچ گیا۔ جب ڈائرکٹروں نے ۱۷۸۲ء میں لارڈ نارتھ کو اطلاع دی کہ جب تک حکومت کمپنی کو دس لاکھ پونڈ قرض نہیں دیتی اس وقت تک کمپنی کے کاروبار بند رہیں گے۔ اسی سال مجلسِ منتخبہ اور خفیہ پارلیمانی کمپنی کے کئی اجلاس منعقد ہوئے۔ ان مجالس کی روئیدادوں کے مطالعہ نے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۷۵۷ء سے ۱۷۶۶ء تک کی مدت میں کمپنی کے ملازموں نے بنگالیوں سے ۲۱۶۹۶۶۵ پونڈ صرف نذرانہ کی صورت میں وصول کیے۔ کلائیو کی جاگیر کی مالیت اس رقم میں شامل نہیں۔ علاوہ ازیں تلافی نقصان کی صورت میں ۳۷۷۰۸۳۳ پونڈ وصول کیے۔ ان دو مجالس کی روئیدادوں نے اس خیال کو یقین کے درجہ تک پہنچا دیا کہ کمپنی کو پارلیمنٹ کے ماتحت کام کرنا چاہیے۔

۱۷۷۳ء میں ریگولیٹنگ ایکٹ منظور ہوا۔

اس ایکٹ کی رو سے کمپنی کے ڈائرکٹر مجبور ہوگئے تھے کہ وہ کمپنی کے دیوانی، فوجی اور مالی امور سے متعلقہ خط و کتابت انگلستان کے وزیروں کے سامنے رکھیں۔ اس ایکٹ نے بنگال کے گورنر کو ہندوستان کا گورنر جنرل بنا دیا۔ گورنر کے مشورے کے لیے چار ارکان کی ایک کونسل بنائی گئی۔ فیصلہ کثرتِ آراء پر چھوڑ دیا جاتا، مساوی آراء کی صورت میں گورنر جنرل کو ووٹ کاسٹنگ کا حق دیا گیا۔ مدراس اور بمبئی کے گورنروں کو دیسی ریاستوں کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کے مسائل میں گورنر جنرل اور کونسل کے ماتحت

رکھا گیا۔اسی ایکٹ کے تحت کلکتہ میں عدالتِ عالیہ قائم کی گئی۔یہ عدالت تاجِ انگلستان کے ماتحت تھی۔کمپنی کے ملازموں کو ذاتی کاروبار اور تحائف قبول کرنے کے ممانعت تھی۔ریگولیٹنگ ایکٹ ناقص اور نامکمل تھا۔

**نندکمار**

کونسل کے چار ارکان میں سے کلیورنگ،مون سن اور فرانسس انگلستان سے آئے تھے اور یہی وجہ تھی کہ وہ ہر معاملہ میں ہیسٹنگز کے خلاف متحد نظر آتے تھے۔وہ چاہتے تھے کے کمپنی کے مظالم اور اس کی بد عنوانیوں میں کمی واقع ہو۔چنانچہ نظم ونسق کی تاریخ میں اس قسم کی شش سالہ جدو جہد کی نظیر نہیں ملتی۔بارویل چونکہ کمپنی کا ملازم تھا اس لیے کونسل کا رکن ہونے کی صورت میں وہ ہمیشہ ہیسٹنگز کا طرف دار و ہمدرد رہا۔ہیسٹنگز کے خلاف کونسل میں بہت سے الزامات پیش کیے گئے۔ان میں سب سے اہم نندکمار کا وہ الزام تھا جس کی رو سے ہیسٹنگز نے منی بیگم سے بہت بڑی رقم بطور رشوت وصول کی۔

کونسل نے ہیسٹنگز کو اپنے روبرو ایک مجرم کی حیثیت سے طلب کرنا چاہا۔ہیسٹنگز نے کونسل میں پیش ہونے سے انکار کرتے ہوئے کونسل کو تحلیل کر دیا۔ہنوز یہ معاملہ طے نہ پایا تھا کہ ایک ہندوستانی نے نندکمار پر جعل سازی کا مقدمہ کر دیا۔عدالتِ عالیہ نے نندکمار کو سزائے موت کا حکم دیا۔نندکمار کی سزائے موت نے اس مقدمہ کو ختم کر دیا۔کونسل مین فرانسس ہیسٹنگز کا مخالف تھا۔اس مخالفت نے لوگوں میں جرأت پیدا کی کہ وہ ہیسٹنگز کی بدعنوانیوں سے کونسل کی باخبر کریں۔ان میں سب سے مشہور نندکمار ہے۔اور حقیقت یہ ہے کہ نندکمار سے زیادہ ہیسٹنگز کے معاملات سے اور کون آگاہ ہوسکتا تھا۔کلائیو نے امیر چند سے دغا کیا اور نندکمار سے ہیسٹنگز نے۔لیکن ہیسٹنگز کی دغابازی کا معیار نندکلائیو سے بہت بلند تھا۔انسانیت کے پیش نظر ہیسٹنگز اپنی ذاتی اور پبلک زندگی میں معزز انسان دکھائی نہیں دیتا تھا۔حرص وآز اور لالچ اس کی زندگی کا مقصد تھا۔حصولِ زر کے لیے وہ سب کچھ کرنے پر آمادہ ہوجاتا تھا۔رضاخاں کو تباہ کرنے کے لیے نندکمار کو استعمال کیا گیا۔رضاخان کو تباہی کے بعد نندکمار کے لیے انعام واکرام کیسا؟ایک ہی چال میں ہیسٹنگز نے رضاخان کو معزول اور نندکمار کو مایوس کرنے کے ساتھ بنگال کو ایسٹ انڈیا کے زیرِ نگیں کر دیا۔

ہیسٹنگز نے اپنے لیے بھی لاکھوں روپیہ پیدا کیا!

نندرکمار کا جرم صرف یہی تھا کہ اس نے اپنے مکتوب کے ساتھ منی بیگم کا خط فرانسس کو بھیجا جس میں

بیگم نے اقرار کیا تھا کہ ہیسٹنگز نے اس سے بطور رشوت ہزاروں روپیہ وصول کیا ہے۔نندکمار نے اس خط میں لکھا تھا کہ رضا خاں نے دس لاکھ روپیہ ہیسٹنگز کو دولاکھ اسے دیا تھا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے فوراً بعد ہی رضا خاں کی تقصیر معاف کر دی جاتی ہے۔فرانسس اور اس کے ہم خیال ارکان نے روپیہ واپس کرنے کا مطالبہ کیا۔ ہیسٹنگز گاڑھے پسینے کی کمائی واپس کرنے والا نہ تھا۔روپیہ واپس کرنے سے یہ کہیں زیادہ آسان تھا کہ نندکمار کو مجرم ثابت کیا جائے۔جعل سازی کے الزام میں نندکمار کو گرفتار کر لیا گیا۔ ہیسٹنگز نے تمام معاملہ کلکتہ کی عدالتِ عالیہ میں، جو۱۷۷۴ء میں قائم ہوئی، پیش کر دیا۔میر عدالت سر ایلیجا ایمپی ہیسٹنگز کا ہم مکتب تھا۔اسی میر عدالت نے نندکمار کے مقدمہ کی سماعت کی اور آخر اسی عدالت سے نندکمار نے موت کی سزا پائی۔

مفروضہ جعل سازی کا جرم۱۷۷۰ء میں ہوا لیکن عدالتِ عالیہ۱۷۷۳ء میں قائم ہوئی۔عدالت اپنے قیام سے قبل کے مجروموں کی سزا دینے کی مجاز نہ تھی اور اگر اس امر کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ نندکمار مجرم تھا تو پھر بھی سزا نوعیتِ جرم سے کہیں زیادہ سخت تھی۔اس میں کلام نہیں کہ اس دور میں انگلستان کے قانون کے مطابق جعلسازی کی سزا پھانسی تھی لیکن نندکمار نہ تو انگریز تھا اور نہ ایسٹ انڈیا کمپنی کا ملازم۔

**پیشوا**

سیواجی نے۱۶۸۰ء میں وفات پائی۔سیواجی کا جانشین سمبھاجی ۱۶۸۹ء میں شاہی قیدی تھا۔اس لیے مرہٹوں نے سیواجی کے دوسرے بیٹے راجہ رام کو، جسے سمبھاجی نے قید کر رکھا تھا، سلطنت کا نائب مقرر کیا۔راجہ رام نے۱۷۰۰ء میں وفات پائی۔اس کے دو بیٹے، سمبھاجی اور سیواجی تھے۔سمبھاجی شفقتِ مادری سے محروم تھا مشہور مرہٹہ خاتون تارابائی سمبھاجی کی سوتیلی اور سیواجی کی حقیقی ماں تھی۔راجہ رام کی وفات کے بعد تارابائی نے سمبھاجی کو تخت سے محروم کر دیا۔لیکن تارابائی زیادہ دیر تک اپنے لختِ جگر کر تخت وتاج کو زینت نہ بنا سکی۔سیواجی کے بعد سمبھاجی مرہٹہ تخت کا وارث بنا۔اسی زمانی میں ساہو شاہی قید سے رہا ہوا۔مرہٹہ سرداروں میں خانہ جنگی شروع ہوگئی۔بعض سردار سمبھاجی کے حامی تھے اور بعض ساہو کے مؤید۔متحارب جماعتوں میں جو عہد نامہ ہوا اس کی رو سے ساہو مرہٹی قوم کا سردار ہوا اور سمبھاجی کو ریاست کولہاپور کا راجہ بنا دیا گیا۔

ساہو۱۷۰۷ء میں تخت پر بیٹھا۔اس میں مرہٹہ قوم کو رہنمائی کی صلاحیت نہ تھی۔شاہی محلات میں

عیش ونشاط اور رقص وسرود کے سوا اسے کوئی کام نہ تھا۔ جب بادشاہ کمزور اور عیاش ہوں تو وزارت مستحکم ہوتی ہے۔ ساہو کے دور میں اگر مرہٹہ قوم کو بالا جی وشوناتھ جیسا پیشوا نہ ملتا تو مرہٹہ قوم کو ہندوستان کی تاریخ میں نمایاں جگہ نہ ملتی۔ بالا جی وشوانا تھ نے ایک طرف تو حکومت کے نظم ونسق کو مستحکم کیا اور دوسری جگہ اپنے اقتدار کو اس قدر بڑھایا کہ پیشوا کا اشارۂ ابرو مرہٹوں کی تاریخ بن گیا۔ پیشوا سیاہ وسپید کا مالک تھا۔ بالا جی وشوانا تھ نے پیشوا کا عہدہ اپنے خاندان کے لیے مخصوص کر لیا۔ مرہٹوں کی آئندہ تاریخ میں راجہ کی جگہ پیشوا کی سرگرمیاں دکھائی دیتی ہیں۔

بالا جی وشوانا تھ نے مرہٹوں کی طاقت میں اضافہ کرنے کی انتہائی کوشش کی۔ اس نے اپنے عہدِ پیشوائی میں سیوا جی کے توڑے ہوئے جاگیرداری کے نظام کو بحال کیا۔ پیشوا دربارِ دہلی کی سازشوں سے بھی باخبر تھا۔ سید بھائیوں کے ساتھ مل کر بالا جی وشوانا تھ نے محمد شاہ کو تختِ دہلی پر بٹھایا اور مغل بادشاہ سے اپنی قوم کے لیے انتہائی اہم حقوق حاصل کیے۔ ایک فرمان کے ذریعے مرہٹوں کو مکمل خود اختیاری دی گئی۔ دوسرے فرمان کے مطابق مرہٹوں کو حق دیا گیا کہ دکن میں چوتھ وصول کریں۔ تیسرے فرمان کے مطابق انہیں دکن میں سرویش مکھی حاصل کرنے کا اختیار دیا گیا۔ محمد شاہ کے ان فرامین نے مرہٹوں کو پورن سوراجیہ دینے کے علاوہ نظام اور پیشوا کی مستقل طور پر ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا۔

بالا جی وشوانا تھ کی وفات کے بعد اس کا بیٹا باجی راؤ پیشوا بنا۔ مرہٹوں کی قوت میں نمایاں اضافہ کرنے کے بعد اس نے وفات پائی۔ باجی راؤ کی وفات کے بعد اس کا بیٹا بالا جی باجی راؤ پیشوا بنا۔ اس کے عہدِ پیشوائی میں اگرچہ سداسیو بھاؤ نے ایک آمر کی حیثیت اختیار کر لی تھی تاہم اس کے عہد میں مرہٹہ قوت اپنے عروجِ کمال تک پہنچ گئی۔ مرہٹہ علم قلعہ اٹک کی دیواروں پر لہرایا۔ احمد شاہ ابدالی افغانستان کی بلندیوں سے نیچے اتر آیا۔ نشۂ کامرانی میں سرشار مرہٹے زرو باز و پہ نازاں افغان ایک دوسرے کے خلاف صف آراء ہونے والے تھے۔

## پانی پت

پانی پت، ہندوستان کی تقدیر کا طاقتوں کے حق میں فیصلہ کرنے والا میدان۔ بادشاہ کا تاج اتارنے اور تقدیر آزماؤں کا قدم چومنے والی سرزمین، ہندوستان کا شاہ گر میدان۔

ہندوستان کے اسی تاریخی میدان میں جنوری ۱۷۶۱ء کو مرہٹے اور افغان زور آزما ہوئے۔ اسی جنگ

نے مرہٹوں کی ہندوستان میں مقتدر ہونے سے روک دیا۔اسی جنگ نے مرہٹوں کی طاقت کوسندھیا، ہلکر ،کائیکواور بھونسلا میں منقسم کر دیا۔ابدالی نے بھی اس جنگ سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔ دنیا کی تاریخِ حرب و ضرب میں ۱۷۶۱ء کی جنگ منفرد اور یگانہ حیثیت رکھتی ہے۔کیونکہ اس جنگ میں فاتح اور مفتوح دونوں اس قدر کمزور ہو گئے کہ تیسری قوت نے ان دونوں کی بہت جلد آدبوچا۔

پانی پت کی جنگ کے چند روز بعد بالا جی باجی راؤ چل بسا۔اس کی وفات پر اس کا بیٹا مادھوراؤ پیشوا بنا۔چونکہ مادھوراؤ نابالغ تھا اس لیے اس کا چچا رگھوبا اس کا ولی مقرر ہوا۔رگھوبا کے عہدِ پیشوائی میں پہلی مرتبہ پیشوا اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے سوداگروں میں عہد نامہ ہوا۔اس عہد نامے سے رگھوبا کا مقصد کمپنی سے گولہ بارود اور چند فوجی سپاہی حاصل کرنا تھا۔رگھوبا کے زمانے میں مرہٹوں کو نظامی حملہ کا بہت اندیشہ تھا۔کمپنی کے لیے اس سے بہتر موقع مداخلت اور کیا ہوسکتا تھا۔کمپنی نے سلسٹ اور لسبین کے معاوضہ میں فوجی مدد کا وعدہ لیا۔چونکہ نظام دکن نے مرہٹوں پر حملہ نہ کیا اس لیے رگھوبا کو کمپنی کی مدد کی ضرورت نہ رہی۔

سلسٹ اور لسبین کمپنی کے قبضہ سے بچ گئے۔

جب مادھوراؤ پیشوا سنِ بلوغت کو پہنچا تو اس نے نظمِ مملکت کو ابتر پایا۔جوان اور ذہین پیشوا نے چچا کی بدعنوانیاں ختم کرنے کو کہا،لیکن بے سود۔آخر پیشوا نے رگھوکو قید کر لیا۔نوجوان پیشوا ۱۸ نومبر ۱۷۶۲ء کی ۲۸ سال کی عمر میں مر گیا۔موت سے قبل وہ اپنے چچا رگھوبا کی قید سے رہا کر چکا تھا۔مادھوراؤ لاولد تھا۔اس کی رفیقۂ حیات بھی اس کی موت پرستی ہوگئی۔بسترِ مرگ پر مادھوراؤ نے اپنے بھائی نارائن راؤ کی پیشوا مقرر کیا۔رگھوبا اس نئے پیشوا کا سرپرست مقرر ہوا۔ظالم چچا کو انتقام لینے کا موقع مل گیا۔نارائن کو ۳۰ اگست ۱۷۷۳ء کو قتل کرادیا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی اس زمانہ میں مرہٹوں،نظام دکن اور حیدر علی کے اتحاد سے بہت خائف تھی۔چنانچہ مرہٹوں کو نظام اور حیدر علی سے علٰیحدہ کرنے کے لیے حکومتِ بمبئی نے مونٹسن کو دربار پیشوا میں بھیجا۔اسی زمانہ میں کمپنی مرہٹوں سے بہت ڈرتی تھی کیونکہ مرہٹے کمپنی کے سیاسی اقتدار کو ختم کرنے پر تلے ہوئے تھے۔مرہٹے الٰہ آباد،اودھ اور روہیل کھنڈ پر حملہ کرنا چاہتے تھے کہ ۱۷۷۳ء میں ان کے خانگی معاملات نے انہیں اپنے ملک واپس جانے پر مجبور کر دیا۔

مونٹسن اپنا کام کر چکا تھا۔ رگھوبا اب پیشوا تھا۔ رگھوبا مونٹسن کا آلۂ کار تھا۔ مونٹسن نے رگھوبا کو مشورہ دیا کے وہ نظام اور حیدر علی سے جنگ کرے۔ ان جنگوں میں رگھوبا نے اگر چہ شکست نہ کھائی، تاہم اس جنگوں نے اسے کسی قسم کا فائدہ بھی نہ پہنچایا۔ نانا فرنویس کو اس امر کا یقین تھا کہ رگھوبا حکومتِ بمبئی کا آلہ کار ہے اور یہ کہ رگھوبا کی پیشوائی میں مرہٹوں کی تباہی لپٹی ہوئی ہے۔ رگھوبا کمپنی کی فوجی حمایت کو مرہٹی زندگی کا سب سے بڑا سبب خیال کرتا تھا۔ لیکن نانا فرنویس کے نزدیک کمپنی کی فوجی مدد مرہٹوں کی موت تھی۔

جب رگھوبا کو معلوم ہوا کہ فرنویس اور دوسرے مرہٹہ سردار اس کے خلاف ہیں تو رگھوبا گجرات کی طرف بھاگ گیا۔ مقتول پیشوا نارائن راؤ کی بیوہ کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو رگھوبا نے اس بچے کو پیشوا تسلیم کرتے ہوئے اپنے آپ کو اس کا سرپرست ظاہر کیا۔ مرہٹہ سرداروں نے رگھوبا کی سرپرستی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ تمام مرہٹہ سردار نانا فرنویس کو نوزائیدہ بچے کا سرپرست بنانے پر رضامند ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے نانا کی سرپرستی کا اعلان کر دیا۔ اس اعلان کے بعد رگھوبا نے صدر اور بمبئی کی کونسل سے مدد کی درخواست کی۔ صدر اور ارکان کونسل معاونت کے لیے رضامند تھے۔ انہیں رگھوبا سے کسی قسم کی ہمدردی نہ تھی۔ وہ صرف مرہٹوں کے دشمن تھے۔ وہ مرہٹہ اتحاد میں نفاق پیدا کرنا چاہتے تھے۔ وہ مرہٹوں کو کمزور دیکھنے کی خواہاں تھے۔ سب سے بڑھ کر وہ سلسٹ اور لسبین پر قابض ہونا چاہتے تھے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائرکٹروں نے ایک خط کے ذریعے، جو انہوں نے صدر اور بمبئی کونسل کو لکھا، اس امر کی صاف طور پر وضاحت کر دی تھی کہ سلسٹ اور لسبین پر کسی نہ کسی طرح سے قبضہ کر لیا جائے۔ سلسٹ لسبین پر قابض ہونے کے لیے صدر اور ارکانِ کونسل نے رگھوبا کی مدد کا وعدہ کر لیا۔ رگھوبا نے سورت پہنچ کر ۶ مئی ۱۷۷۵ء کو عہد نامہ سورت کی رو سے سلسٹ اور لسبین کے علاقے انگریزوں کے سپرد کر دیے۔

مرہٹوں کی پہلی جنگ کا سبب عہد نامہ سورت ہے۔

حکومتِ بمبئی نے کرنل کیٹنگ کو رگھوبا کے تمام دشمنوں سے جنگ آزما ہونے کے لیے بھیجا۔ رگھوبا بھی کرنل کے ساتھ تھا۔ ورمج کے مقام پر رگھوبا کی فوج بھی کیٹنگ سے مل گئی۔ اب حکومتِ بمبئی نے اس لشکر کو پونہ کی طرف بڑھنے کا اشارہ کیا۔ لیکن رگھوبا کے قدم پونہ کی سرزمین تک نہ پہنچ سکے۔ اس کی روک تھام کے لیے وزارتِ پونہ نے بھی ایک فوج بھیجی۔ اراس کے مقام پر رگھوبا اور اس کے ساتھیوں کو بہت

نقصان اٹھانا پڑا۔متعدد برطانوی افسر ہلاک اور زخمی ہو گئے۔چونکہ برسات کا موسم شروع ہونے والا تھا اس لیے مرہٹہ جرنیل اپنی فوج کو واپس لے گیا۔کرنل کیٹنگ نے تعاقب کیا مگر مرہٹوں کی فوج نربدا عبور کر چکی تھی۔کیٹنگ بھی برسات کے خوف سے مزید تعاقب نہ کر سکا۔

جدید دستور کی رو سے مدراس اور بمبئی کی حکومتیں گورنر جنرل کی مرضی کے بغیر دیسی ریاستوں کے معاملات میں مداخلت نہیں کر سکتی تھیں۔کیونکہ حکومتِ بمبئی کی رگھوبا کی مدد کے لیے فوجی نقل وحرکت دستورِ نو کی صریحاً خلاف ورزی تھی اس لیے ہیسٹنگز نے کرنل اپٹن کو صلح کی غرض سے پونا بھیجا۔وزارتِ پونا کے تمام ارکان پورندھر میں تھے۔اس لیے کرنل اپٹن ۲۸ دسمبر ۱۷۷۵ء کو وہاں پہنچا۔وزارتِ پونا نہ سلسٹ اور لسبین پر برطانوی قبضہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔کرنل اپٹن نے ہیسٹنگز کو تمام حالات سے آگاہ کیا۔ ہیسٹنگز جنگ کے لیے تیار ہو گیا۔بھونسلا،سندھیا،حیدر علی اور نظام کی غیر جانب دار رہنے کی درخواست کی گئی۔کلکتہ اور مدراس میں کمپنی کی فوجیں تیار کھڑی تھیں۔کرنل اپٹن واپس جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ اچانک نانا فرنویس نے عہد نامہ پورندھر پر دستخط کر دیے۔اس عہد نامہ کی رو سے عہد نامہ سورت منسوخ قرار پایا۔

جب حکومت بمبئی کو عہد نامہ پورندھر کی دفعات کا علم ہوا تو حکومت نے اس عہد نامے کو اپنی توہین سمجھا۔حکومتِ بمبئی نے کلکتہ کی کونسل کے خلاف کورٹ آف ڈائریکٹرز کو لکھا۔اس نے حکومتِ بمبئی کے حق میں فیصلہ کر دیا۔

حکومتِ بمبئی نے پونا کے طرف ایک فوج بھیجی۔نانا اس فوج کے نقل وحرکت سے خوب آگاہ تھا۔چنانچہ پونا سے ۱۸ میل کے فاصلے پر پرتالی کے مقام پر مہاراشٹر کی فوجوں نے اپنی قوت کا مظاہرہ کیا۔انگریزی فوجیں ان کو دیکھتے ہی بھاگ نکلیں۔مرہٹوں نے ایک پُر لطف تعاقب کے ذریعہ کچھ سامانِ جنگ اپنے قبضہ میں کر لیا۔انگریزوں نے عہد نامہ وارگاؤں پر دستخط کر کے اپنی کمزوری کا اقرار کر لیا۔کمپنی کے لندنی ارکان کی اس عہد نامے سے اس قدر تکلیف ہوئی کہ انہوں نے کارنگ اور اس کے دوسرے عسکری رفقائے کار کو ملازمت سے علیحدہ کر دیا۔ہیسٹنگز نے عہد نامہ وارگاؤں تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔اور گوڈرڈ کو انتقام لینے کے لیے بھیجا۔گوڈرڈ ایک قابلِ تعریف کوچ کے ذریعہ بنگال سے سورت پہنچا۔احمد آباد فتح کرنے کے بعد اس نے گائیکواڑ کو اپنا حامی بنا لیا۔اب گوڈرڈ پونا کی طرف روانہ

ہوا۔لیکن اس جنگ میں گوڈرڈ کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔

۱۷۷۹ء میں نظام نے انگریزوں کو ہندوستان سے بالکل خارج کرنے کے لیے ایک اتحاد قائم کیا۔اس اتحاد میں گائیکواڑ کے سوا تمام مرہٹہ سردار شامل ہوئے۔حیدر علی بھی اس اتحاد میں شریک تھا۔ ہیسٹنگز نے اس اتحاد کو ناقابلِ عمل بنا دیا۔اس اتحاد کو کامیاب بنانے کے لیے نانا فرنویس نے انتہائی کوشش کی۔اس نے شہنشاہِ دہلی کو بھی اس اتحاد میں شامل ہونے کے دعوت دی۔نانا فرنویس نے مندرجہ ذیل خط اپنے وکیل مقیم دہلی کو لکھا۔

'معلوم ہوا ہے کہ کلکتہ کے انگریز دہلی کے شہنشاہ کے ساتھ سیاسی تعلقات قائم کرتے ہوئے شہنشاہ کو اپنی طرف مائل کرنا چاہتے ہیں۔اس لیے تمھیں چاہیے کہ شاہنشاہ اور نجیب خاں کو مندرجہ ذیل حقائق سے آگاہ کردو'

'ٹوپی کاروں کا طریقِ کار نامناسب اور عیارانہ ہے۔وہ ابتداء میں ہندی تاجداروں کو اپنے ساتھ متحد ہونے کے مفاد بتاتے ہیں۔لیکن آخر کار ان کی مملکتوں پر قابض ہو کر ان کو زندانوں میں بند کر دیتے ہیں۔مثال کے طور پر شجاع الدولہ اور محمد علی خاں پیش کیے جاسکتے ہیں۔تمھیں چاہیے کے اہلِ مغرب کو اچھی طرح دباؤ،ورنہ یورپ کے یہ اجنبی تمام علاقوں پہ قابض ہو جائیں گے۔اور یہ اچھا نہیں۔شہنشاہ کو چاہیے کہ وہ عزت و ناموس کے لیے اس مسئلہ کی طرف توجہ کرے۔دکن کے تمام تاجدار متحد ہو چکے ہیں۔۔۔۔انہوں نے انگریزی اقتدار کو ختم کرنے کے لیے اپنی فوجیں تیار کر لی ہیں۔وہ اپنے اپنے علاقوں میں انگریزوں سے جنگ آزما ہونے والے ہیں۔

شمالی ہندوستان میں شہنشاہ اور نجیب خاں کو تمام قوتیں متحد کرنے کے بعد انگریزوں کا خاتمہ کر دینا چاہیے۔اس طرح سلطنت کی

شان میں نمایاں اضافہ ہوگا۔'

نانا فرنویس پہلا مدبر ہے جس نے تمام ہندوستان کو انگریزوں کے خلاف متحد ہونے کی دعوت دی۔اس کے اس اعلان کے خوف سے کمپنی نے مرہٹوں سے صلح کر لی۔عہد نامہ سلبئی نے مرہٹوں کی پہلی جنگ کا خاتمہ کر دیا۔

مہاراجہ سندھیا کے واسطہ سے عہد نامہ سلبئی مرتب ہوا۔اس عہد نامہ کو سات دفعات تھیں۔اس کی رو سے انگریزوں نے وہ تمام علاقہ مرہٹوں کو واپس کر دیا جس پر انہوں نے عہد نامہ پورندھر کے بعد قبضہ کیا تھا۔گوالیار پر مہاراجہ سندھیا کا قبضہ تسلیم کر لیا گیا۔رگھوبا کی پچیس ہزار روپیہ ماہانہ پنشن مقرر کی گئی۔

مرہٹوں کی پہلی جنگ ہیسٹنگز کے فقدانِ تدبر کا بین ثبوت ہے۔اس جنگ نے کمپنی کا خزانہ خالی کر دیا۔اس خالی خزانہ کو پُر کرنے کے لیے اس نے پیمان شکنیوں، بے ایمانیوں، غداریوں، مکاریوں اور عیاریوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔جس نے اسے قانون کے گرفت میں پہنچا دیا۔مرہٹوں کی پہلی جنگ کے بعد گورنر جنرل کو کسی ہندوستانی تاجدار سے جنگ کرنے کو جرأت نہیں کرنی چاہیے تھی۔لیکن گورنر جنرل حیدر علی سے نبرد آزما ہو چکا تھا۔

## حیدر علی

کمپنی کی حکومت کو ختم کرنے کے لیے تنہا مرہٹوں نے ہی کوشش نہیں کی بلکہ حیدر علی بھی مرہٹوں کا شریکِ کار تھا۔انگریزوں کو سب سے خوف ناک جنگیں حیدر علی سے ہی کرنی پڑیں۔حیدر علی انگریزوں کا سب سے بڑا دشمن تھا۔وہ اپنی موت تک انگریزوں سے لڑتا رہا۔ذاتی فراست و شجاعت سے اس نے تاریخ عالم میں اپنے لیے جگہ پیدا کر لی۔وہ ہندوستان کا بہت بڑا جرنیل تھا۔اس نے اپنی فوجی زندگی کا آغاز ایک سپاہی کی حیثیت سے کیا۔وہ راجہ میسور کی فوج کا ایک سپاہی تھا۔اپنی عسکری قابلیت سے بہت جلد ڈنڈی گل کا فوجدار ہو گیا۔حیدر علی کے لیے فوج دار سے کمان دار بننا بہت آسان تھا۔حیدر علی میسور کے راجہ کی وفات پر ریاست کا حکمران بن گیا۔حیدر کی بڑھتی ہوئی قوت کو مرہٹے برداشت نہیں کر سکتے تھے۔چنانچہ انہوں حیدر علی کو شکست دی۔اسے تاوانِ جنگ کے علاوہ اپنی مملکت کا بہت بڑا حصہ مرہٹوں کے حوالے کرنا پڑا۔اس شکست کا احساس حیدر علی کے دل میں آگ لگائے ہوئے تھا۔یہی وجہ ہے کہ جب ۱۷۷۱ء میں مرہٹوں نے حیدر علی کو انگریزوں کے خلاف صف آراء کرنا چاہا تو اس نے انکار کر دیا۔

انگریزوں نے حیدرعلی کی مملکت کے اس علاقہ پر حملہ کر دیا جو ان کے نزدیک کرناٹک کا ایک حصہ تھا۔ان جنگوں میں، جو اس علاقہ کے حصولِ تحفظ کے لیے لڑی گئیں، کبھی انگریز کامیاب ہو جاتے اور کبھی حیدرعلی۔انگریزوں نے نظام اور ارکاٹ کو حیدر سے جدا کر دیا۔رفقائے کار کی بے وفائی، مرہٹوں کی خشمگیں نگاہیں اور انتظامِ سلطنت کے خیال نے حیدرعلی کو صلح پر آمادہ کر دیا۔حیدر شکست خوردہ دشمن نہ تھا۔ اس کی درخواستِ صلح پر غور نہ کرنا سپاہیانہ بزدلی تھی۔انگریزوں نے حیدرعلی کو آمادہ آشتی پا کر یہ خیال کیا کہ حیدرعلی کا زور ٹوٹ چکا ہے۔اس غلط فہمی نے انگریزوں کو حیدرعلی سے جنگ جاری رکھنے پر اکسایا۔دکن کے آہنی دیو نے انگڑائی لی۔اس نے انگریزوں سے تمام مفتوحہ علاقہ واپس لے لیا۔انگریز حیدرعلی کے خوف سے کانپ رہا تھا۔حکومتِ مدراس نے ایک فوجی افسر کو حیدرعلی کے پاس صلح کے لیے بھیجا۔حیدرعلی نے قاصد سے کہا کہ وہ مدراس کے دروازں تک بڑھ رہا ہے۔گورنر اور کونسل کی پیش کردہ شرائطِ صلح پر مدراس میں ہی غور کرے گا۔

تین دن میں ایک سو تیس میل کا سفر کرنے کے بعد وہ مدراس سے پانچ میل کے فاصلہ پر سینٹ تھامس کے مقام پر ظاہر ہوا۔حیدرعلی کے لیے مدراس پر قبضہ کرنا بہت آسان تھا۔حیدرعلی نے انگریزوں سے شرائطِ صلح لکھوا کر میسور کو پہلی جنگ کا خاتمہ کر دیا۔

اس عہد نامہ کی رو سے فریقین نے حفاظتی جنگ میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کا وعدہ کیا۔انگریزوں نے اس عہد نامہ کی خلاف ورزی سے میسور کی دوسری جنگ کے اسباب پیدا کر دیے۔

مرہٹوں نے میسور پر حملہ کیا ۔ حیدرعلی نے عہد نامہ کی رو سے انگریزوں سے مدد طلب کی۔انگریزوں نے حیدرعلی کو مدد دینے سے انکار کر دیا۔اب حیدرعلی انگریزوں کا دشمن ہو گیا۔مرہٹوں سے صلح کرنے کے بعد حیدرعلی نے ۱۷۸۰ء میں انگریزوں کو عہد شکنی کا مزہ چکھانا چاہا۔اس جنگ میں حیدر علی نے ثابت کر دیا کہ وہ ہندوستان کا سب سے بڑا جرنیل ہے۔اس نے کرناٹک کو تاخت وتاراج کیا۔اس کے شہسوار مدراس کے سواد تک پہنچ گئے۔حکومتِ مدراس نے اب جنگی تیاریاں شروع کیں۔ہیکٹر منرو نے حیدر کا مقابلہ کیا۔وہ چاہتا تھا کہ کرنل بیلی کی فوج سے حید رعلی کو شکست دیدے۔لیکن حیدرعلی نے کرنل بیلی کی فوج کو منرو تک پہنچے سے قبل ہی موت کے گھاٹ اتار دیا۔حیدرعلی نے منرو کو بھی شکست دیدی۔انہیں ایام میں بیسٹنگز نے نظام، سندھیا اور راجہ برار کو حیدرعلی سے علیحدہ کر

دیا۔اب حیدر علی کو تنہا لڑنا پڑا۔

ہیسٹنگز نے بنگال سے ایک کثیر فوج بھیجی۔اس فوج کا کماندار سر آئر کوٹ تھا۔وہ حکومتِ مدراس کو بدعنوانیوں سے تنگ آ کر بنگال چلا گیا۔حیدر علی کی قوت میں کسی قسم کی کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔وہ آخری ایام تک انگریزوں سے جنگ کرنے پر آمادہ تھا۔ان ایام میں حیدر علی کی موت نے دکن کی سیاست میں نمایاں تبدیلی کر دی۔حیدر علی کی موت نے نانا فرنویس کو مجبور کر دیا کہ وہ عہد نامہ سلبئی میں ترمیم و تسیخ کرے۔

حیدر علی کی وفات کے بعد اس کے بیٹے ٹیپو سلطان نے جنگ کی جاری رکھا۔سلطان انگریزوں سے تنہا لڑتا رہا۔اس نے بیدنور اور منگلور پر قبضہ کر لیا۔حکومتِ مدراس نے عہد نامہ منگلور کی رو سے میسور کی دوسری جنگ کا خاتمہ کر دیا۔

ان جنگوں نے کمپنی کا خزانہ خالی کر دیا۔اس خلاء کو پورا کرنے کے لیے ہیسٹنگز جن ستم رانیوں کو کام میں لایا ان کا تذکرہ بہت ضروری ہے۔

۱۷۷۵ء سے قبل راجہ بنارس اودھ کا باج گزار تھا۔لیکن اس سال کے بعد اس کی حیثیت ایسٹ انڈیا کمپنی کے زیرِ اثر ایک راجہ سے زیادہ نہ رہی۔راجہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو ہر سال ساڑھے بائیس لاکھ روپیہ بطور خراج ادا کرتا۔ہیسٹنگز نے راجہ چیت سنگھ سے پانچ لاکھ روپیہ کا مزید مطالبہ کیا۔راجہ نے اس رقم کی ادائیگی کے لیے چھ ماہ کی مہلت مانگی۔لیکن ہیسٹنگز نے جواب دیا کے رقم پانچ دن تک پہنچ جانے چاہیے۔ورنہ گمان کیا جائے گا کہ چیت سنگھ ادائیگی سے انکار کر رہا ہے۔۱۷۷۹ء میں اتنی رقم کا مزید مطالبہ کیا گیا۔راجہ دو سال تک زائد روپیہ ادا کرتا رہا۔۱۷۸۰ء میں بھی ہیسٹنگز نے راجہ سے پانچ لاکھ روپیہ مزید وصول کرنا چاہا۔راجہ نے چاہا کہ گورنر جنرل کی آتش حرص کو آبِ زر سے بجھائے۔چنانچہ راجہ نے اپنے وکیل کے ذریعہ دو لاکھ روپیہ کی نذر پیش کی۔ہیسٹنگز نے رقم وصول کرنے میں ذرا تکلف نہ برتا۔بد نصیب راجہ کو اپانچ لاکھ پھر دینا پڑا۔گورنر جنرل نے راجہ سے دو ہزار سپاہیوں کا مطالبہ کیا۔چیت سنگھ نے ایک ہزار سپاہیوں سے کمپنی کے مدد پر آمادگی ظاہر کی۔لیکن گورنر نے راجہ کو پانچ لاکھ روپیہ جرمانہ کر دیا۔

جرمانہ وصول کرنے کے لیے ہیسٹنگز بنارس کی طرف روانہ ہوا۔راجہ نے انتہائی عجز و انکسار سے اپنے آپ کو بکسر کے مقام پر ہیسٹنگز کے سپرد کر دیا۔لیکن ہیسٹنگز نے بنارس پہنچنے سے قبل کسی قسم کی گفتگو سے

انکار کر دیا۔ بنارس پہنچ کر ہیسٹنگز کے تمرد میں اضافہ ہو گیا۔ اس نے راجہ سے ملاقات کرنے سے گریز کیا ۔گورنر جنرل نے راجہ سے بالمشافہ گفتگو کو اپنی توہین تصور کیا۔ اس لیے اس نے مطالبات تحریر کی صورت میں راجہ کے پاس بھجوا دیے۔ راجہ نے جواب میں عجز وانکسار کے اظہار سے گورنر جنرل کے عتاب سے بچنا چاہا۔ لیکن بے سود، اس عتاب کا شکار ہونا ہی تھا۔ گورنر جنرل نے اس معذرت نامہ کو نہ صرف معنی کے لحاظ سے غیر تسلی بخش بلکہ طرز تحریر میں گستاخانہ قرار دیا۔ راجہ کی گرفتاری کا حکم جاری ہو گیا۔ راجہ کی سپاہ شہر میں راجہ کو توہین برداشت نہ کر سکی۔ راجہ کے سپاہیوں نے برطانوی سپاہیوں اور تین افسروں کو قتل کر دیا۔ چیت سنگھ بھی اس کشمکش میں بھاگ نکلا۔ ہیسٹنگز نے بھی جان بچانے کے لیے چنار کی راہ لی۔ سپاہیوں کا جوش حد سے بڑھ گیا تھا لیکن کمپنی کو افواج نے انہیں شکست دیدی۔ چیت سنگھ کو ملک بدر کر دیا گیا اور اس کے بھتیجے کو بنارس کا راجہ بنا دیا گیا۔ نئے راجہ نے کمپنی کو چالیس لاکھ روپیہ سالانہ خراج ادا کرنے کا وعدہ کیا۔

ہیسٹنگز کے بہترین مداح بھی چیت سنگھ کے معاملے میں اسے حق بجانب ثابت کرنے سے قاصر ہیں۔ چیت سنگھ سے گورنر جنرل کا سلوک ناجائز، ظالمانہ، ناقابل برداشت اور خلافِ آئین تھا۔

چیت سنگھ سے ہیسٹنگز کا سلوک خواہ کتنا ہی ناروا کیوں نہ ہو ہیسٹنگز روپیہ کے لیے اس سے زیادہ ناقابلِ برداشت اور خلافِ آئین افعال پر کمر بستہ تھا۔ چیت سنگھ سے گورنر جنرل حسب منشا روپیہ وصول کرنے سے ناکام رہا۔ اب اس نے بیگماتِ اودھ سے روپیہ وصول کرنے کی فکر کی۔

۱۷۷۵ء میں نواب وزیر کی وفات کے بعد اس کی بیگمات نے کلکتہ کی عدالتِ عالیہ کی اجازت کے بغیر بہت سا زر و مال اپنے قبضہ میں کر لیا۔ نئے نواب آصف الدولہ کے ذمہ کمپنی کا روپیہ تھا۔ گورنر جنرل نے نواب سے روپیہ کا مطالبہ کیا۔ نواب نے جواب میں بیگماتِ اودھ (آصف الدولہ کی ماں اور دادی سے) روپیہ چھین کر قرضہ ادا کرنے کی اجازت چاہی۔ ہیسٹنگز نے نہ صرف اجازت دی بلکہ نواب وزیر کی بیگمات کے خلاف ہاتھ اٹھانے کے لیے انگریزی فوج روانہ کی۔ انگریزی فوج کے مدد سے نواب نے بیگمات پر مظالم ڈھائے۔ نواب نے بیگمات سے ۷۵ لاکھ روپیہ چھین کر کمپنی کو ادا کیا۔

روہیلوں کی حمایت میں صدائے احتجاج بلند کرنے والا برک ان مظالم پر کیوں خاموش رہ سکتا تھا۔ خورد محل کے معاملات پر برک یوں لب کشائی کرتا ہے:

''بیگمات کی جاگیروں اور خزانوں پر غیر منصفانہ قبضہ نے بیگمات

کو نہ صرف جسمانی مصائب کا شکار بنا دیا بلکہ ان کی جنسیت پر بھی اثر انداز ہوا۔ پیشتر اس کے کہ میں اپنا موضوعِ سخن جاری رکھوں آپ حضرات کو بیگمات کی حیثیت سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔

نواب شجاع الدولہ کی صرف ایک بیگم تھی۔ لیکن مشرق کے تاراجداروں کی طرح شجاع الدولہ کے حرم میں بیسیوں لونڈیاں تھیں۔ ان لونڈیوں کے بطن سے بیس لڑکے اور شاید اسی قدر لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ اس ملک کے رسم و رواج کے مطابق ان لڑکوں اور لڑکیوں کو بہت زیادہ شرف حاصل تھا۔ اس میں شک نہیں کے منکوحہ بیگمات کی اولاد بلحاظِ رتبہ ان سے بلند ہے۔ غیر منکوحہ لونڈیوں کی اولاد اپنے خادموں سمیت خوردمحل میں رہتی اور ان کی تعداد آٹھ سو کے قریب تھی۔''

برک ان خطوط کا حوالہ دیتے ہوئے ثابت کرتا ہے کہ نواب وزیر آصف الدولہ کے نزدیک اپنے باپ شجاع الدولہ کی غیر منکوحہ بیگمات اور ان کی اولاد کے لیے کس قدر جذبۂ احترام والفت رکھتا تھا۔ تقریر جاری رکھتے ہوئے برک لکھتا ہے:

''حضرات ایک تجارتی کمپنی کا نمائندہ، جو اپنے تئیں اعلیٰ حضرت بنائے ہوئے ہے، ان افراد کو نفرت کی نگاہوں سے دیکھتا ہے جن کی (ان کے وطن میں) عزت مسلمہ ہے۔ ہیسٹنگز کہتا ہے کہ خورد محل کے مکین طبقۂ اسفل سے تعلق رکھتے ہیں۔ میں آپ حضرات سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ ان کی حیثیت و اہمیت کا اندازہ نواب آصف الدولہ لگا سکتا ہے یا ہیسٹنگز؟ حضرات! وارن ہیسٹنگز اپنے دعوے کو تصدیق کے لیے ایوانِ عام یا ایوانِ خاص میں ایک لفظ تک بھی پیش نہ کر سکا۔ وارن ہیسٹنگز ان خواتین کی

اس لیے توہین کرتا ہے کہ انہیں آپ کی نگاہوں سے گرا
دے۔لیکن مجھے امید ہے کہ۔۔۔آپ مشترکہ انسانیت کی بنا پر
ان سے ہمدردی کریں گے۔''

انالفاظ کے بعد برک اس معاہدہ کو پیش کرتا ہے جو آصف الدولہ اور کمپنی کے درمیان ہوا۔جس کی رو سے ان بیگمات کے مال واسباب کی حفاظت کمپنی کے ذمہ تھی:

''ان ظالمانہ افعال کا نتیجہ یہ ہوا کہ خورد محل کے مکین انتہائی تنگی اور
عسرت کے شکار ہو گئے۔۔۔حضرات !ان خواتین کو سپاہیوں کی
نوکِ سنگین ہی برداشت نہی کرنا پڑی بلکہ اخلاقی طور پر بھی انہیں
ذلیل کیا گیا ہے۔حضرات !ان واقعات نے ایوانِ عام کے دل
میں بھی گھر کرلیا ہے۔''

ہیسٹنگز نے بنارس اور اودھ کے معاملات سلجھانے میں آٹھ ماہ صرف کر دیے۔کلکتہ پہنچ کر ہیسٹنگز کو پٹ انڈیا بل کا علم ہوا۔اس موقع پر ہیسٹنگز نے فاکس، برک اور فرانسس کے خلاف تلخ کلامی کی۔ہیسٹنگز مستعفی ہونے کا ارادہ کر چکا تھا۔۱۷۸۵ء کے ابتدائی ایام میں اس نے استعفیٰ داخل کر دیا۔فروری ۱۷۸۵ء میں اس نے انڈیا کے ساحلوں کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہا۔

ریگولیٹنگ ایکٹ کی منظوری کی سات سال بعد تک رائے عامہ امریکی اور فرانسیسی مسائل کی طرف متوجہ رہی۔۱۷۸۰ء کے بعد سیاستدانوں نے ہندوستانی مسائل کی طرف توجہ کی۔امریکہ کھونے کے بعد وہ ہندوستان پر اپنا قبضہ مضبوط کرنا چاہتے تھے۔۱۷۸۳ء میں فاکس نے انڈیا بل پیش کیا۔اس کو ایوانِ عام کی منظوری حاصل ہوگئی۔لیکن یہ بل ایوان خاص کی خوشنودی حاصل نہ کر سکا۔۱۷۸۴ء میں انگلستان کے وزیرِاعظم ولیم پٹ نے انڈیا بل پیش کیا۔دونوں ایوانوں نے اسے منظور کرلیا۔اس بل کی رو سے چھ ارکان کی ایک مجلسِ اختیار بنائی گئی۔یہ مجلس کمپنی کے مالی، دیوانی اور فوجی معاملات کی نگران تھی۔صدر مجلس کمپنی کے معاملات کے لیے پارلیمنٹ کے سامنے جوابدہ تھا۔دیسی ریاستوں سے صلح و جنگ کے اختیارات بھی اس مجلس کو حاصل تھے۔مدراس کو بمبئی کو گورنر جنرل کے ماتحت قرار دیا گیا۔ان کی انفرادی حیثیت ختم کر دی گئی۔دیسی ریاستوں سے جنگ کرنے کی حکمتِ عملی کو برطانیہ کی پالیسی کے خلاف قرار دیا

گیا۔ گورنر جنرل کو دیسی ریاستوں کے معاملات میں دخل دینے کی ممانعت کر دی گئی۔ کمپنی کے ارکانِ اعلیٰ کو حق دیا گیا کے وہ گورنر جنرل کو منتخب کر سکیں۔ لیکن تقرر سے پہلے شاہی منظوری لازمی قرار دی گئی۔ گورنر جنرل کی کونسل کے ارکان کی تعداد چار کی جگہ تین کر دی گئی۔ گورنر جنرل کو ویٹو کا اختیار دیا گیا۔ گویا تجارتی امور کے سوا باقی تمام معاملات میں کمپنی حکومتِ برطانیہ کا ایک ماتحت ادارہ بن گئی۔

۱۷۸۵ء میں ہیسٹنگز انگلستان پہنچا۔ ۱۷۸۸ء تک ہیسٹنگز کے خلاف رائے عامہ نے ایک طوفان مچا دیا۔ چنانچہ اسی سال پارلیمنٹ نے اسے قانونی گرفت میں لے لیا۔ ہیسٹنگز کے خلاف بیس الزامات کی بنا پر ایک مقدمہ چلایا گیا۔ ہیسٹنگز کئی سال تک ایک مجرم کی حیثیت میں انگلستان کے بڑے بڑے خطیبوں کے تیروں کا نشانہ بنتا رہا۔ سات سال تک ہیسٹنگز کے خلاف ایوانِ خاص میں مقدمہ چلتا رہا۔ آخر ایوانِ خاص نے اسے عائد کردہ الزامات سے بری قرار دیا۔ دولت کے وہ انبار جو ہیسٹنگز بنگال سے اپنے ہمراہ لایا تھا مقدمہ کے سیلاب میں حس و خاشاک کی طرح بہ نکلے ہوں گے۔

ہیسٹنگز کی سیرت میں طمع اور لالچ کا بہت زیادہ حصہ ہے۔ مکر و فریب میں بھی وہ کم نہ تھا۔ ہیسٹنگز نے انگلستان کے ایشیائی مقبوضات کو اس وقت مستحکم کیا جب امریکی نوآبادی انگلستان کا گریبان چاک کر رہی تھی۔ جب یورپ کی بیشتر طاقتیں انگلستان کو ختم کرنے پر آمادہ تھیں۔ ہیسٹنگز کے لیے بنگال کا خود مختار نواب ہو جانا نہایت آسان تھا۔ لیکن اس نے انگلستان سے غداری نہ کی۔ ہیسٹنگز فارسی اور بنگالی ادبیات سے بہت زیادہ دلچسپی رکھتا تھا۔ اخراجاتِ جنگ کے سبب کمپنی کا خزانہ خالی ہو چکا تھا۔ اس خلاء کو پُر کرنے کے لیے ہیسٹنگز اخلاقی جرائم کا مرتکب بھی بنا۔

## مقبوضات میں اضافہ

وارن ہیسٹنگز کی واپسی پر کمپنی نے سر جان میکفرسن کو عارضی طور پر گورنر جنرل مقرر کیا۔ میکفرسن تقریباً بائیس ماہ تک گورنر جنرل رہا۔ اس کے عہد میں مہاواجی سندھیا نے اپنے آپ کی شاہ عالم کا سر پرست قرار دے کر میکفرسن سے بنگال کا سالانہ خراج طلب کیا۔ میکفرسن نے اس کی ادائیگی سے انکار کر دیا۔

امریکہ کی آزادی نے پٹ کی وزارت کی سرنگوں کر رکھا تھا۔ انگلستان کو اب امریکہ کے بدل کی ضرورت تھی۔ وزارت نے مشرق میں اس نقصان کو پورا کرنے کی ٹھانی۔ انگلستان کو وسعتِ سلطنت منظور تھی۔ امریکہ یا ہند، اس سے کیا سروکار۔ امریکی نوآبادی نے اگر انگلستان سے آزادی حاصل کر لی تو کیا ہوا؟ انگلستان نے ہندوستان کے پاؤں میں غلامی کی زنجیریں ڈالنے کی ٹھانی۔ اس ارادہ کی تکمیل کے لیے وہی شخص موزوں ہوسکتا تھا جس نے امریکہ کو واشنگٹن کے حوالے کیا۔ کارنوالس چونکہ امریکی جنگِ آزادی کو دبانے میں ناکام رہا تھا اس لیے اسے ہندوستان میں انگلستان کے لیے ایک وسیع سلطنت پیدا کرنے کے لیے بھیج دیا گیا۔ کارنوالس ہندوستان میں سیاسی گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کے لیے آیا۔

کارنوالس ستمبر ۱۷۸۶ء میں کلکتہ پہنچا۔ عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی اس نے خزانہ کو خالی اور کشتِ دہقان کو غیر مزروعہ پایا۔ کمپنی کے مظالم نے بنگال کے سرسبز اور زرخیز گاؤں ویران کر دیے تھے۔ بدنظمی نے کسانوں کی حسرت و یاس کی متحرک تصویریں بنا دیا تھا۔ قحط نے سیکڑوں خاندانوں کے کلی افراد کو موت کی نیند سلا دیا۔

مہاواجی سندھیا نے کارنوالس سے بھی بنگال کا سالانہ خراج طلب کیا لیکن اس نے ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ کارنوالس نے نواب اودھ سے بدترین سلوک کیا۔ جب اس نے کارنوالس کو لکھا کہ اسے بیرونی حملے کا اندیشہ نہیں اس لیے اس کے علاقہ میں برطانوی فوج کی چنداں ضرورت نہیں تو کارنوالس نے نواب کی اس درخواست پر غور نہ کیا۔ نواب دکن کے ساتھ بھی اس کا سلوک مستحسن نہ تھا۔ انگلستان سے روانگی کے وقت کارنوالس سے کہا گیا تھا کہ گنٹور کا علاقہ نواب سے چھین لے۔ کارنواس نے نواب سے یہ علاقہ چھین لیا۔

حیدر علی کے بعد اس کے بیٹے ٹیپو نے جنگ جاری رکھی۔ اسی دوران میں انگریزوں کی ٹیپو کی فوجی

قابلیت کا اندازہ ہوا۔ انگریز مجبور ہو گئے کہ وہ ٹیپو سے صلح کریں۔ اس عہد نامہ کی رو سے جو تاریخ میں عہد نامہ منگلور کہلاتا ہے انگریزوں نے ٹیپو کو اپنا حلیف قرار دیا اور بوقتِ ضرورت دونوں نے ایک دوسرے کی مدد کا وعدہ کیا۔ لیکن کارنوالس ٹیپو سے صرف اس لیے جنگ آزما ہونا چاہتا تھا کہ امریکی نقصانات کی تلافی ہو سکے۔ کارنوالس واشنگٹن سے شکست کا داغ ٹیپو کے خون سے دھونا چاہتا تھا۔ چونکہ جدید آئین کی رو سے وہ ٹیپو سے جنگ آزما نہیں ہو سکتا تھا اس لیے اس نے ایسا رویہ اختیار کرنا چاہا جس سے ٹیپو کو یقین ہو جائے کہ کارنوالس اس کا دشمن ہے۔ اس نے نظام دکن کو اپنے حلیفوں کی ایک فہرست بھیجی اور ٹیپو کا نام عمداً اس فہرست سے اڑا دیا۔ اب ٹیپو کو یقین ہو گیا کے کارنوالس اس سے ضرور جنگ آزما ہوگا۔ کارنوالس نے نظام اور مرہٹوں کو اپنے ساتھ شامل کر لیا۔ جب ٹیپو ٹرانکور پر حملہ آور ہونے کی فکر میں تھا کارنوالس اس کے خلاف صف آراء ہوا۔ کارنوالس کی حمایت 'کمزور کی مدد کرو' کی بنا پر تھی۔ اسے ٹیپو سے ضرور نبرد آزما ہونا تھا۔ کارنوالس نے پارلیمانی آئین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ٹیپو سے جنگ کی۔

کارنوالس کی کسی بہانے کی جستجو تھی۔ یہ مفروضہ کی ٹیپو ٹرانکور پر حملہ کرنا چاہتا ہے، کافی تھا۔ مرہٹوں اور نظام کو ٹیپو کے خلاف صف آراء ہونے کی دعوت دی گئی۔ انہیں یقین دلایا گیا کہ وہ مفتوحہ علاقہ کی تقسیم میں مساوی طور پر شریک ہوں گے۔ ٹیپو کے خطرے کی ختم کرنے کے لیے انگریز، نظام، مرہٹے سبھی متحد ہو گئے۔ اس اتحادِ ثلاثہ کے مقصد کو مزید کامیاب بنانے اور رائے عامہ کی اخلاقی ہمدری حاصل کرنے کے لیے انگریزوں نے ٹیپو سلطان کی مفروضہ چیرہ دستیوں کو اس انداز میں دور دور تک پہنچا دیا کہ خود اپنے بھی اس سے نفرت کرنے لگے۔ فورٹ ولیم کی دیواروں پر گھڑے ہو کر اعلان کیا گیا کہ 'ٹیپو سفا کی میں چنگیز اور ہلاکو سے بھی کہیں زیادہ ہے'۔ ٹیپو کی جنگی تیاریوں کو حکومتِ مدراس کارنوالس سے بہتر سمجھ سکتی تھی۔ لیکن کارنوالس نے حکومتِ مدارس سے اس معاملہ میں مشورہ نہ کیا۔ ٹیپو نے حکومتِ مدراس کی صاف لکھ بھیجا کہ وہ ٹراونکور پر حملہ نہیں کرنا چاہتا۔ نیز وہ جنگ کے لیے تیار نہیں ہے۔ کارنوالس نے ٹیپو سلطان کے خلاف اس لیے اعلانِ جنگ نہیں کیا تھا کہ وہ ٹراونکور پر حملہ کی فکر میں تھا بلکہ اس لیے کہ ٹیپو جنگ کے لیے تیار نہ تھا۔ کارنوالس نے گورنر مدراس کو لکھا:

> ''حکمتِ عملی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اس عمدہ موقع سے اس
> شہزادے کی قوت میں کمی کر دیں جو ہر معاملہ میں ہماری ملت کا

سب سے بڑا دشمن ثابت ہوتا ہے۔اس وقت ہمیں یقین ہے کہ
ہندوستانی ریاستیں ہماری مدد کریں گی۔۔۔۔لیکن ٹیپو کو فرانس
سے کسی قسم کی مدد نہیں مل سکتی۔اور اگر ٹیپو کی موجودہ حالت کو اس
وقت تک برقرار رکھا گیا جب فرانس اس کی مدد کے قابل ہو جائے
تو بھی اس سے آئندہ جنگ یقینی ہے۔''

کارنوالس کا ٹیپو کے خلاف اعلانِ جنگ نامنصفانہ اور غیر عادلانہ ہے۔مدراس کے گورنر جنرل میڈوز نے ٹیپو کو ایک حقارت آمیز خط بھیجا۔ٹیپو نے نہایت نرم الفاظ میں گورنر کی غلط فہمیوں کو رفع کرنے کی کوشش کی۔لیکن میڈورز کا مقصد ٹیپو سے جنگ کرنا تھا۔جب ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہندی مقبوضات کا حاکم اعلیٰ اور مدراس کا حاکم ٹیپو سے جنگ آزما ہونے کا تہیہ کریں تو اس صورت میں آئین و اخلاق کی کوئی دفعہ انہیں اپنے ارادوں سے باز نہیں رکھ سکتی تھی۔ٹیپو جنگ کے لیے تیار نہ تھا۔اس لیے اس کی توہین کی گئی۔اس کے غیض و غضب کو دل خراش حملوں سے اکسایا گیا۔ٹیپو کو مجبور کر دیا گیا کہ وہ کمپنی سے جنگ کرے۔ٹیپو نے میڈوز کو شکست دی۔کارنوالس میدان میں اتر آیا،وسیع ذرائع،نانا و نظام کی فوجوں اور دیگر حربی سہولتوں کی موجودگی میں ٹیپو کو شکست دینا چنداں مشکل نہ تھا۔بنگلور کو اتحادیوں نے فتح کر لیا۔

بنگلور کی فتح کے بعد کارنوالس سرنگا پٹم کو فتح کرنا چاہتا تھا۔چونکہ ٹیپو کی جنگی تیاریاں نا کافی تھیں اس لیے وہ نامہ و پیام کے ذریعہ صلح کی درخواست کرتا رہا۔لیکن کارنوالس ٹیپو کو شکست دے کر واشنگٹن کا انتقام لینا چاہتا تھا۔امریکی جنگِ حریت کے سالار کا انتقام دکن کے امن خواہ اور صلح جو حکمران سے لیا جا رہا تھا۔جب کارنوالس کی فوجیں سرنگا پٹم کے سواد میں تھیں اس وقت ٹیپو نے کارنوالس کے لیے پھلوں کے چند ٹوکرے بھیجے جنہیں کارنوالس نے بغیر چھوئے واپس کر دیا۔سرنگا پٹم کے نزدیک آری کیسرہ کے مقام پر ٹیپو کو شکست ہوئی۔لیکن بہت جلد سلطان نے اس شکست کا بدلہ لے لیا۔کارنوالس بنگلور میں پناہ گزین ہونے پر مجبور ہو گیا۔اتحادیوں نے سلطان کو سرنگا پٹم میں محصور کر دیا۔ٹیپو نے پھر صلح کی درخواست کی۔اس موقع پر اس کی درخواست پر غور کیا گیا۔۲۳ فروری ۱۷۹۲ء کو ٹیپو اور کارنوالس نے عہد نامہ سرنگا پٹم پر دستخط کیے۔

اس عہد نامہ کی رو سے:

''ٹیپو کو ریاست میسور کا آدھا حصہ اتحادیوں کے حوالے کرنا پڑا
۔ٹیپو کو تین کروڑ تیس لاکھ روپیہ بطور تاوان جنگ ادا کرنا پڑا۔شرائط
کی تکمیل کرنے تک ٹیپو اپنے بیٹوں کو بطور یرغمال بھیج دے''

مالابار، کورگ، ڈنڈی گل اور بارہ محل کے اضلاع انگریزوں کے قبضے میں آئے۔میسور کا جنوب مشرقی حصہ نظام کے حصہ میں آیا۔میسور کا شمال مشرقی علاقہ مرہٹوں کے ہاتھ آیا۔

اس جنگ میں وزارت انگلستان کی نہ صرف اخلاقی ہمدردی کارنوالس کے ساتھ تھی بلکہ انگلستان نے لاکھوں روپیہ کمپنی کو قرض بھی دیا۔ان امور سے اس بات کا اندازہ لگانا نہایت آسان ہے کہ وزارت انگلستان، امریکی نقصانات کی تلافی کے لیے ہندوستان میں اپنی سلطنت وسیع کرنا چاہتی تھی۔۱۷۸۴ء کے آئین کی علانیہ خلاف ورزی کی گئی۔

میسور کی دوسری جنگ امریکی شکست کا نتیجہ تھی۔

مالِ غنیمت کی تقسیم اس انداز سے کی گئی کہ ٹیپو کی سرحدیں ساحلِ سمندر سے دور ہوگئیں۔کارنوالس ہندوستان کی کسی ریاست کی بحری طاقت گوارہ نہیں کرسکتا تھا۔اس تقسیم نے میسور کو بحری طاقت ہونے سے روک دیا۔

تاریخ ہند کے بیشتر برطانوی اور غیر برطانوی مؤرخ کارنوالس کو ہندوستان کا 'مصلحِ اعظم' بنا کر پیش کرتے ہیں۔کارنوالس کی اصلاحات پر قلم اٹھاتے ہوئے بنگال کا مؤرخ باسو کہتا ہے:

''نظام حکومت اور نظم ونسق کے پیشِ نظر کارنوالس اس مدح و
ستائش کا حقدار نہیں جو تاریخِ ہند پر قلم اٹھانے والوں نے اسے
دے رکھی ہے۔ہندوستان پر اس نے برطانوی زاویہ نگاہ سے
حکومت کی نہ کہ ہندوستانی زاویہ ٔ نگاہ سے۔اپنے مقصد میں
کامیاب ہونے کے لیے اس نے ہندوستانیوں کو ذلیل وخوار
کیا۔وہ برطانیہ کو ہندوستان میں قوتِ مقتدرہ بنانے میں کامیاب
ہوا۔اعتماد اور ذمہ داری کے تمام عہدوں سے اس نے
ہندوستانیوں کو نکال دیا۔اس معاملہ میں وہ کلائیو اور وارن ہیسٹنگز

سے بھی بازی لے گیا۔اس نے ہندوستانیوں کو نہ صرف فوجی
عہدوں سے محروم کیا بلکہ شعبۂ نظامت سے بھی۔''

کارنوالس نے فوج کے انگریزی عہدہ داروں کی تنخواہوں میں نمایاں اضافہ کیا۔اور ہندوستانیوں کو سول سروس سے محروم کر دیا۔اس طرح اس نے ہندوستانیوں اور انگریزوں کے درمیاں بغض اور عناد کی ایسی خلیج حائل کر دی جس کے نتائج بعد میں ظاہر ہوئے۔کارنوالس کی عدالتی اصلاحات بھی تمام تر حکومت کے لیے تھیں نہ کہ رعایا کے لیے۔کارنوالس کی عدالتی اصلاحات کی پیدا کردہ بدعنوانیوں کے تذکرہ کے لیے برطانوی مؤرخ ومفکرمل کی تاریخ کو مطالعہ کرنا چاہیے:

''کلائیو نے بنگال کی دیوانی حاصل کرنے کے بعد زرِلگان کا
وہی طریقہ رائج رکھا جو مغلوں کے عہد میں جاری تھا۔وارن
ہیسٹنگز نے زمین کو کمپنی کی ملکیت قرار دیتے ہوئے پہلے پانچ سال
کے لیے پھر سال بسال زمین نیلام کے ذریعہ ٹھیکوں پر دینے کا
طریقہ رائج کیا۔کمپنی اس بندوبست سے بھی مطمئن نہ ہوئی اور
اس (طرزِ بند وبست ) کو اپنی آمدنی کی کمی کا ایک سبب سمجھتی
تھی۔اس لیے جب لارڈ کارنوالس گورن رجنرل بن کر آیا
تو۔۔۔۱۷۹۳ء میں اس نے وزارتِ انگلستان کی منظوری سے
بنگال ،اڑیسہ کی زمینوں پر قابض زمینداروں کے حقوق تسلیم کر
لیے۔اور ہمیشہ کے لیے لگان کی ایک شرح مقرر کر دی۔چونکہ
شرحِ لگان ہمیشہ کے لیے مقرر ہوگئی اس لیے تاریخ میں اس
بندوبست کو بندوبست دوامی کہتے ہیں''۔

بندوبست دوامی کے علاوہ ہندوستان میں دو اور قسم کے بندوبست بھی جاری ہیں۔ایک بندوبست رعیت داری کے نام سے موسوم ہے اور مدراس ،بمبئی اور سندھ میں مروج ہے۔دوسرے بندوبست کا نام بندوبست زمین داری ہے اور یہ بندوبست وسطی ہند صوبجات متحدہ اور پنجاب میں رائج ہے۔

بندوبست دوامی کے رائج ہوتے ہی حکومت کو فصلوں کی تباہی اور زمینوں کے زرخیزی سے واسطہ نہ

رہا۔حکومت کو صرف مقررہ لگان وصول کرنے کی فکر تھی۔اس بندوبست دوامی نے زمینداروں کو مالک بنا دیا۔حالانکہ اس سے پہلے ان کی حیثیت صرف لگان جمع کرنے والوں کی تھی۔حکومت نے اس طرح بڑے بڑے زمینداروں کو اپنا حامی بنالیا۔بندوبست دوامی نے زمین داروں کو وسیع اقطاعِ اراضی کا مالک بنا دیا۔لیکن اس بندوبست میں کسانوں کے لیے کوئی امر بھی تسلی بخش نہیں۔اس کی تمام دفعات کسان کے لیے غیر مفید ہیں۔بندوبست دوامی نے زمین داروں کو یہ حق بخش دیا کہ وہ حکومت کو ہمیشہ کے لیے ایک ہی شرح کے مطابق لگان دیں۔اور کسان کو وہ اس شرح سے کہیں زیادہ اجرت پر کاشتکاری کے لیے اپنی زمین دے سکیں۔

کارنوالس سات سال تک ہندوستان میں رہا۔اس مدت میں اس نے:

۱۔ بنگال، بہار اور اڑیسہ پر کمپنی کو مسلط کر دیا۔

۲۔مغل شہنشاہ کا خراج بند کر دیا۔

۳۔وزارت انگلستان کی مدد سے ہندوستان میں کمپنی کو مقبوضات میں اضافہ کیا۔

۴۔فرانسیسیوں کو ہندوستان سے نکال دیا۔

۵۔ ہندوستانیوں کو وارہ کشوں اور آب برداروں میں تبدیل کر دیا۔

۶۔آئینی اصلاحات کی شکل میں ہندستان میں فتنہ فساد کا بیج بویا۔

۱۷۹۳ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو پارلیمنٹ کی طرف سے ایک نیا فرمان ملا۔اس فرمان کی رو سے کمپنی کو مزید بیس سال کے لیے ہندوستان میں تجارت کرنے کو اجازت مل گئی۔اس فرمان میں اس امر کو وضاحت کی گئی تھی کہ انگریزی قوم کمپنی کی مداخلانہ حکمتِ عملی اور اس کی نصرت جویانہ سرگرمیوں کو اپنی خواہش اور عزت کے خلاف خیال کرتی ہے۔پارلیمنٹ کا یہ اعلان ہندوستان کے ساتھ ہمدردانہ جذبات کا نتیجہ نہیں تھا۔بلکہ انقلابِ فرانس کے ان موجوں کی روک تھام کے لیے تھا جو ساحلِ انگلستان سے ٹکرا رہی تھیں۔نیز اس وقت وزارتِ انگلستان کو اس امر کی اشد ضرورت تھی کہ انگلستان کو دنیا کے سامنے ایک امن پسند ملک پیش کیا جائے۔

۱۷۹۳ء میں کمپنی کی تجارتی اجارہ داری کے خلاف زبردست تحریک جاری تھی۔لیکن پارلیمنٹ نے جدید فرمان منظور کر لیا۔اس فرمان کی رو سے کمپنی کے علاوہ دوسرے تاجروں کو سال بھر میں تین ہزار ٹن

تجارتی مال کو ہندوستان سے باہر لے جانے کی اجازت مل گئی۔

## تین بڑے انقلاب

اٹھارہویں صدی نے تین بڑے انقلاب دیکھے۔انگلستان کا صنعتی انقلاب،امریکہ کا اعلانِ آزادی اور انقلابِ فرانس۔ پہلے دو انقلابوں کا انگلستان کے ساتھ براہِ راست تعلق تھا۔تیسرے انقلاب نے انگلستان سمیت سارے یورپ کو متاثر کیا۔اٹھارہویں صدی کے ہندوستان پر انگلستان کی تاریخ کا براہِ راست اثر پڑا۔ان تینوں انقلابوں نے ہندوستان کو متاثر کیا۔

انگلستان کے نوابوں نے ۱۲۱۵ء میں ایک بغاوت کے ذریعہ شاہ جون سے ماگنا کارتا (فرمانِ عظیم) حاصل کیا۔اس فرمان نے انگلستان کو ایک آئینی ریاست بنا دیا۔انگلستان کے پارلیمنٹ نے بتدریج اپنے اختیارات کو وسیع کیا۔جب جیمز نے انگلستان میں بادشاہ کے آسمانی اختیار کو استعمال کرنا چاہا تو زمین والوں نے اسے ماننے سے انکار کر دیا۔انگلستان اس زمانہ میں سیاسی کشمکش میں مصروف تھا۔جبکہ سارا یورپ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کے خونیں ہنگاموں میں گم تھا۔جیمز اول کے عہد میں پارلیمنٹ اور تاج کی کش مکش ایک واضح صورت اختیار کر چکی تھی۔لیکن اس کا خاتمہ اس کے جانشین چارلس اول کے عہد میں ہوا۔ایک طویل خانہ جنگی کے بعد چارلس اول پر ظالم،غدار،قاتل اور ملک دشمن کے الزام میں مقدمہ چلایا گیا۔اسے جنوری ۱۶۴۹ء کی صبح کو موت کی سزا دی گئی۔اب انگلستان میں کراموِیل کی آمرانہ جمہوریت قائم ہوگئی۔اس کی موت کے بعد چارلس کے بیٹے چارلس دوم کو تخت پر بٹھایا گیا۔اس نے لوئی چہاردہم سے ایک خفیہ معاہدہ کیا۔اس معاہدہ کی رو سے اس نے انگلستان کی خارجہ پالیسی کو ایک لاکھ پونڈ سالانہ کے عوض فروخت کر دیا۔۱۶۸۵ء میں جیمز دوم تخت نشین ہوا۔اس نے پارلیمنٹ سے پھر تنازعہ شروع کر دیا۔اسے ۱۶۸۸ء میں انگلستان سے بھاگنا پڑا۔اس مرتبہ انگلستان کے لارڈوں،سوداگروں اور شریفوں نے کسی دوسرے کراموِیل کو کی آمریت کی مہلت نہ دیتے ہوئے ولیم کو تخت پر بٹھا دیا۔اس مرتبہ سوائے آئرستان کے کسی جگہ خانہ جنگی نہ ہوئی۔ملکہ این کی موت کے بعد پارلیمنٹ نے ایک جرمن

شہزادے کو تخت پر بٹھایا۔ یہ شہزادہ جارج اول کے نام سے حکمران ہوا۔ وہ انگریزی زبان کا ایک لفظ تک نہیں جانتا تھا۔ جارج اول کے زمانہ میں ایوانِ عام کو اس کی آزادی سے محروم کر دیا گیا۔ جارج اول کے بعد جارج دوم اور جارج سوم یکے بعد دیگرے تخت پر بیٹھے۔

۱۶۸۸ء کے انقلاب میں انگریزی پارلیمنٹ کی کامیابی ہوئی۔ لیکن یہ پارلیمنٹ زیادہ تر جاگیرداروں کی نمائندہ تھی۔ چونکہ یہ جاگیریں موروثی تھیں اس لیے اقتدار ایک مخصوص جماعت میں مرتکز ہو گیا۔ اس پارلیمنٹ میں بڑے شہروں کے بعض سوداگر بھی شامل ہو گئے۔ لیکن متوسط طبقہ کے لیے اس میں کوئی جگہ نہ تھی۔ جاگیرداروں نے چھوٹے چھوٹے کسانوں کو ہڑپ کرنا شروع کر دیا۔ لوگوں کی معاشی حالت خراب ہو گئی۔ عوام نے اس بات کے خلاف مظاہرے کیے کہ پارلیمنٹ میں ان کی ترجمانی نہیں کی جاتی۔ اسی اثناء میں انگلستان کی صنعت بتدریج ترقی کر رہی تھی۔ یورپی ملکوں سے مذہبی فسادات میں بھاگے ہوئے صناعوں نے انگلستان میں پناہ لی۔ صرف ہالینڈ سے چالیس ہزار جولاہے مشرقی انگلستان میں آباد ہوئے۔ ان جولاہوں نے انگلستان کی ملبوساتی ضرورت کو اس حد تک پورا کر دیا کہ انگلستان میں ہالینڈ کے کپڑے کی درآمد بند ہو گئی۔ فرانس کے پناہ گزین جولاہوں نے انگلستان میں ریشمی کپڑے کی صنعت کو فروغ دیا۔ یورپ کے ہنگامۂ جدال وقتال سے بھاگے ہوئے بے سروسامان پناہ گزینوں نے انگلستان کو ایک صنعتی ملک میں تبدیل کر دیا۔ انگلستان میں ہر وہ جنس تیار ہونے لگی جسے وہ درآمد کرتا تھا۔ اس صنعتی فروغ نے لندن کی رونق میں اضافہ کیا۔ اس زمانہ میں دنیا کے دوسرے ملکوں کی طرح انگلستان کی یہ دستکاریاں گھریلو تھیں۔ انگلستان میں وہی استادی شاگردی کا سلسلہ تھا جو ہندوستان کی بعض گھریلو دستکاریوں میں اب تک پایا جاتا ہے۔

کے، ہارگریویز اور رچرڈ آرک رائٹ کی ایجادوں نے سوتی کپڑا بننے میں بہت سی آسانیاں پیدا کر دی۔ لیکن ۱۷۵۶ء میں جیمز واٹ نے سٹیم انجن ایجاد کیا۔ اس ایجاد کے بعد فیکٹریوں میں انسانی پٹھوں کی جگہ کوئلے نے لے لی۔ صنعت کی بنیاد لوہے اور کوئلے پر رکھی گئی۔ سبز چراگاہوں کی جگہ فیکٹریوں نے سیاہ دھواں اٹھنے لگا۔ آزاد کسان، اجیر مزدوروں میں بدل گئے۔ جاگیرداروں کا اقتدار کارخانہ داروں کو نصیب ہوا۔ انگلستان مین صنعتی انقلاب کے بعد یہ مشینی انقلاب تھا۔ مشینوں نے گھریلو دستکاریوں کو فنا کر دیا۔ ان دستکاروں نے مشینوں کی ایجاد کے خلاف بہت احتجاج کیا لیکن آخر کار انہیں ان فیکٹریوں میں کام

کرنا پڑا جو مشینوں سے چلتی ہیں۔انگلستان میں ۱۸۰۰ء کے قریب اس قسم کی بے شمار فیکٹریاں قائم ہو چکی تھیں۔ان ابتدائی فیکٹریوں کے مالک مزدوروں سے اچھا سلوک نہیں کرتے تھے۔اس انقلاب نے انگلستان کی سماجی اور سیاسی زندگی کو بدل دیا۔کارخانہ داروں نے ازمنۂ وسطیٰ کے بادشاہوں کے ظلِ الٰہی کے نظریہ کی طرح 'تجارت میں احتراز کا نظریہ قائم کیا۔'اس نظریہ کی رو سے حکومت کو تجارتی معاملات میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں۔

انگلستان میں صنعتی انقلاب اٹھارویں صدی کے وسط میں ہوا۔اس زمانہ میں انگریز ہندوستان اور کینڈا میں لڑائیاں لڑ رہے تھے۔اسی زمانہ میں ہفت سالہ جنگ ہوئی۔جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے اسی زمانہ میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے بنگال کی دولت کو لوٹا۔انگلستان کو اسی دولت نے بہت زیادہ تجارتی فروغ دیا۔

## امریکہ کی آزادی

صنعتی انقلاب اور فرانسیسی انقلاب کے درمیان ایک اور انقلاب رونما ہوا۔یہ انقلاب امریکی نو آبادیات میں ہوا۔امریکہ کی برطانوی نو آبادیات انگلستان سے الگ ہو گئیں۔اس انقلاب میں امریکہ اور برطانیہ نہیں لڑ رہے تھے بلکہ یہ جنگ امریکہ اور برطانوی حکومت میں تھی۔کیونکہ وہگ پارٹی کے بہت سے ممبر امریکی نو آبادیات کے حق میں تھے۔یہ ممبر امریکی نو آبایوں کو جارج سوم کے شاہی اقتدار میں اضافہ کے لیے استعمال نہیں ہونے دینے چاہتے تھے۔

اٹھارہویں صدی کے آغاز تک شمالی امریکہ میں برطانیہ کے زیرِ اثر اس کی تیرہ نو آبادیاں قائم ہو چکی تھیں۔یہ ریاستیں امریکہ کے ساحلی علاقے میں تھیں۔اس ریاستوں کے آگے امریکہ کے اصلی باشندوں کی پانچ بڑی بری ریاستیں تھیں۔شمالی ریاستوں کی نسبت جنوبی ریاستوں میں حبشی غلاموں سے بہت زیادہ کام لیا جاتا تھا۔کیونکہ امریکہ کے اصلی باشندے (ریڈ انڈین) غلاموں کی طرح کھیتی باڑی کرنے سے انکار کر دیتے تھے اس لیے ان غلاموں کو افریقہ سے درآمد کیا جاتا تھا۔امریکہ کی یہ ریاستیں اگرچہ ایک دوسرے سے مختلف تھیں لیکن پھر بھی وہ اپنے مشترکہ دشمنوں کے مقابلے میں متحد تھیں۔انہوں نے مل کو امریکہ کے باشندوں کو تباہ کر دیا۔جنگ ہفت سالہ کے بعد فرانس نے امریکہ سے دست برداری کا اعلان کر دیا۔اب ان ریاستوں کے سامنے صرف برطانوی پارلیمنٹ سے رہائی حاصل کرنے کا مسئلہ

تھا۔ جنگ ہفت سالہ کے بعد انگلستان نے بنگال کی طرح امریکہ کی دولت بھی لوٹنا چاہی۔ لیکن آبادکاروں نے برطانوی پارلیمنٹ کے عائد کردہ ٹیکسوں کے خلاف احتجاج شروع کر دیا۔ جنگِ ہفت سالہ ہر اس مقام پر لڑی گئی جہاں انگریز اور فرانسیسی آباد تھے۔ امریکہ میں بھی انگریزوں اور فرانسیسیوں میں لڑائی ہوئی۔ اس لڑائی نے شمالی امریکہ کی ان تیرہ برطانوی نوآبادیوں کی جنگی تربیت کر دی۔ اب وہ برطانیہ کے خلاف بھی لڑ سکتی تھیں۔ ۱۷۷۳ء میں برطانوی حکومت نے ان نوآبادیوں کو مجبور کر دیا کہ وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی چائے خریدیں۔ امریکی نوآبادیوں نے اس درآمد کے خلاف احتجاج کیا۔ ان نوآبادیوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی چائے کے بائیکاٹ کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ دسمبر ۱۷۷۳ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا چائے سے لدا ہوا جہاز بوسٹن کی بندرگاہ میں لنگر انداز ہوا تو ان آبادکاروں نے جہاز میں داخل ہو کر چائے کے بنڈلوں کو پانی میں پھینک دیا۔ امریکہ کی تاریخ میں یہ واقعہ 'بوسٹن ٹی پارٹی' کہلاتا ہے۔ اگلے سال برطانیہ اور اس کی امریکی نوآبادیوں میں جنگ شروع ہو گئی۔ یہ جنگ تقریباً سات سال تک جاری رہی۔ اس جنگ کے دوران امریکی ریاستوں نے اعلانِ آزادی کی پیش کیا۔ ان تیرہ ریاستوں کو ملا کر ان کا نام 'متحدہ ریاست ہائے امریکہ' رکھا گیا۔ ان متحدہ ریاستوں کی جمہوریت کا پہلا صدر واشنگٹن تھا۔ اس وقت ان ریاستوں کی مجموعی آبادی پچاس لاکھ سے بھی کم تھی۔ امریکہ کے 'اعلانِ آزادی' کی ہر سطر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اعلان اٹھارہویں صدی کے فرانسیسی فلسفیوں اور مفکروں کے خیالات کا نتیجہ ہے۔ 'اعلانِ آزادی' اور روسو کی 'معاہدہ عمرانی' کا پہلا جملہ مشترک ہے۔

اٹھارہویں صدی کے آغاز میں پروشیا (جرمنی) نے دوسری جرمن ریاستوں پر اقتدار حاصل کر لیا۔ پیٹر نے ماسکو کی سلطنت کو تاتاری روایات سے الگ کیا۔ یورپ کی سترہویں صدی فرانس کے لوئی چہاردہم کی صدی ہے۔

## انقلابِ فرانس

لوئی چہاردہم نے اپنے عظیم الشان کام کی تکمیل کے لیے انتہائی قابلیت صرف کی۔ حکومت کا ایک خاص نظریہ قائم کیا۔ فریڈک اعظم کی طرح اس کی پیشانی ہمیشہ عرق آلود رہتی تھی۔ 'محنت سے انسان حکومت کر سکتا ہے محنت ہی کے لیے حکومت کی جاتی ہے۔ پادشاہت کی خواہش اور محنت سے گریز، خدا کی ناسپاس گزاری اور انسانیت پر سب سے بڑا ظلم ہے۔' یہ الفاظ لوئی چہاردہم کی زبان سے سنے گئے۔ لوئی

کے پیشِ نظر فرانس کی داخلی تنظیم اور خارجی عظمت تھی۔ وہ فرانس کو مغرب کی سیاسی زمین کا محور بنانا چاہتا تھا۔

لوئی فرانس کا مطلق العنان بادشاہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے عہد میں 'سٹیٹس جنرل' سے کبھی کسی مقرر کی صدا نہ اٹھی۔ پارلیمنٹ کے دروازوں پر قفل لگا دیے گئے۔ صوبائی آزادی ختم ہو چکی تھی۔ لوئی چہار دہم فخریہ یہ کہتا تھا: 'میں ریاست ہوں'۔ 'میرے بعد طوفان' کہتے ہوئے لوئی چہار دہم نے ۱۷۱۵ء میں جان دی۔

عہد لوئی کے آسمانِ عظمت پر ستاروں کی طرح چمکنے والے بال زک، دی کارتے، پاسکلی، پاسن، مولیئرے، دی زر، لاروش زکار، لورین کارنیل، لافانتین، راسین، بوسیو، بولیو اور فلیون تھے۔

رشلو اور لوئی چہار دہم نے شخصی حکومت کو انتہا تک پہنچا دیا۔ 'اسٹیسٹس جنرل' بالکل ختم ہو چکی تھی۔ لوئی پانزدہم کے دور میں فرانسیسی بادشاہت کو زوال آنا شروع ہو گیا۔ اس کے جانشین کو تختۂ دار پر لٹکا دیا گیا۔ انقلابِ فرانس کے اسباب و علل لوئی شانزدہم کے عہدِ حکومت سے قبل فرانس کی تمدنی معاشری اور دینی و سیاسی زندگی میں تلاش کرنے چاہئیں۔

لوئی چہار دہم بلاشبہ فرانس کا سب سے بڑا بادشاہ تھا۔ لیکن اس کی یہی 'عظمت' انقلابِ فرانس کا باعث بنی۔ جاگیرداری کے خاتمہ کے بعد فرانس میں پادشاہت مستحکم اور مضبوط ہو گئی۔ پادشاہت کا یہی استحکام انقلاب کا موجب بنا۔ جاگیردارانہ نظامِ حکومت کے خاتمہ کے بعد فرانس میں جو جدید طرزِ حکومت قائم ہوئی اس کا تمام تر اقتدار شاہی کونسل میں مرکوز تھا۔ یہی کونسل تمام ادروں اور شعبوں کی اجارہ دار تھی۔ یہی کونسل عدالتِ عالیہ تھی۔ کیونکہ اسے تمام عدالتوں کے خلاف قلم اٹھانے کا اختیار تھا۔ مجلسِ قانون ساز کا کام بھی اسی شاہی کونسل میں شامل تھا۔ کیونکہ سٹیٹس جنرل کا ستر ہویں صدی کے بعد کوئی اجلاس نہیں ہوا تھا۔ مال اور نظامت بھی شاہی کونسل کے اختیار میں تھے۔ تمام فرانس پر اسی کونسل کی حکومت تھی۔ محاصل میں زیادتی اور کمی کا حق بھی اسی کونسل کو تھا۔

سرزمینِ فرانس کا پانچواں حصہ کلیسا کے قبضہ میں تھا۔ امراء کی طرح کلیسا بھی محاصل کے بوجھ سے آزاد تھا۔ مجلسِ کلیسا میں، جس کا اجلاس ہر پانچ سال بعد ہوتا تھا، ہر بار پادشاہوں سے مراعات حاصل کی جاتی تھیں۔ علاوہ ازیں کلیسا مقامی حکام سے بھی فائدہ اٹھاتا رہتا تھا۔ کلیسا کے اختیار میں سیاسی اقتدار

بھی تھا۔تمام درس گاہیں کلیسا ہی کے زیرِ ہدایت تھیں۔احتساب کے کلی اختیارات بھی کلیسا کو حاصل تھے۔

کیمبرائے کا لاٹ پادری پچھتر ہزار انسانوں پر حکومت کر رہا تھا۔طولو کے لاٹ پادری کی آمدنی چون ہزار پونڈ سالانہ تھی۔رون،ٹرائے اور سٹرس بورج کے پادریوں کی آمدنی اس قدر تھی کہ ان کے محلات شاہی محلات کا مذاق اڑا رہے تھے۔

انگلستان کے انقلاب اور اس کے فلسفیوں کے افکار و آراء نے بھی فرانسیسیوں کے سینوں میں استبداد کے خلاف آگ بھڑکا دی۔ بکلے ہمیں بتاتا ہے کہ لوئی چہاردہم کی موت اور انقلابِ فرانس سے قبل شاید ہی کوئی فرانسیسی ایسا تھا جو انگلستان نہ گیا ہو۔

شاہی کونسل کے استبداد کلیسا کے اقتدار، برطانوی افکار اور امریکی جنگِ آزادی کے تاثرات نے فرانس کے طبقۂ اولیٰ کی تعیش پسندیوں سے مل کر انقلاب کو قریب سے قریب تر کر دیا۔

فرانس میں طبقۂ اولیٰ کی ایک جداگانہ جماعت تھی جس کے افراد تقریباً چالیس ہزار تھے۔یہ جماعت محاصل سے بری اور متعدد مراعات کی حامل تھی۔تخت و تاج کی کمزوری ان کی تقویت کا باعث ہوتی۔اگر پادشاہ کمزور ہوتا تو وہ انہیں کلیسا و ریاست کے سب سے بڑے عہدوں پر سرفراز کرتا۔غربا کی تنگ دستیوں سے یہ امراء قطعی طور پر انا واقف ہوتے۔رشلو کی حکمتِ عملی نے اگرچہ ان امراء کا خاتمہ کر دیا تھا تاہم انقلاب کے زمانہ میں لاوندی کی امرائیت نے پادشاہت کی حفاظت کے لیے تلوار اٹھائی۔

شاہی دربار فضول خرچیوں کے لیے مشہور ہو چکا تھا۔ورسائی کی شان و شوکت حد سے متجاوز کر گئی تھی۔شہزادوں اور شہزادیوں کے خدام کی اس قدر کثرت تھی کہ ملکہ کے خادموں کی تعداد پانچ سو اور پادشاہ کے ملازم ایک ہزار کے قریب تھے۔لوئی چہاردہم نے ایک محل پر تیس ملیون پونڈ صرف کیے۔لیکن اس کا جانشین تیس لاکھ پونڈ میں 'آہو چشم' خرید کرتا ہے۔شاہی دربار میں بادہ کشوں کی بلانوشی خم کے خم خالی کر دیتی۔حسین ترین فرانسیسی لڑکیوں کی برہنگی، قد و قامت اور مناسبتِ اعضاء خرد باختہ شرابیوں پر جو کیفیت طاری کرتے اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

طبقہ اول کا طبقۂ متوسط بھی شاہی مراعات کا حامل تھا۔اس طبقہ کے افراد حکومت کے مختلف شعبوں کے عہدے خرید کر فائدہ اٹھاتے تھے۔دونوں طبقوں کی یہ کیفیت ہو تو محاصل کے بوجھ مزدور یا کسان کے

کندھوں کے سوا اور کون اٹھا سکتا تھا؟

عوام سے روپیہ چھین کر انہیں اس قدر مفلس اور غریب کر دیا گیا کہ خود مفلسی کو اپنے شکاروں پر رحم آتا۔ سرکاری عہدہ دار ہر سال دیہاتی آبادی کو مجبور کرتے کہ وہ سڑکیں بنائیں اور پُل تیار کریں لیکن اجرت کے لیے ایک لفظ بھی زبان پر نہ لائیں۔ ان کے چہرے محنت، تمازت اور کمی خوراک سے اترے ہوتے۔ ان کا لباس کہنیوں اور گھٹنوں سے پھٹا ہوتا۔ سرد ہوائیں ان کے ہونٹوں کو نیلا اور خون سرد کر دیتیں۔

فرانس کا کسان اپنے مرزع ہستی میں بدبختی کے بیج بوتا۔ اس کے کھیت شکار گاہوں کا کام دیتے۔ جب آقا اس کی متاعِ حیات لوٹ لیتا تو دینی پیشوا اس کے روحانی ارتقاء کا معاوضہ شائی لاک کی طرح اس کے جسم سے گوشت کاٹ کر وصول کرتا۔

مظالم نے فرانس میں گداگروں کی تعداد میں اضافہ کر دیا۔ انہیں مطبح کی جگہ زنداں بھیج دیا۔ ۱۷۶۷ء میں پچاس ہزار گداگر گرفتار کیے گئے۔ لیکن دس سال بعد ان بے ساز و برگ انسانوں کی تعداد دس لاکھ سے زیادہ تھی۔

شاہی کونسل کی مرکزیت، کلیسا کے مظالم، امریکی اور برطانوی افکار کے تاثرات، امراء کی تعیش پسندی، تاج و تخت کی بے نیازی، طبقۂ متوسط کی مراعات، کسان کی بدبختی، مزدوروں کی بربادی اور گداگروں کی کثرت اٹھارہویں صدی کے فرانس کا آئینہ ہیں۔

لوئی پانزدہم کی موت کے بعد ۱۷۷۴ء کو لوئی شانزدہم تخت نشین ہوا۔ تخت نشینی کے وقت لوئی کی عمر بیس برس اور ملکہ فرانس کا سن اٹھارہ سے زیادہ نہ تھا۔

ملکہ حسن کی جیتی جاگتی تصویر تھی۔ دربار میں اس کے اردگرد نوجوانوں کا مجمع رہتا۔ جب لوئی شانزدہم کے سر پر پہلی مرتبہ تاج رکھا گیا تو اس کی زبان سے کلمہ نکلا 'تاج مجھے تکلیف دیتا ہے'۔ لوئی اپنا زیادہ وقت شکار میں صرف کرتا۔ قفل سازی اس کا شغل تھا۔ شاید وہ اپنے ایوانِ تقدیر کے لیے بھی کوئی قفل تیار کر رہا تھا۔ لوئی کے خیال میں رعایا کے لیے خدا کی طرح بادشاہ کی۔۔۔ اطاعت بھی فرض ہے۔ لوئی ذہنی اعتبار سے ایک پست انسان تھا۔ اس کی ملکہ انطونیہ سیاسی معاملات میں بہت زیادہ دخیل تھی۔ اس کی یہ مداخلت انقلاب کے اسباب میں ایک اہم سبب تھی۔ لوئی کی تخت نشینی کے وقت فرانس میں ذہنی انقلاب

رونما ہو چکا تھا۔ فرانس کے فلسفی اور ادیب اپنا کام کر چکے تھے۔ لوئی کے ابتدائی ایامِ حکومت میں حریتِ فکر نے اپنے لیے جگہ پیدا کر لی۔ لوئی کے لیے انقلاب کو روک دینا ناممکن تھا۔ فرانس کا شاہی خزانہ خالی ہو چکا تھا۔ عوام استبداد سے عاجز آ چکے تھے۔ نظم و نسق کا سرے سے وجود ہی نہیں تھا۔ تاج کی طرف سے سرکاری عہدے فروخت ہوتے تھے۔ فرانس کی ساری آبادی تین طبقوں میں تقسیم ہو چکی تھی۔ اہلِ کلیسا، امراء اور عوام: پہلا طبقہ، دوسرا طبقہ، تیسرا طبقہ۔ اہلِ کلیسا اور امراء بڑے مزے میں تھے۔ لیکن عوام انتہائی درجہ افلاس سے ایامِ زیست گزار رہے تھے۔ تباہ حال اور غریب تمام ٹیکسوں کا بار اٹھائے ہوئے تھے۔ حکومت ان ٹیکسوں کی وصول کی ٹھیکہ نیلام کرتی تھی۔ چنانچہ محصل ٹیکس وصول کرتے وقت کون سا ظلم روا نہ رکھتے تھے؟

ایک محصل فرانس کے کسی گاؤں میں پہنچ چکا ہے۔ 'ٹیکس دو' اس نے غریب کسانوں سے کہا۔ حضور کھانے کے لیے کچھ نہیں ملتا۔ ٹیکس کہاں سے دیں؟' ایک کسان نے جواب دیا۔ 'کپڑے اتار لو۔' محصل نے اپنے ملازموں سے کہا۔ یہی محصل ایک بڑھیا کے ہاں پہنچ کر ٹیکس کا مطالبہ کرتا ہے۔ ''میرے پاس کوئی پیسہ نہیں۔ رحم!' اس نے کہا۔ اس بڑھیا کے برتن قرق کر لو۔ محصل نے حکم دیا۔ بڑھیا ان الفاظ کو سنتے ہی اپنے 'جامِ سفال' سے چمٹ گئی۔ لیکن 'جامِ جم' کے حامل کے حکم سے اس بڑھیا کے ہاتھ کاٹ دیے گئے۔ جب ایک فرانسیسی افسر سے کہا گیا کہ لوگوں کے پاس اتنا پیسہ بھی نہیں کہ وہ نانِ شبینہ تک خرید سکیں۔'' 'وہ گھاس پر زندہ رہیں۔' اس نے جواب دیا۔ انقلابِ فرانس کے ابتدائی ایام میں اس افسر کے منہ میں گھاس ٹھونس کر اسے تختۂ دار پر لٹکا دیا گیا۔ فرانس کے کسی دوسرے گاؤں میں چلیے۔ چند کسان اپنے ہاتھوں سے زمین کھود رہے ہیں۔ 'پاگل ہو گئے ہیں کیا؟' 'نہیں تو 'دفینہ تلاش کر رہے ہیں؟' 'نہیں!' تو پھر'

'ہل قرق ہو چکے ہیں، ہاتھ باقی ہیں۔'

تیسرے طبقہ میں چند سرمایہ دار بھی تھے۔ یہ لوگ اگرچہ خوش حال تھے۔ لیکن عوام کی بے چینی سے ان کے دل میں حکومت کے کاروبار پر قابض ہونے کی تمنا پیدا ہو گئی۔ وہ عوام کے رہنما بن گئے۔ انقلابوں کی تاریخ میں یہ نو دولت سرمایہ دار بورژوا کہلاتے ہیں، انقلابِ فرانس نے اس امر کو ثابت کر دیا کہ بورژوا رہنمائی، خواہ وہ انقلاب کے لیے ہی کیوں نہ ہو، عوام کے لیے مفید نہیں ہو سکتی۔

لوئی نے انقلاب کو روکنا چاہا۔لیکن انقلاب کا سیلاب تاج وتخت کو تنکوں کو طرح بہالے گیا۔لوئی نے چاہا کہ اصلاحات سے فرانس کے تاج وتخت کو بچالے۔ چنانچہ اس نے 'اصلاحات' کا دروازہ کھول دیا۔فرانس کی صوبائی مجالسِ قانون کو بحال کر دیا۔اس نے قلمدانِ وزارت ترجو کے حوالے کر دیا جس نے نہایت جان فشانی سے فضول اخراجات کم کرنے کی سعی کی۔فرانس کے ہر ایک شعبہ میں نئی زندگی کے آثار نمایاں ہونے لگے۔شاہی دربار کے اخراجات کم کر دیے گئے۔محاصل وصول کرنے میں بہت سی تبدیلیاں کر دی گئیں،تجارتی اجارہ داری کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔زراعتی ترقی کے لیے جدید اصول تراشے گئے۔فرانس کی حدود میں غلہ کی آزاد تجارت کو رواج دیا گیا۔

لوئی سانزدہم کا عہد اقتصادی مسائل کے لیے ایک تجربہ گاہ تھا۔جس سے یکے بعد دیگرے مختلف خیال کے فلسفیوں،مفکروں اور مدبروں نے مشاہدات کیے۔ترجو کے بعد نیکر تجربہ گاہ میں داخل ہوا۔نیکر نے اپنے افکار کی صحت کے جواز میں ایک کتاب لکھی۔جس کی اسی ہزار جلدیں چند دنوں میں بک گئیں۔

شاہی فرمانوں کے ذریعے فرانس کے تمام صوبوں میں مجالس قانون ساز بنائی گئیں۔ان احکام نے فرانس میں جدید طرزِ حکومت کے لیے راستہ صاف کر دیا۔ان مجالس نے صوبوں کے مطلق العنان حاکموں کی اکڑی ہوئی گردنیں جھکا دیں۔دیہاتی آبادی میں بھی اس قسم کی چھوٹی چھوٹی پنچائتیں بنا دی گئیں۔

نفاذ اصلاحات کے باوجود ایک سال بعد انقلاب کا رونما ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ اصلاحات کی خیرات پادشاہت کے خزانوں سے اس وقت نکالی گئی جب افراد بغاوت پر آمادہ ہو گئے تھے اور رعایا معمولی مراعات کے خشک ٹکڑوں پر زندہ رہنے پر آمادہ نہ تھی۔لوئی اور اس کے خواجہ تاش بھول گئے کہ بری حکومت کے لیے سب سے برا وقت وہ ہوتا ہے جب اصلاحات اور افلاس متصادم ہوں۔

اگرچہ ترجو اور نیکر دونوں ناکام ہوئے تاہم نیکر نے اپنے لیے نمایاں مقبولیت حاصل کر لی۔نیکر کے زوال کے بعد قدامت پسندی نے اپنے لیے راستہ صاف کرنا چاہا۔۔۔اصلاحات کا دروازہ بند کر دیا گیا۔میریا انطونیہ کی فضول خرچی اپنا رنگ لائے بغیر کیونکر رہ سکتی تھی؟

۱۷۸۳ء میں کلونی نے قلمدانِ وزارت سنبھالا۔چار سال میریا انطونیہ اور دربار کی عنایت سے وہ اپنے عہدہ پر برقرار رہا۔اس زمانہ میں بھی دولت پانی کی طرح بہتی رہی۔حکومت کی بدعنوانیوں سے تنگ

آ کر کلونی نے فروری ۱۷۸۷ء میں عمائدِ فرانس کو اجلاس کی دعوت دی۔اس اجلاس میں پادریوں،امیروں اور دیگر عہدہ داروں نے شرکت کی۔کلونی نے نہایت جرأت سے ان کے سامنے تمام اعداد وشمار پیش کرتے ہوئے کہا کہ گزشتہ دس سال میں حکومت پانچ کروڑ قرض لے چکی ہے۔

کلونی کے بعد لمونی دی برین آیا۔اس نے بھی مجبور ہو کر کلونی کی بعض دستاویز پر عمل کرنا چاہا۔پارلیمنٹ نے وزیر کی اس تجویز پر اتفاق کیا کہ تمام صوبوں میں مجالس مقرر کر دی جائیں لیکن جدید محاصل عائد کرنے کی سخت مخالفت کی۔بادشاہ نے پارلیمنٹ کے ارکان کے ساتھ سختی کا سلوک کیا۔پارلیمنٹ نے اس امر کو فراموش کرتے ہوئے کہ وہ بھی طبقۂ اولیٰ کا ایک ادارہ ہے حکومت سے مجلس شوریٰ کے انعقاد کا مطالبہ کیا۔حکومت نے چاہا کہ سختی سے اپنے ارادوں میں کامیاب ہو جائے۔لیکن حکومت کے کانوں میں ہر سمت سے مخالفت کی آواز آ رہی تھی۔آخر کار بادشاہ نے فیصلہ کیا کہ وہ مجلس شوریٰ کو دعوت دے گا۔اگست ۱۷۸۸ء کو وزارت نیکر کے سپرد کر دی گئی۔

فرانس میں حکومت کے خلاف جذبات پرورش پا رہے تھے۔پیرس نے مناظروں اور مباحثوں کے ہال کی صورت اختیار کر لی تھی۔حکومت کو ہر روز اپنی کمزوری کا احساس ہو رہا تھا۔مجلسِ شوریٰ کے انعقاد میں تاخیر میں حکومت کو کافی نقصان پہنچایا۔اس درمیانی مدت میں خطبوں اور رسالوں نے لوگوں کے دلوں کو حکومت سے متنفر کر دیا تھا۔سائیس کے ایک رسالہ نے عوام پر بہت اثر کیا۔اس اثناء میں حکومت نے مختلف جماعتوں کو اس امر کو دعوت دی کہ وہ اپنی اپنی مشکلات 'مجلسِ طبقات' میں پیش کریں۔اس شاہی اعلان سے حکومت کے رازہائے دورونِ پردہ ظاہر ہو گئے۔

عوام کے نمائندوں کی تعداد اگرچہ دگنی کر دی گئی تھی تاہم بادشاہ اور نیکر یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ فرانس کی تین جماعتیں علاحدہ علاحدہ رائے دیں گی یا ایک مشترکہ اجلاس میں۔جب تک اجلاس مشترکہ نہ ہو عوام اس رعایت سے کیونکر فائدہ اٹھا سکتے تھے؟ آخری وقت تک اس مسئلہ کا کوئی حل پیش نہ کیا گیا۔

مجلسِ طبقات کے اجلاس کی تاریخ ۵ مئی ۱۷۸۹ء میں مقرر کی گئی۔ہال کی آرائش بادشاہ کی نگرانی میں ہوئی۔سٹیج کے وسط میں بادشاہ کا تخت نظر آتا ہے۔تخت کے پاس ہی میر یا انطونیہ کی آرام کرسی ہے۔اردگرد امیروں اور وزیروں کی نشست گاہ ہے۔دائیں طرف پادریوں کے لیے بنچ ہیں۔بائیں طرف طبقۂ امراء کے نمائندوں کی جگہ ہے۔گیلری میں تماشائیوں کے لیے جگہ نظر آتی ہے۔

درباری، امیر، وزیر اور پادری داخل ہوتے ہیں۔عوام دو گھنٹہ تک اسی عمارت کی دربانی پر مجبور کیے گئے۔ڈیوک آف آرلینئیز اور نیکر کے داخل ہوتے وقت مرحبا، مرحبا کی صدائیں اٹھتی ہیں۔میرابیو بھی داخل ہوتا دکھائی دیتا ہے۔بادشاہ اور ملکہ مسکراتے ہوئے تخت اور کرسی پر بیٹھ جاتے ہیں، مرابیو، رابس پیئر ، گیولی تن ، سائس اور بیلی کے علاوہ ان میں اور بہت سخت جان اور سخت دل نمائندے دکھائی دیتے ہیں۔طبقہ امراء کے نمائندوں میں لافیطی ، چارلس اور تونری نظر آتے ہیں۔دینی نمائندوں کی جماعت میں ایبی میورے کا نام قابلِ ذکر ہے۔بادشاہ تقریر کرتا ہے ،اس کے الفاظ مہمل اور بے معنی ہیں۔مجلسِ طبقات کی امیدیں پوری ہوتی دکھائی نہیں دیتیں۔

تیسرے طبقے نے پادریوں اور امیروں سے درخواست کی کہ وہ ان کے ساتھ شامل ہو کر ایک ایوان بنائیں۔لیکن دینی پیشواؤں اور دولت مندوں نے ان کی ایک نہ سنی۔وہ مجلس جس کا انعقاد اصلاحات کا پیش خیمہ تھا چھ ہفتے تک اسی معاملہ میں بحث وتمحیص کرتی رہی۔اسی اثناء میں پیرس کی آبادی میں جوش وخروش بتدریج بڑھ رہا تھا۔تیسرے طبقے کے نمائندوں کا یہ مطالبہ تھا کہ 'مجلسِ طبقات' کے اراکان کا مشترکہ اجلاس ہونا چاہیے۔لیکن ایک ماہ تک اہل کلیسا اور طبقۂ امراء کے نمائندوں نے تیسرے طبقے کا یہ مطالبہ تسلیم نہ کیا۔تنگ آ کر انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ دونوں طبقوں کے نمائندوں کو مشترکہ اجلاس کی آخری دعوت دی جائے۔اور اگر نہ مانیں تو ان نمائندوں کے بغیر مجلسِ طبقات کا کام شروع کیا جائے۔پادریوں اور امیروں کے نمائندوں پر اس دعوت کا کوئی اثر نہ ہوا۔چنانچہ ۱۷ جون ۱۷۸۹ء کو تیسرے طبقے کے ان نمائندوں نے ایک علیٰحدہ 'مجلسِ قومی' قائم کر لی اور عوام کے حقوق کے متعلق ایک اعلان کیا۔فرانس کے عوام کی تمام تر ہمدردیاں مجلسِ قومی کے ساتھ وابستہ ہو چکی تھیں۔لوئی نے اس مجلس قومی کو ختم کر دینے کا عزم کیا۔چنانچہ ۲۰ جون ۱۷۸۹ء کو مجلسِ قومی کے لیے دروازے بند کر دیے گئے۔کیا اعلانِ آزادی کے لیے کسی اسمبلی ہال کا ہونا ضروری ہے؟ مجلس کے ارکان ٹینس گھر میں جمع ہو گئے۔اس پرانی اور شکستہ عمارت میں فرانس کی قسمت کا فیصلہ کیا گیا:

> "مجلسِ قومی ہر حالت میں مجلسِ قومی رہے گی خواہ اس کا
> انعقاد کسی مقام پر ہو۔کوئی طاقت مجلسِ قومی کو اس کے کام سے باز
> نہیں رکھ سکتی۔مجلسِ قومی اس امر کا عہد کرتی ہے کہ جب تک

بنیادی نظام نافذ نہ ہو جائے وہ اپنے منصب سے ہرگز نہیں ہٹے گی۔''

فرانس کا یہ ٹینس گھر زمانہ کے انقلاب پسندوں کی زیارت گاہ رہے گا۔فرانس کی حکومت نے مجلسِ قومی کو اس ٹینس گھر سے محروم کر دیا۔دوسرے دن ٹینس گھر پر پولیس کا پہرہ تھا۔ایک طرف مجلس قومی کے ارکان حریت کے لیے کوشش کر رہے تھے اور دوسری طرف ملوکیت اور امارت متحد تھی۔۲۳ جون کو 'شاہی اجلاس' منعقد ہوا۔ تینوں طبقوں کے نمائندوں نے اس میں شرکت کی۔لیکن طبقہ امراء نے لوئی سے ساز باز کر لی تھی۔چنانچہ اس شاہی اجلاس میں مجلس قومی کے نمائندوں کے اس مطالبے کو مسترد کو دیا گیا کہ مجلسِ طبقات میں تینوں طبقوں کے ارکان کا مشترکہ اجلاس ہوگا۔شاہی اجلاس برخاست ہوا مگر مجلس قومی کے ارکان ہال سے باہر نہ نکلے۔چنانچہ مجلس قومی کا اجلاس ہوا۔اس اجلاس میں اعلان کر دیا گیا کہ 'جو کوئی مجلسِ قومی کے ارکان پر ہاتھ اٹھائے گا، وہ موت کی سزا کا مستوجب ہوگا۔''مجلسِ قومی کے اس فیصلہ نے لوئی کو خوف زدہ کو ر دیا۔چنانچہ ۲۷ جون ۱۷۸۹ء کو لوئی کے حکم سے تینوں طبقوں میں اتحاد ہو گیا۔

لیکن لوئی شانزدہم انگلستان کے چارلس اول کی طرح جمہوری اصول تسلیم کر لینے کے بعد اس نے منحرف ہونے کا آرزومند تھا۔دونوں کے لیے تقدیر کا ایک ہی فیصلہ تھا۔۱۲ جولائی ۱۷۸۹ء کو لوئی نے نیکر کو برخاست کر دیا۔اسی اثناء میں لوئی کی غیر ملکی فوج پیرس پہنچ گئی۔چنانچہ ۱۳ جولائی ۱۷۸۹ء کو مجلس قومی نے بادشاہ سے درخواست کی کہ وہ غیر ملکی سپاہیوں کو ہٹا دے۔لیکن کوئی نہ مانا۔۱۳ جولائی اپنی آغوش میں اجلاس لیے سو گئی۔

## ۱۴ جولائی

نوجوان کیملی ہاتھ میں پستول لیے ہوئے 'مسلح ہو جاؤ' کا نعرہ لگاتا ہے۔اس نے فوجی نشان کی جگہ درخت کی ایک شاخ کاٹ کر اپنی ٹوپی میں لگا لی۔نوجوان انقلاب پسندوں کا ہجوم اس کے اردگرد جمع ہے۔انقلاب پسند اسلحہ فروشوں کی دکانوں پر ٹوٹ پڑے۔سوائے بندوقوں اور کارتوسوں کے یہ انقلاب پسند کسی چیز کو نہ چھوتے تھے۔پیرس کی نگہداشت اس کے بیٹوں کے سپرد کر دی گئی۔زندانِ لافرانس کے دروازے کھول دیے گئے۔کیونکہ اس جیل میں صرف مقروض مقید تھے۔پیرس میں مکمل نظم وضبط رہا۔صرف اسلحہ فروشوں کی دکانوں سے اسلحہ لوٹ لیا گیا۔پیرس میں بسنے والوں کے امتحان کے لیے قحط

نازل ہوا۔روٹی کے لیے لوگوں کو گھنٹوں نان بائیوں کی دکانوں پر انتظار کرنا پڑتا۔حالات نازک ترین صورت اختیار کر رہے تھے۔تاہم پیرس ہر قسم کی شرارتوں سے پاک رہا۔کسی عورت کی عصمت پر حملہ نہ کیا گیا۔بھوکے پیرسی نانِ جویں کی طرف حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے۔لیکن چوری کی جرأت نہ کرتے۔انہیں دنوں ایک شہری کو دوسرے شہری کی مرغی چرانے کے جرم میں تختۂ دار پر لٹکا دیا گیا۔

جب ان لوگوں کو معلوم ہوتا کہ ایک خانقاہ میں بہت بڑی مقدار میں آٹا جمع ہے تو ان میں سے چند نے اس خانقاہ کا رخ کرتے۔حریت ومساوات کا نعرہ لگاتے ہوئے یہ لوگ راہبوں کے مسکن مین داخل ہو جاتے اور روایتی پجاریوں کی طرح یہ راہب ان بت شکنوں کی خدمت میں زر و جواہر پیش کرتے ہیں جنہیں مساوات کے طلب گار قبول کرنے سے انکار کر دیتے۔انہیں آرد پرست راہبوں کے منڈے ہوئے سروں پر آٹے کی بوریاں رکھ دی گئیں۔منڈی میں پہنچ کر تمام لوگوں میں آٹا تقسیم کیا گیا۔انقلاب پسندوں کے پاس اسلحے کی بہت کمی تھی۔چنانچہ کمیٹی کے حکم پر چھتیس گھنٹوں میں پچاس ہزار کلہاڑے یتار کیے گئے۔

لوگوں کی معلوم ہوا کہ ایک خاص مقام پر تیس ہزار بندوقیں ہیں۔شہریوں کا ہجوم مسلح ہونے کی غرض سے اس طرف جاتا ہے۔شہری سپاہیوں کی صورت اختیار کرتے ہوئے بستائل کا رخ اختیار کرتے ہیں۔

بستائل وہی زنداں ہے جس کے متعلق لاطونے لکھا تھا کہ:'وہ ایک لاکھ گھنٹوں سے مصیبت کا شکار ہو رہا ہے۔'' جسے زنداں کی سردی نے اندھا کر دیا۔جو ہمیشہ طوق وسلاسل میں جکڑا رہتا۔لاطو کی طرح ہزاروں قیدی بستائل میں شب وزور فرانسیسی تاج کے لیے بدعا کرتے ہوں گے۔

''بستائل چلو بستائل!'' ہر پیرسی کی زبان پر یہ الفاظ تھے۔دی لانی بستائل کی حفاظت پر معمور تھا۔پانچ گھنٹوں کی پیکار کے بعد بستائل مسخر ہو گیا۔فاتح قلعہ کے اندر داخل ہوئے تمام قیدی رہا کر دیے گئے۔پیرس ایک بڑے خیمہ کی مانند تھا۔جس کے ایک دروازے پر'آزادی' اور دوسرے پر'واشنگٹن' لکھا ہوا تھا۔پیرس باغی ہو چکا تھا۔انقلاب شروع ہو گیا۔درباریوں نے لوئی کو تمام معاملات سے بے خبر رکھا۔آدھی رات گزرنے پر ایک درباری لوئی کی خواب گاہ میں داخل ہو کر اسے واقعات سے باخبر کرتا ہے۔

'یہ غدر ہے'۔لوئی نے کہا

'جہان پناہ یہ انقلاب ہے۔' درباری نے جواب دیا۔

۱۵ جولائی ۱۷۸۹ء کو لوئی نے مجلسِ قومی کے جلسہ میں شرکت کر کے اس امر کا اعلان کیا کہ وہ پیرس اور ورسائی سے فوجوں کو ہٹنے کا حکم دیتا ہے۔ لیکن اگلے دن ہی وہ ملوکیت پسندوں کے زیرِ اثر دکھائی دیتا ہے۔ اب پیرس والوں کا یہ مطالبہ تھا کہ اگر بادشاہ نے پیرس والوں سے صلح کر لی ہے تو وہ پیرس کیوں نہیں آتا؟ چنانچہ ۱۷ جولائی کو وہ ورسائی سے پیرس روانہ ہوا۔ ہجوم نے بادشاہ کا استقبال کیا لیکن 'قوم زندہ باد' کے نعروں میں ایک بار بھی 'بادشاہ زندہ باد' کا نعرہ بلند نہ ہوا۔ پیرس میونسپلٹی کی عمارت پر بادشاہ کا جلوس ختم ہو گیا۔ میونسپل ہال میں چند تقریریں ہوئی۔ بادشاہ واپس ہوا۔ عوام نے 'بادشاہ زندہ باد' کے نعروں میں بادشاہ کو رخصت کیا۔ لوئی رات کو نو بجے ورسائی پہنچا۔ لیکن اس وقت تک متعدد شہزادے اور درباری فرار ہو چکے تھے۔ پیرس سارے فرانس کی رہنمائی کر رہا تھا۔ فرانس کے طول و عرض میں انقلاب رونما ہو چکا تھا۔ ایک ہفتہ پیشتر انقلاب پسندوں کی تعداد چالیس ہزار تھی۔ اب ایک لاکھ تک پہنچ چکی ہے --دو لاکھ--نہیں! پانچ لاکھ---دس لاکھ---بیس لاکھ---پچاس لاکھ----سارا فرانس۔

فرانس مسلح ہو رہا تھا۔ لیکن مجلسِ قومی اپنے گھٹنوں پر سر رکھے ہوئے فرانس کے مستقبل پر غور کر رہی تھی۔ ۴ اگست ۱۷۸۹ء تک 'اعلانِ حقوق' پر غور ہوتا رہا۔ آخر مجلسِ قومی نے اعلان کر دیا:

> ''تم آزاد اور مساوی ہو۔ تمہارا اتحاد مشترکہ مفاد کے لیے ہے۔ اے بادشاہ! اپنے تخت سے نیچے اتر۔ آئندہ تیرا منصب صرف میرِ عدالت کا ہو گا اور انتخاب کا حق آزاد قوم کو ہو گا۔ اے کسان! بیدار ہو اور اپنی آنکھوں سے دوسرے انسانوں کو دیکھ۔ وہ تجھ سے افضل نہیں۔ تیری جبین پر نقشِ حکمرانی موجود ہے۔ تو بھی قوم کا ایک فرد ہے اور حاکمیت کی عنان قوم کے ہاتھ میں ہے۔''

۱۔ تمام لوگ آزاد اور مساوی پیدا ہوئے ہیں۔

۲۔ سماج کی غرض و غایت انسان کے فطری حقوق کی حفاظت ہے

۳۔ حاکمیت کے تمام تر اختیارات قوم کو ہیں۔

۴۔ دوسروں کی نقصان پہنچائے بغیر جو چاہے کرنا آزادی ہے۔

۵۔قانون کا مقصد ضرر رسانی کا قلع قمع ہے۔

۶۔قانون رضائے عامہ کا نام ہے۔تمام شہریوں کو اپنے نمائندوں کے ذریعہ قانون بنانے کا حق ہے۔

۷۔کسی شہری کو بلاوجہ گرفتار نہیں کیا جاسکتا۔

۸۔تحریر وتقریر کی آزادی انسان کے بہت بڑے حقوق ہیں۔

۹۔انسانی حقوق کی حفاظت کے لیے ایک قومی فوج کا ہونا ضروری ہے۔

۱۰۔کسی شخص کو اس کے ذاتی عقائد کی بناء پر تکلیف نہیں دی جائے گی۔

۱۱۔سماج کو یہ حق حاصل ہے کہ ہر سرکاری عہدہ دار کے کام کا محاسبہ کر سکے۔

۱۲۔ذاتی ملکیت کے حق سے کسی شخص کو محروم نہ کیا جائے۔

مجلسِ قومی کے اس اعلان کا مقصد جمہوریت کو آئینی شکل دینا تھا۔چنانچہ مجلسِ قومی نے اس اعلان سے اہلِ فرانس کی بہت بڑی خدمت انجام دی۔لیکن لوئی نے مجلسِ قومی کے اعلانِ حقوق کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔اب مجلسِ قومی کے سامنے ایک اور اہم سوال درپیش تھا اور وہ یہ کہ مجلسِ قانون ساز کا نگران کون ہو؟ میسرابیو کی اعتدال پسندی سے مجلسِ قومی نے اس امر کو تسلیم کر لیا کہ بادشاہ کو یہ حق ہے کہ وہ قوانین کے نفاذ کو روک دے جسے وہ نامناسب اور غیر موزوں خیال کرے۔مجلسِ قومی کی انتہائی درجہ فراخ دلی بھی لوئی لوئی کے انکار کو اقرار میں نہ بدل سکی۔وہ بدستور ضد پر قائم رہا۔اس نے مجلسِ قومی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

میسرابیو شاہ پرست تھا،لیکن اس کے نزدیک بادشاہت جمہور کے تابع ہونی تابع ہونی چاہیے۔اس کے خیال میں فرانس کے لیے بہتر طرزِ حکومت شخصی تھی۔لیکن وہ بادشاہ کے اختیارات کو بہت کم کرنا چاہتا تھا۔وہ عامۃ الناس، پارلیمان اور تخت کے مابین صلح وآشتی کا خواہاں تھا۔

۱۷۸۵ء کی ہر ایک تحریک میں اس کی ہر دلعزیزی اور عظمت کارفرما تھی۔۳۲ جون کو اس نے بادشاہ کے نمائندہ کی ان الفاظ میں مخالفت کی 'جاؤ اپنے بھیجنے والوں سے کہ دو کہ ہم رعایا کے حقوق کی حفاظت کے لیے یہاں گھڑے ہیں۔دنیا کی کوئی قوت ہمارے قدموں میں لغزش پیدا نہیں کر سکتی۔'۱۵ جولائی کو اس نے اس عساکر کی واپسی کا مطالبہ کیا جو اسمبلی کو خوف زدہ کر رہے تھے۔۲۴ ستمبر کی اس نے نیکر کی مالی

اصلاحات کی تائید کی۔ اور ۱۳۰ اکتوبر کو اس نے کلیسا کی جائداد کی ضبطی پر ایک پُر جوش تقریر کی۔

پیرس کے عوام نے ورسائی کے شاہی محل کو گھیر لیا۔ اب لوئی نے مجلسِ قومی کے اعلانِ حقوق پر دستخط کر دیے۔ اگلے دن لوئی ورسائی چھوڑ کر پیرس چلا گیا۔ مجلسِ قومی بھی پیرس میں منتقل ہو گئی۔ لوئی چہار دہم کا ورسائی بے رونق ہو گیا۔ اس کا پوتا طلسم خانہ سے نکل کر حقیقت کی آغوش میں پناہ گزین ہو چکا تھا۔ ملکہ فرانس بھی لوئی کے ساتھ تھی۔ وہ پیرس کے زمانۂ قیام میں ایک بہت بڑی سازش کرنا چاہتی تھی۔ چنانچہ اس زمانہ میں مجلسِ قومی کے ارکان نے بہت سی سازشوں کا پتہ لگایا۔ بادشاہ اور ملکہ انقلاب پسندوں کے دور ہنماؤں فیطی اور میرابیو سے ملاقاتیں کرتے تھے۔ ان ملاقاتوں کے پیشِ نظر عوام کو ان محبوب رہنماؤں سے بدظن کرنا تھا۔ اسی اثناء میں تاجر اور کلیسا کے تعلقات بہت استوار ہو گئے۔ پادریوں نے مجلسِ قومی کے فیصلوں کو نہ صرف تسلیم کرنے سے انکار کر دیا بلکہ کسانوں کو مذہب کے نام پر انقلاب پسندوں کے خلاف اکسایا۔

ملک کے طول وعرض میں خانہ جنگی کا آغاز ہو گیا۔ لیکن انقلاب پسندوں نے اس خانہ جنگی پر جس طرح قابو پایا اس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ 'محافظِ وطن فوج' کے رضا کار ہر جگہ قیامِ امن کے لیے دکھائی دیتے۔ فوجی سپاہی بھی انقلاب پسندوں کے ساتھ مل گئے۔ قیامِ امن کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ پیرس میں 'یومِ امن' منایا جائے۔ بادشاہ اور ملکہ نے بھی اس تقریب میں شرکت کی۔ لیکن حالات بدل چکے تھے۔ لوئی پیرس سے بھاگ نکلا۔ اگلے دن وہ ایک قیدی کی حیثیت میں تھا۔ ۱۱ ستمبر ۱۷۹۲ء کو لوئی کے خلاف مقدمہ چلایا گیا۔ ۲ بجے لوئی اسمبلی ہال میں پہنچا۔ ہال میں مکمل سکوت تھا۔ بادشاہ اس خوفناک خاموشی سے گزرتا ہوا ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ یہ کرسی وہ ہے جس پر خود لوئی بحیثیت بادشاہ جدید دستور کا حلف اٹھا چکا تھا۔ بریری میر عدالت تھا۔ مہرِ سکوت بریری کی آواز سے ٹوٹ گئی۔ ''لوئی فرانسیسی قوم تمھیں مجرم قرار دیتی ہے۔ تم اپنے جرم کی نوعیت کی سماعت کے لیے حاضر ہوئے ہو۔ لوئی بیٹھ جاؤ۔!''

پانچ بجے کے بعد مقدمہ ملتوی کر دیا گیا۔ لوئی زندان میں بھیج دیا گیا۔ جہاں اس نے رات کا کھانا نہایت اطمینان سے کھایا۔

لوئی نے اپنے لیے وکیلوں کی درخواست کی۔ چنانچہ اسے اجازت مل گئی کہ وہ اپنے لیے وکیل تجویز کرے۔ لوئی نے تر ان شی اور تارجی تجویز کیے۔ تارجی نے پیری کا بہانہ بناتے ہوئے افتادہ تاج اٹھانے

سے انکار کر دیا۔ حالانکہ اس کی عمر پچاس برس سے زیادہ نہ تھی۔ اس نے صرف اس لیے انکار کیا کہ لوگ اسے شاہ پسند خیال نہ کریں۔ تراشی جو تارجی سے دس سال بڑا تھا، بادشاہ کی درخواست قبول کر لیتا ہے۔ ایک نوجوان وکیل ویزی نے بھی ۷ ستمبر کو اپنی خدمات پیش کیں۔ بریری کو معلوم ہوا کہ بوڑھا ملشر بینر اس سے ملاقات کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ بریری نے کھڑے ہو کر اس کا استقبال کیا۔ ملشر بینر نے خواہش ظاہر کی کہ وہ بادشاہ کی وکالت کرنا چاہتا ہے۔ 'دیگر حالات میں میں خود لوئی کی وکالت کرتا۔' بریری نے جواب دیا۔

۱۴ دسمبر سے ۲۵ دسمبر تک لوئی اس کے وکیل جواب دعویٰ تیار کرتے رہے۔ ۲۶ دسمبر کو لوئی اسمبلی کی عدالت میں پیش ہوا۔ ویزی تین گھنٹے تقریر کرتا رہا۔ اس کے آخری الفاظ یہ تھے:

''بیس برس کی عمر میں لوئی تخت پر بیٹھا۔ اس عمر میں اس نے کسی کمزوری کا اظہار نہ کیا۔ وہ منصف اور کفایت شعار تھا جو ہمیشہ عوام کا دوست ثابت ہوا۔ لوگوں نے تباہ کن محاصل کی شکایت کی۔ اس نے محاصل اڑا دیے۔ عوام نے غلامی کے خلاف آواز اٹھائی۔ اس نے اپنے غلام آزاد کر دیے۔ عوام نے عدالتوں میں اصلاحات کا مطالبہ کیا جسے لوئی نے پورا کر دیا۔ اس نے ہزاروں فرانسیسیوں کو شہری حقوق عطا کیے۔ اس نے لوگوں کو آزادی بخشی۔ ایثار اور قربانی میں وہ عوام سے آگے بڑھ گیا اور اب بھی عوام اس سے دریافت کرتے ہیں۔۔۔۔''

لوئی نے مندرجہ ذیل الفاظ عدالت میں بطور بیان کہے:

'میرے متعلق میرے وکیل بہت کچھ کہہ چکے ہیں۔ مجھے ان الفاظ کا اعادہ مقصود نہیں۔ میں آپ کے سامنے اس امر کا اعتراف کرتا ہوں کہ میرا ضمیر مجھے لعن طعن نہیں کرتا۔ اور یہ کہ میرے وکیلوں نے جھوٹ نہیں بولا۔ مجھے افسوس ہے کہ خون ریزی کا ذمہ دار مجھے قرار دیا گیا۔'

۱۶ جنوری ۱۷۹۳ء کو دربارِ عدالت پھر وا ہوا۔ ہال کے باہر انسانوں کا بہت بڑا ہجوم تھا۔ ہال کے اندر فرانسیسی عورتیں نظر آتی تھیں۔ نمائندوں کو آراء کا شمار شروع ہوا۔ 'موت' یا 'جلاوطنی' یہی دو الفاظ ان کے زبانوں پر تھے۔ جیروندی پارٹی کے تمام ارکان کی زبان پر موت کا لفظ تھا۔ چھ ووٹوں کی زیادتی سے لوئی کو موت کا حکم سنایا گیا۔ لوئی نے فرانسیسی لوگوں کے نام اپیل کی۔ ایک جدید مباحثہ کا آغاز ہو گیا۔ ۲۰ جنوری تک سب کچھ مکمل ہو گیا۔

'چوبیس گھنٹوں کے اندر سزائے موت۔'

'میں معصوم اور بے گناہ ہوں۔ مجھ پر الزام عائد کیے گئے۔ میں فتویٰ موت کے منصفوں کو معاف کرتے ہوئے خدا سے دعا کرتا ہوں کہ اس خونِ ناحق کا انتقام فرانس سے کبھی نہ لیا جائے۔'' لوئی کے آخری الفاظ۔

لوئی کے قتل کے بعد اعتدال پسندوں اور جیکو بنوں میں اس زمانہ کے مجلسی اور معاشری مسائل کے متعلق اختلافات بڑھ گئے۔ اعتدال پسند ہر مسئلہ پر عوام کے مفاد کی مخالفت کرتے اور جیکو بن ایک مکمل انقلاب کا خواب دیکھ رہے تھے۔ اسی اثناء میں اتحادیوں کی فوجیں پیرس کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ جب انقلابی فوجیں کامیاب ہوئیں تو کنونشن میں جیکو بن پارٹی کا اثر و اقتدار بہت بڑھ گیا۔ ۲ جون ۱۷۹۳ء کو اعتدال پسندوں ارکان کو کنونشن سے نکال دیا گیا۔ یہ خارج شدہ اعتدال پسند انقلابیوں کے خلاف کام کرنے میں مصروف ہو گئے۔

## خانہ جنگی

اعتدال پسندوں کی شکست کے بعد جیکو بنوں نے ایک نیا آئینِ حکومت مرتب کیا۔ اس آئین کو ۱۷۹۳ء کا آئین کہتے ہیں۔ اس نئے آئین نے حقِ رائے دہی کو عام کر دیا۔ اس نئے آئین نے اس امر کا اعلان کر دیا کہ مساوات، آزادی، امن اور ملکیت کا تحفظ سوسائٹی کا سب سے بڑا فرض ہے۔ اس نئے آئین کے بعد بھی خانہ جنگی بدستور جاری رہی۔ چنانچہ کنونشن نے فیصلہ کیا کہ قیامِ امن کے بعد نئے آئین کو نافذ کیا جائے گا۔ اب فرانس پر نئی انقلابی آمریت کی حکومت تھی۔ یہ حکومت اپنی سخت گیری کی وجہ سے قائم نہیں تھی۔ بلکہ اس کا انحصار مزدوروں اور کسانوں پر تھا۔ کنونشن کی معاشی اور مجلسی پالیسی بہت وسیع تھی۔ کسانوں کے تمام قرضے منسوخ کر دیے گئے۔ زمین کو کسانوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ کنونشن دیہات

میں ایک اشتمالی نظام قائم کرنا چاہتی تھی۔ زرعی مسائل کو انقلاب پسندانہ انداز میں حل کرنے کے بعد کنونشن نے سرمایہ داروں کے مفاد پر حملہ کر دیا۔ ستمبر ۱۷۹۳ء میں کھانے پینے کی چیزوں کے لیے ایک نرخ نامہ منظور ہوا۔ مزوروں کے لیے کم سے کم اجرت مقرر کر دی گئی۔ کنونشن نے بیکاری ختم کرنے کے لیے بہت سے قوانین منظور کیے۔ بوڑھوں کے لیے پنشن مقرر کی گئی۔ مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کے لیے کنونشن نے رفاہِ عامہ کی تعمیرات کا کام شروع کر دیا۔

مجلسی، معاشی اور سیاسی پروگرام پر عمل کرنے اور دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک مضبوط حکومت کی ضرورت تھی۔ کنونشن اگرچہ ایک حکمران جماعت تھی لیکن وہ اپنے پروگرام کو مجلسِ مفادِ عامہ اور مجلسِ تحفظ عامہ کے ذریعے عملی صورت دیتی تھی۔ ان دو مجالس میں تمام انقلابی قوتیں مرکوز تھیں۔ کنونشن کی حکومت اگرچہ سخت گیر تھی لیکن یہ سختی صرف ان لوگوں کے ساتھ کی جاتی تھی جو تباہی کے ذمہ دار، تاج کے حامی، آزادی کے دشمن اور عوام کے بدخواہ ہوتے تھے۔ کنونشن کا دورِ ہیبت ایک طبقاتی جنگ تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کنونشن کے انقلابی عدالت میں ہم کو چک بورژوا اور کسانوں کو موت کی سزا پاتے ہوئے پاتے ہوئے دیکھتے ہیں۔

۱۷۹۴ء کے موسمِ گرما میں یہ 'دورِ ہیبت' پھل لایا۔ انقلابی فوجوں نے دشمنوں کو شکست دی۔ اعتدال پسندوں کا قلع قمع ہو گیا۔ لیکن اس وقت تک مجلسی مسائل حل نہیں ہوئے تھے۔ بھوک کا دیو فرانس پر چھایا ہوا تھا۔ جب عوام کی بھوک ختم کرنے کا مسئلہ درپیش ہو تو اس وقت بڑے بڑے انقلاب پسندوں کے پاؤں ڈگمگا جاتے ہیں۔ چنانچہ جیکو بن پارٹی کے انقلاب پسندوں کا امتحان ہونے والا ہے۔

دینتین سرسرمایہ داروں کا حامی اور وکیل تھا۔ رابس پیرے شہری اور دیہاتی کو چک بورژوا کا نمائندہ تھا۔ شاتے تباہ شدہ کو چک بورژوا کا ترجمان تھا۔ ژاک رو مزدوروں اور کسانوں کا نمائندہ تھا۔ جیکو بن پارٹی کا ہر رکن ان چار رہنماؤں میں سے ایک کا پیرو ضرور تھا۔ دینتن کے حامی ذاتی ملکیت کے طرف دار تھے۔ رابس پیرے ایک زرعی جمہوریت کا حامی تھا۔ ۱۷۹۴ء کے آغاز میں رابس پیرے کے زیرِ اثر کنونشن نے بہت سے احکام جاری کیے۔ رابس پیرے کے حامیوں نے 'وجودِ اعلیٰ کا مسلک' کے ذریعہ اپنا پروگرام مکمل کیا تھا۔ ژاک رو کا پروگرام اشتمالیت سے بہت زیادہ قریب تھا۔ لیکن اسے کامیابی نصیب نہ ہو سکی۔

اختلافات بڑھ گئے۔ یہ اختلافات انقلاب کو بچانے کے بعد تعمیری کاموں کی نوعیت اور اجراء کے

متعلق پیدا ہوئے۔ژاک رو کے حامی ختم ہو چکے تھے۔رابس پیرے کے ساتھیوں نے شاتے کی جماعت سے بھی رہائی حاصل کر لی۔دست چپ کے اعتدالی (شاتے)اور انتہائی (ژاک رو)افراد سے رہائی حاصل کرنے کے بعد رابس پیرے کے سامنے اب صرف دینتن کی جماعت تھی۔

اپریل ۱۷۹۴ء میں کوچک بورژوا کی حکومت تھی۔رابس پیرے اس حکومت کا رہنما تھا۔رابس پیرے نے مجلسی اور معاشی پروگرام شروع کر دیا۔چند دنوں میں رابس پیرے نے اپنے مخالفوں کو تختہ دار پر لٹکا دیا۔لیکن بہت جلد رابس پیرے کو اس تختہ دار کی طرف سفر کرنا پڑا۔۲۷ جولائی ۱۷۹۴ء کو رابس پیرے کی گردن گلوتین کے نیچے تھی۔

## شاہانِ اودھ

انقلابِ فرانس کے سبب ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان میں عدم مداخلت کی حکمتِ عملی اختیار کر لی۔حالات کے موافق ہوتے ہی توسیع مقبوضات کے لیے برطانوی تلواریں نیام سے نکل آئیں۔تاریخ ہند پر قلم اٹھانے والے نے سر جان شور کو صلح پسند کا خطاب دے رکھا ہے۔حالانکہ اس کی امن پسندی برطانیہ کے مفاد کے پیشِ نظر تھی۔اسے ہندوستان سے کسی قسم کی ہمدردی نہ تھی۔مؤرخوں کے لیے امن پسند کو شوریدہ سر اور خون خواروں کی صلح پسند بنانا نہایت آسان ہے۔سر جان شور کی صلح پسندی کا افسانہ بھی مؤرخانہ بددیانتی کا شاخسانہ ہے۔

سر جان شور ۱۲۸ اکتوبر ۱۷۹۳ء کو کلکتہ پہنچا۔تقریباً ایک سال تک سر جان شور زندگی، روشنی اور صفائی کے مسائل میں الجھا رہا۔کلکتہ کے بازاروں اور سڑکوں کی صفائی اور ناجائز کشید کردہ شراب زر کی روک تھام ہندوستان کے گورنر جنرل کی بہترین مصروفیتیں تھیں۔

۱۲ فروری ۱۷۹۴ء کو مہاواجی سندھیا نے انتقال کیا۔اس کی موت نے ایک طرف تو نانا فرنویس کی طاقت میں نمایاں اضافہ کیا اور دوسری طرف مرہٹوں کو نظام کی طاقت ختم کرنے پر آمادہ کیا۔مہاواجی

سندھیا کی زندگی میں مرہٹے مملکتِ نظام پر حملہ آور نہیں ہو سکتے تھے۔مہاواجی مرہٹوں اور نظام کی ٹیپو کے خلاف اعانت کو بہت بری طرح محسوس کر رہا تھا۔ وہ مرہٹوں کی اس حرکت پر بہت نادم تھا۔لیکن اس کی موت نے اس کے منصوبوں کو پورا نہ ہونے دیا۔

مہاواجی سندھیا مرہٹہ تاریخ کی ایک نمایاں ہستی تھا۔اس کا باپ پیشوا کا ایک ادنیٰ غلام تھا۔لیکن آہستہ آہستہ گوالیار میں سندھیا خاندان کی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔اس کے بیٹے مہاواجی سندھیا نے سلطنت کی توسیع کے علاوہ اپنی شخصیت کو اپنے زمانہ میں سب سے نمایاں بنا دیا۔۱۷۶۱ء میں وہ پانی پت کے میدان میں تھا۔اس جنگ نے اسے ہمیشہ کے لیے لنگڑا کر دیا۔۱۷۷۱ء میں اس نے شاہ عالم کو انگریزوں کی پناہ سے نکال کر اپنی حفاظت میں لے لیا۔اب مہاواجی سندھیا شہنشاہ ہندوستان کا محافظ تھا۔مہاواجی سندھیا کی شخصیت ہندوستانی سیاسیات میں سب سے بڑی ہو گئی تھی۔مرہٹوں کی پہلی جنگ میں اس نے انگریزوں سے شکست کھائی۔اور مرہٹہ وفاق سے علیٰحدہ ہو کر وارن ہیسٹنگز کا دوست بن گیا۔آخر کار مرہٹوں کی پہلی جنگ اس کے ذریعے ختم ہو گئی۔

۱۷۸۶ء میں راجپوتوں نے متحد ہو کر اسے شکست دی۔۱۷۸۸ء میں غلام قادر روہیلہ نے مہاواجی سندھیا کو دربارِ دہلی سے بے دخل کر دیا اور شاہی خاندان کے افراد کو مظالم کو تختۂ مشق بنا دیا۔اس نے نوکِ خنجر سے شاہ عالم کو آنکھیں نکال لیں۔غلام قادر روہیلہ نے خاندانِ تیمور کے شاہی خزانوں کو اپنے قبضہ میں کرنے کے لیے جب شاہ عالم کو اندھا کر دیا تو اس وقت شاہ عالم نے چند الفاظ میں اپنی بربادی کا نقشہ پیش کیا۔

صرصر حادثہ برخاست پے خواریٔ ما — داد بر باد سر د برگِ جہانداریٔ ما
چشم ما کندہ شدہ از ستِ فلک بہتر شد — تا نہ بینم کہ جند غیر جہاں داریٔ ما

داد افغان بچہ شوکت شاہی بر باد — کسیت خبر ذات مبرا کہ کند یاریٔ ما
بود جانکاہ زر مال جہاں ہمچو مرض — دفع از فضلِ الٰہیٰ شدہ بیماریٔ ما
ایں گدا از اوۂ ہمداں کہ بدوزخ برود — بائی جور و ستم شد بدل افگاریٔ ما
گل محمد کے زمرداں بشرارت کم نیست — چہ قدر کرد وکالت پۓ آزادیٔ ما

شاہ تیمور کہ دارد سرِ نسبت بامن　　زود باشد کہ بیاید بمددگاریٔ ما
مادھوسندھیا فرزند جگر بند من است　　ہست مصروف تلافیٔ ستم گاریٔ ما

شاہ عالم ایک سپاہی سے زیادہ شاعر معلوم ہوتا ہے۔ وہ اپنے فرزند جگر بند مہاواجی سندھیا کو مدد کے لیے پکار رہا ہے۔ چار سال بعد مہاواجی سندھیا نے دہلی پر پھر قبضہ کرلیا۔ غلام قادر روہیلہ کو بکرے کی طرح ذبح کیا گیا۔ مہاواجی سندھیا نے روہیلہ کا سر شاہ عالم کے پاس بھجوادیا۔ لیکن شاہ عالم اسے دیکھنے سے قاصر تھا۔ انہیں ایام میں اندھے شہنشاہ نے پیشوا کو 'وکیل مطلق' کا خطاب دیا۔ مہاواجی سندھیا نے پونا پہنچ کر ایک نہایت شاندار دربار منعقد کیا۔ جس میں شہنشاہ کا خطاب پیشوا کی خدمت میں پیش کیا گیا۔

مہاواجی سندھیا نے پیشوا کو ٹیپو کے ساتھ متحد ہو کر انگریزوں سے جنگ آزما ہونے کا مشورہ دیا۔ لیکن ۱۷۹۴ء میں اس کی موت نے اس کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔ ۱۷۹۵ء میں جب مرہٹوں نے مملکتِ نظام پر حملہ کیا تو نظام کے معاہدہ کے مطابق انگریزوں سے مدد طلب کی۔ لیکن سر جان شور نے نظام کی معاونت سے انکار کر دیا۔ چنانچہ کھاردا کے مقام پر نظام کی فوجوں کی شکست دی گئی۔ اب نظام پرا نگریزوں کی پیمان شکنی آشکار ہوگئی۔ نظام نے انگریزی فوج کے دو دستوں کو شہر سے باہر نکال دیا اور اپنی فوجوں کے لیے اس نے فرانسیسی افسر مقرر کیے۔ نظام ان افعال میں حق بجانب تھا۔ حیدر علی کے برطانوی وکیل نے شہزادہ عالیجاہ کو نظام کے خلاف اکسا کر بغاوت پر آمادہ کیا۔ نظام اپنے بیٹے کی بغاوت کے خوف سے انگریزی مدد کا طلب گار ہوا۔ انگریزوں نے نظام کو مدد دی۔ اس کے صلہ میں انگریزوں نے فوج کے وہ دستے جو نظام نے اپنی مملکت سے باہر نکال دیے تھے واپس بلا لیے۔

اودھ اور روہیل کھنڈ کے معاملات میں امن پسند سر جان شور اپنے محسن و مربی وارن ہیسٹنگز سے کم نہ تھا۔ لیکن پارلیمنٹ میں سر جان شور کے خلاف کوئی مقدمہ نہ چلایا گیا۔ حالانکہ جور و تعدی اور ناانصافیوں میں دونوں برابر تھے۔

۱۷۹۴ء میں روہیلہ سردار فیض اللہ خان نے وفات پائی۔ غلام محمد اپنے بڑے بھائی اور فیض اللہ خان کے جانشین علی خاں کو قتل کرنے کے بعد روہیل کھنڈ پر قابض ہوگیا۔ جب سر جان شور کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو اس نے روہیلوں سے خواہ مخواہ جنگ مول لے لی۔ روہیلوں کو بٹورہ کے مقام پر شکست ہوئی۔
اودھ کے معاملات میں سر جان شور نے کارنوالس کے اس معاہدہ کی خلاف ورزی کی جو اودھ اور اس کے

درمیان ہوا تھا۔ میجر برڈ 'کمپنی کے ہاتھوں اودھ کی تباہی' میں لکھتا ہے:

'۔۔۔۔۔سرجان شور نے نواب وزیر سے کہا کہ وہ ایک دیسی رسالہ انگریز افسر کے ماتحت اپنی مملکت میں علاوہ پہلی فوجوں کے رکھے اور اس فوج پر ساڑھے پانچ لاکھ روپیہ سے زیادہ خرچ نہیں ہوگا۔ پس اس طرح لارڈ کارنوالس کے عہد و پیمان کو بے حیائی سے توڑ دیا گیا۔ نواب وزیر سے بہت جلد سرجان شور نے مزید روپیہ کا مطالبہ کیا، نواب نے ایک کوڑی زائد دینے سے انکار کر دیا۔ نواب وزیر کے اس تلخ جواب کو برطانوی اربابِ اقتدار نے راجہ بھاؤ لال سے منسوب کیا۔ اب انہوں نے نواب کے وزیر بھاؤ لال کو گرفتار کر کے اپنے علاقہ میں شاہی قیدی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیا۔ وزیر کو پابجولاں کرنے کے بعد سرجان شور مارچ ۱۷۹۷ء میں لکھنؤ کی طرف بڑھا۔ تخویف و تہدید سے نواب وریز کو تمام شرائط قبول کرنے پر مجبور کر دیا۔'

سرجان شور کی اس نازیبا حرکت سے نواب وزیر، آصف الدولہ کی حرکتِ قلب سست ہوگئی۔ اور اس ناروا سلوک کے چند ماہ بعد آصف الدولہ نے وفات پائی۔ ایامِ علالت میں اس نے دوا پینے سے انکار کر دیا۔ 'ایک شکستہ دل کے لیے کوئی درماں نہیں۔' وہ طبیبوں اور عیادت کرنے والوں سے کہتا۔ آصف الدولہ کی موت نے کمپنی کو ایک اور موقع دے دیا کہ وہ دیسی حکمرانوں کی کش مکش تخت نشینی میں دخل انداز ہو کو فراہمی زر و مال کے ذرائع سے زائد سے زائد فائدہ اٹھائے۔

نواب آصف الدولہ کی موت پر اس کے بیٹا وزیر علی مسند نشین ہوا۔ اس کی مسند نشینی کو رسمی طور پر تسلیم کر لیا گیا۔ لیکن بعد میں اسے معلوم ہوا کہ متوفی نواب کا بھائی سعادت علی مسند کا حق دار ہے۔ سعادت علی بنارس میں مقید تھا۔ چنانچہ سرجان شور بنارس روانہ ہوا تا کہ اودھ کی رعایا کو زائد از زائد قیمت پر فروخت کر سکے۔ تاج و تخت کا خواب دیکھنے والا قیدی طلائی زنجیروں میں جکڑا گیا۔ سعادت علی نے ہر شرط پر مہر ثبت کر دی۔

۲۱ جنوری ۱۷۹۸ء کو سعادت علی نواب وزیر بنا دیا گیا۔ اسی دن سعادت علی اور سر جاں شور کے درمیان سترہ دفعات پر مشتمل ایک معاہدہ ہوا۔ صرف ایک دفعہ کی رو سے دس لاکھ روپیہ نقد اور الہٰ آباد کا قلعہ کمپنی کے قبضہ میں چلا گیا۔ نیز اسی معاہدہ کی رو سے مملکتِ اودھ سے تمام یورپی لوگوں کو، سوائے کمپنی کے ملازموں کے، باہر نکل جانے کا حکم دیا گیا۔ ان لوگوں کو مملکتِ اودھ سے اس لیے نکالا گیا تھا کہ سر جان شور کے مظالم انگلستان اور دوسرے یورپی ملکوں میں رہنے والے لوگوں کے کانوں میں نہ پہنچ جائیں۔ سر جان شور کو وارن ہیسٹنگز کا انجام خوب یاد تھا۔ یاد رہے کہ سر جان شور وارن ہیسٹنگز کی سفارش سے گورنر جنرل بنایا گیا تھا۔

اب ہمیں نواب آصف الدولہ کے فرزند جگر بند ویزر علی کو جنگلوں، بیابانوں اور کوہستانوں میں رومانوی زندگی بسر کرتے ہوئے دیکھنا ہے۔ اس شہزادہ کے متعلق مؤرخوں نے اس قدر غلط فہمیاں پیدا کر دی ہیں کہ ان کا ازالہ کیے بغیر ہم آگے نہیں بڑھ سکتے۔

نواب وزیر آصف الدولہ کے ہاں ۳۳ سال کی عمر میں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ نواب وزیر نے نوزائیدہ کے مستقبل سے آگاہ ہونے کے لیے منجموں کو دربار میں طلب کیا۔ منجموں نے نواب وزیر سے کہا کہ زائچہ میں غفلہ اور قبض الخارج جمع ہونے سے شکل حمرہ پیدا ہو گئی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شہزادے کی تقدیر میں کوہستانوں، جنگلوں اور بیابانوں میں آوارہ و سرگرداں پھرنا ہے۔ نواب نے خواہ مخواہ منجموں کو زحمت دی۔ اسے چاہیے تھا کہ کمپنی کے کسی کہنہ مشق اور تجربہ کار سیاستدان سے اپنے بیٹے کا مستقبل معلوم کر لیتا۔

نوزائیدہ کا نام وزیر علی رکھا گیا۔ نواب آصف الدولہ کا بھائی سعادت علی چونکہ نوابی کا امیدوار تھا اس لیے اس نے اس بچے کی پیدائش کو اپنی موت خیال کیا۔ وزیر علی کو حرامی بچہ مشہور کرنے میں سعادت علی کا سب سے بڑا ہاتھ تھا۔ سعادت علی نے اس بچے کو حرامی بچہ ثابت کرنے میں اس طرح کی بے سروپا حکایتیں مشہور کر دیں کہ باسوا ایسا مؤرخ بھی وزیر علی کو حرامی بچہ لکھتا ہے۔ اس کی حکایتیں جب گورنر جنرل کے کانوں میں پہنچیں تو اس نے نواب آصف الدولہ سے اس کے وارث سے متعلق دریافت کیا۔ نواب نے وزیر علی کو اپنا وارث قرار دیا۔ ۱۷۹۷ء میں نواب آصف الدولہ کی وفات پر وزیر علی مملکتِ اودھ کو انگریزی اثر و رسوخ سے پاک کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے سر جان شور سعادت علی کی مدد پر آمادہ ہو گیا۔ پانچ ماہ

کی مختصر حکومت کے بعد وزیر علی کو معزول کر دیا گیا۔ اس قلیل مدت میں اس نے فوجوں کی ترتیب اور تنظیم کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔

معزول ہونے کے بعد وزیر علی کو بنارس پہنچا دیا گیا۔ تین لاکھ روپیہ سالانہ وزیر علی کا وظیفہ مقرر کیا گیا۔ وزیر علی کو بنارس میں رہائش اختیار کیے ابھی چند ماہ ہی گزرے تھے گورنر جنرل نے اسے کلکتہ طلب کیا۔ وزیر علی کمپنی کے وکیل مقیم بنارس کے پاس گیا اور شکایت کی کہ گورنر جنرل اسے کلکتہ میں طلب کرتا ہے؟ نشہ حکومت میں سرشار وکیل نے ایک اسیر کی شکایت کی پروانہ کی اور جلاوطن تاج دارِ اودھ کے ساتھ تلخ کلامی سے پیش آیا۔ وزیر علی اس توہین کو برداشت نہ کر سکا۔ اس نے خنجر سے وکیل کا کام تمام کر دیا۔ اس واقعہ سے شہر میں ہیجان پیدا ہو گیا۔ وزیر علی اپنے جاں نثاروں سمیت اعظم گڑھ روانہ ہوا۔ اعظم گڑھ کے حکمران نے وزیر علی کو گھاگھرا تک بحفاظت پہنچا دیا۔ اب یہ کارواں گورکھ پور کے جنگلوں میں پناہ گزین ہوا۔ وزیر علی چاہتا تھا کہ نیپال پہنچ جائے لیکن انگریزی اور سعادتی فوجوں نے اس کا بڑی سختی سے تعاقب کر رکھا تھا۔ ان جنگلوں میں بارہا وزیر علی کے جاں نثاروں نے دشمنوں کی فوجوں کو شکست دی۔ وزیر علی نے کئی سال ان جنگلوں صرف کر دیے۔ دشمنوں کی فوجیں اس کے سرفروشوں کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکیں۔

کرنل کالنز کو وزیر علی کی گرفتاری پر مقرر کیا گیا۔ ایک زور کالنز اپنے خیمہ کے باہر سیر کر رہا تھا کہ اسے دور سے گرد اٹھتی ہوئی دکھائی دی۔ کالنز نے سپاہیوں کو تیار ہونے کا حکم دیا اور خود اسی سمت نگاہ لگائے رکھی۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ صرف ایک سوار سرپٹ گھوڑا دوڑائے اس کی طرف بڑھ رہا ہے تو اس نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس سوار کو نقل و حرکت پر غور کرتے رہیں۔ اتنے میں سوار اسپاہیوں کی قریب آ کر رک گیا۔

'مجھے کرنل سے ملنا ہے۔' اس نے کہا

'بہت خوب۔' سپاہی چلا اٹھے

جب کرنل کو اس واقعہ سے آگاہ کیا گیا تو اس نے سوار کو طلب کیا۔ سوار نے کرنل سے آنکھیں ملاتے ہوئے کہا۔ 'تنہائی، تنہائی۔'

'صاحب یہاں کوئی غیر آدمی نہیں ہے۔ آپ رازِ دل کھول دیں۔'

'دیوار، ہم گوش دار۔ تنہائی۔'

کرنل اور سوار ایک آم کے باغ میں چلے گئے۔ ادھر ادھر دیکھنے کے بعد سوار نے کرنل سے کہا:

'آپ اس مقام پر کیوں خیمہ زن ہیں۔'

'کمپنی کا حکم ہے وزیر علی کو گرفتار کیا جائے۔'

'لیکن اتنا لاؤ لشکر، کیا معنی!'

'گرفتاری میں مدد دینے کے لیے۔'

'وزیر علی کی گرفتاری بہت مشکل ہے صاحب۔'

'کیوں؟'

'وہ ایک جانباز سپاہی ہے۔'

'میں نے بھی یہی سن رکھا ہے۔ آپ کیا چاہتے ہیں؟'

'چند کارتوس۔'

'کس لیے۔'

'وزیر علی کی گرفتار کرنے کے لیے۔'

'یہ لو کارتوس۔'

'تشکر' مسکراتے ہوئے۔

'آپ کا نام۔'

'وزیر علی۔'

'آپ نے مجھے کارتوس دیے اس لیے آپ کی جان بخشی کرتا ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے سوار جنگلوں کی طرف چل نکلا۔

'ایک جانباز سپاہی' کرنل نے دبی زبان سے کہا۔

اس واقعہ کے بعد کرنل نے انتہائی کوشش کی کہ وزیر علی کو گرفتار کر لے۔ لیکن اسے اپنے ارادوں میں کامیابی نہ ہوئی۔ آخر کرنل نے راجہ جے نگر کو انعام و اکرام کا لالچ دے کر اسے وزیر علی کی گرفتاری پر مامور کیا۔ راجہ نے وزیر علی کو اپنے محلات میں شاہی زندگی بسر کرنے کی دعوت دی۔ متواتر اور مسلسل مصائب

نے وزیر علی کو آرام کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیا۔ جب وزیر علی جے نگر کے محلات میں پہنچا تو اس نے کرنل کی فوجوں کو اطلاع دے کر وزیر علی کو گرفتار کرا دیا۔ وزیر علی کا تمام مال و اسباب بحقِ سرکار ضبط ہو گیا اور اسے کلکتہ کے قلعہ میں قید کر دیا گیا۔ کسی ہندوستانی کو وزیر علی سے ملاقات کرنے کی اجازت نہ تھی۔

وزیر علی اپنے آہنی جسم کے اندر ایک شاعر کا دل رکھتا تھا۔ وہ اپنی مصیبت ان اشعار کی صورت میں پیش کرتا ہے:

جوں سبزہ رندے اگتے ہی پیروں کے تلے ہم　　اس گردشِ افلاک سے پھولے نہ پھلے ہم
ارمان بہت رکھتے تھے ہم دل کے چمن میں　　بیٹھے نہ خوشی سے کبھی سائے کے تلے ہم
ہم وہ نہ قلم تھے کسی مالی کے لگائے　　نرگس کے نہالوں میں تھے آصف کے پلے ہم
زندانِ مصیبت میں بھلا کس کو بلائیں　　رہتے ہیں وزیر ہی سے دن رات ملے ہم

اودھ کے حکمرانوں کا مورثِ اعلیٰ سید محمد امیر تھا۔ وہ نیشاپور سے ہندوستان میں آیا تھا۔ فرخ سیر نے اسے ایک فوجی عہدہ پیش کیا۔ اس نے دربارِ دہلی کو سید بھائیوں سے نجات دلانے میں شہنشاہ کی بہت مدد کی۔ ۱۷۲۰ء میں اسے آگرہ کا گورنر مقرر کیا گیا۔ شہنشاہ کی طرف سے اسے سعادت خاں کا خطاب دیا گیا۔ اس زمانہ میں اودھ سازشوں اور بغاوتوں کا مرکز بن چکا تھا۔ نواب سعادت خاں نے ان سازشوں کو ختم کیا۔ اس کے جانشین صفدر جنگ کو دربارِ دہلی سے 'نواب وزیر' کا خطاب ملا۔ اودھ کے حکمرانوں کا یہ خطاب نواب غازی الدین حیدر کے زمانہ تک نوابانِ اودھ کو وراثت میں ملتا رہا۔ نواب صفدر نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے خلاف متحدہ محاذ بنانے کے لیے بہت زیادہ جدوجہد کی۔ نواب صفدر جنگ کی وفات پر اس کا بیٹا شجاع الدولہ اودھ کا حکمران بنا۔ شجاع الدولہ کے زمانہ میں مغلوں کی سلطنت بہت زیادہ کمزور ہو چکی تھی۔ دہلی کی مرکزیت ختم ہو چکی تھی۔ ہر طرف آزاد اور خودمختار ریاستیں پیدا ہو رہی تھیں۔ چنانچہ شجاع الدولہ کی حیثیت بھی ایک آزاد تاجدار ایسی تھی۔ اس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو ختم کرنے کی بھی کوشش کی۔ لیکن بکسر میں اسے شکست ہوئی۔ اودھ کی راج دھانی فیض آباد کو اس نے بہت بڑا تجارتی شہر بنا دیا۔ اودھ کی فوج کو جدید ترین سامانِ جنگ فراہم کرنے کے لیے اس نے فیض آباد میں اسلحہ سازی کا ایک کارخانہ قائم کیا۔ نواب شجاع الدولہ کی موت کے بعد نواب آصف الدولہ نے راج دھانی کو فیض آباد سے لکھنؤ منتقل کیا۔ راج دھانی بنتے ہی لکھنؤ نے تہذیب و تمدن کی منزلیں بہت جلد طے کر لیں۔ لکھنؤ

ہندوستانی تہذیب، ادب اور آرٹ کا مرکز بن گیا۔ آصف الدولہ کی کوششوں سے لکھنؤ میں شاندار عمارتیں کھڑی ہو گئیں۔ باغوں اور سراؤں کی بہت کمی تھی۔ دہلی اجڑ چکی تھی۔ دہلی کے عالموں شاعروں اور فنکاروں نے لکھنؤ کی راہ لی۔ رومی دروازہ اس عہد کی یادگار ہے۔ نواب کی موت کے بعد جانشینی کے لیے کش مکش شروع ہو گئی۔ نواب وزیر علی کے بعد آصف الدولہ کے بھائی نواب سعادت علی خاں نے عنانِ حکومت سنبھالی۔ نواب سعادت علی خاں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو اپنی سلطنت کا آدھا حصہ دے کر تخت حاصل کیا۔ غازی الدین حیدر کو گورنر جنرل نے مجبور کر دیا کہ وہ اپنی آزاد بادشاہت کا اعلان کر دے۔ چنانچہ غازی الدین حیدر کی رسمِ تخت نشینی بڑی دھوم دھام سے منائی گئی۔ ۱۸۲۰ء میں غازی الدین حیدر کی موت کے بعد نصیر الدین حیدر تخت نشین ہوا۔ نصیر الدین حیدر مغربی تہذیب و معاشرت کا بہت دل دادہ تھا۔ اس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو تین لاکھ روپیہ چار فی صد شرح سود پر اس لیے قرض دیا کہ اس کی سالانہ آمدنی سے ایک محتاج خانہ کے اخراجات برداشت کیے جائیں۔ اس نے لکھنؤ میں پہلا انگریزی سکول قائم کیا۔ اور غریب طلباء کے لیے ۳۶ ہزار روپیہ سالانہ وقف کیا۔ لکھنؤ میں پہلا پریس بھی اسی عہد میں نصب کیا گیا۔ انگریزی کی علمی و ادبی کتابوں کے تراجم کا بھی سلسلہ شروع ہوا۔ اس کی موت کے بعد جانشینی کے لیے ایک طویل کش مکش ہوئی۔ نواب غازی الدین حیدر کی بیگم اور نصیر الدین حیدر کی سوتیلی ماں بادشاہ بیگم نے مناجان کو تخت نشین کر دیا۔ اس پر ایسٹ انڈیا کمپنی نے اودھ کے معاملات میں مداخلت کی۔ کمپنی کی فوجوں نے بادشاہ بیگم اور مناجان کو گرفتار کر لیا۔ کمپنی نے ناصر الدولہ کو تختِ اودھ پر بٹھا دیا۔

بادشاہ بیگم ہندوستان کی ایک حیرت انگیز خاتون تھی۔ وہ انیسویں صدی کے پہلے ربع میں سیاساتِ اودھ کی روح تھی۔ مشرق کی اس ملکہ نے اپنے اصول کے لیے ہر چیز قربان کر دی۔ اس کا خاوند غازی الدین حیدر اور اس کا بیٹا نصیر الدین حیدر کمزور اور تن آسان تھے۔ لیکن وہ اپنی ہمت سے اودھ کو آزاد اور آسودہ بنانے کے لیے سرگرم رہی۔ نصیر الدین کی موت کے بعد لکھنؤ کے ریزیڈنٹ نے سعادت علی خان کے بڑے بیٹے کی جانشینی کا اعلان کیا۔ ریزیڈنٹ کے اس فیصلہ کے خلاف بادشاہ بیگم نے احتجاج کیا اور مناجان کو جسے وہ متوفی بادشاہ کا بیٹا خیال کرتی تھی تختِ اودھ پر بٹھانے کے لیے کوشش کی۔ بادشاہ بیگم کے خلاف بہت سی قوتیں متحد ہو چکی تھیں۔ لیکن اودھ کی یہ خاتون اپنے دعویٰ سے ذرہ بھر منحرف نہ ہوئی۔ وہ اپنے دعویٰ کی صداقت ثابت کرنے کے لیے لڑی، ہاری اور قید ہوئی۔

ناصر الدولہ کے بعد امجد علی تختِ لکھنؤ پر بیٹھا۔ میجر برڈ کے الفاظ میں ''امجد علی شاہ ہندوستان کے بہترین حکمرانوں میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ اس نے رعایا کو کسی شکایت کا موقع نہ دیا۔'' امجد علی شاہ علوم و فنون کا سر پرست تھا۔ اس نے کئی کتابوں کا اردو ترجمہ کیا۔ ۱۸۴۷ء میں واجد علی شاہ تخت نشین ہوا۔ ہندستان کی تاریخ میں واجد علی شاہ کی زندگی کا صرف ایک پہلو پیش کیا جاتا ہے اور یہ اس کا ذاتی پہلو ہے۔ واجد علی شاہ نے ولی عہدی کا زمانہ عیش و عشرت میں صرف کیا۔ لیکن تخت پر بیٹھتے ہی وہ ملکی انتظامات میں مصروف نظر آتا ہے۔ واجد علی شاہ اپنی فوج کو تربیت پر اپنا بہت زیادہ وقت صرف کرتا تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی اسے برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اودھ کے عیش پسند امیر اپنی تلوار کو زنگ آلود رکھنا چاہتے تھے۔ عیش و عشرت کے سبب وہ شمشیر زنی کے جوہر کھو چکے تھے۔ ان کے جوہروں کے لیے صرف شبستان باقی تھے۔ چنانچہ انہوں نے واجد علی کو اسی شبستان میں داخل کر دیا۔ ۳۲ سال کی عمر میں اسے کلکتہ میں جلا وطن ہونا پڑا جہاں اس نے ۱۸۸۷ء میں وفات پائی۔

ہندوستان کی جن آزاد ریاستوں کو ایسٹ انڈیا کمپنی نے ختم کیا ان میں اودھ کی تاریخ سب سے دلچسپ ہے۔ بنگال اور بہار کے انگریزی مقبوضات اور مرہٹی مقبوضات کے درمیان اودھ کی فاضل ریاست کو بہت زیادہ عسکری اہمیت حاصل تھی۔ ابتداء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی یہ پالیسی تھی کہ اس کی شمال مغربی سرحدوں پر واقع اودھ کو مضبوط کیا جائے۔ اسی پالیسی کے پیشِ نظر وارن ہیسٹنگز نے اودھ سے معاہدے کیے۔ بیگماتِ اودھ سے بدسلوکی کرنے کے باوجود اس کی پالیسی اودھ سے دوستانہ تعلقات قائم کرنا تھا۔ آصف الدولہ کے عہد میں کارنوالس نے اودھ کے معاملات میں مداخلت کی۔ آصف الدولہ کی وفات کے بعد جانشینی کے مسئلہ میں سر جان شور نے حصہ لیا۔ زاں بعد اودھ ویلزلی کی فتوحات کی حکمتِ عملی کا شکار ہو گیا۔ اس نے نواب وزیر کو تخت سے دست بردار کرنے کے علاوہ اودھ کی نصف مملکت پر قبضہ کر لیا۔ ۱۸۱۸ء کے بعد اودھ ایک 'دوستانہ ریاست' کی جگہ 'ماتحت تعاون' میں آ گیا۔

اودھ کا آخری تاج دار واجد علی شاہ عربی، فارسی اور اردو کا فاضل تھا۔ اس نے اردو میں کئی کتابیں لکھیں۔ اسے تاریخ سے بہت زیادہ لگاؤ تھا۔ وہ اودھ کی فوجی طاقت کو مضبوط کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے اختری پلٹن اور نادری پلٹن بنائی۔ واجد علی شاہ نے لکھنؤ میں 'سلطانی پریس' قائم کیا۔
دیوانی اور فوج داری مقدمات کی مزید سماعت کے لیے ہائیکورٹ قائم کیا۔ حفظانِ صحت کا الگ محکمہ قائم

کیا۔'دستوراتِ واجدی' کے نام سے ایک عدالتی رسالہ شائع کیا۔واجد علی شاہ کے عہدِ حکومت میں 'لکھنؤ ہندوستان کے تمام شہروں میں ترقی یافتہ اور مرفع الحال تھا۔شہر کے وسطی حصہ میں گھنی آبادی تھی۔خاص سڑکوں کے مناظر بہت دلکش تھے۔لوگ شاہانہ لباس پہن کر گھروں سے باہر نکلتے۔سارا شہر ایک تصویر نظر آتا تھا۔

## ویلزلی

ویلزلی نے کمپنی کو ہندستان کی سب سے بڑی طاقت بنا دیا۔کرناٹک، تنجور، سورت اور فرخ آباد کے حکمرانوں کو ان کے مملکتوں سے ویلزلی نے ہی محروم کیا۔اسی کے عہد میں پیشوا اور نظام کے عہد کا خاتمہ ہوا۔سلطان شہید نے بھی انہیں دنوں میں جامِ شہادت نوش کیا۔سندھیا اور ہلکر کی قوت کو کس نے توڑا؟ راجہ ناگ پور کے سینہ کو کس نے تیروں کا نشانہ بنایا۔؟

سر جان شور کی واپسی پر انگلستان کے وریزِ اعظم پٹ کی نگاہِ انتخاب کارنوالس پر پڑی۔اس میں استعجاب وحیرت کی کوئی بات نہیں۔کارنوالس اس سے پیشتر پٹ کے اشارہ ابرو پر رقص کر چکا تھا۔وہ اس کی ہوسِ ملک گیری کی تکمیل کا بہترین آلہ تھا۔کارنوالس نے ہندوستان کا گورنر جنرل ہونا قبول کیا۔وہ ہندوستان کی طرف روانہ چاہتا تھا کہ آئرستان کے معاملات نے مجبور کر دیا کہ پٹ کسی اور کو ہندوستان کا

گورنر جنرل بنائے۔ چنانچہا مریکی نقصانات کی تلافی کے لیے ویلزلی کو ہندوستان بھیجا گیا۔ عازمِ ہند ہونے سے پہلے وہ ایک ہفتہ تک وزیرِ اعظم کے ہاں مہمان رہا۔

جس زمانہ میں فرانس سے حریت، اخوت و مساوات کی صدائیں بلند وہ رہی تھیں انہی ایام میں انگلستان ملک گیری اور جہانبانی کے مسائل پر غور کر رہا تھا۔

جب ویلزلی انگلستان سے روانہ ہوا اس قوت ہندستان کی ریاستوں میں امن امان کا دور تھا۔

کلکتہ جاتے ہوئے ویلزلی اپریل ۱۷۹۸ء میں مدراس پہنچا۔ اسی دن ٹیپو کے مشیر مارسیش سے منگلور پہنچے۔ ویلزلی دربارِ میسور میں فرانسیسی اثر و رسوخ برداشت نہ کر سکتا تھا۔ مدراس سے کلکتہ تک وہ ٹیپو کو شکست دینے کو ترکیبیں تراشتا رہا۔ وہ خوب جانتا تھا کہ ٹیپو سے جنگ آزما ہونے کے لیے تنہا کمپنی کو فوجیں ناکافی ہیں۔ وہ ٹیپو سے خائف تھا۔ اس نے اتحادیوں کو پکارا۔ ویلزی نظام کو اپنے ساتھ شریک کیے بغیر ٹیپو سے جنگ نہیں کر سکتا تھا۔

یکم نومبر ۱۷۹۸ء کو جو عہد نامہ نظام اور ویلزلی میں ہوا اس نے نظام کے خطرہ کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ اس عہد کی رو سے نظام کو تمام فرانسیسی افسر، جو اس کی سپاہ کو منظّم کر رہے تھے، نکال دینے پڑے۔ سب سڈی ایری سسٹم کا سب سے بڑا شکار نظام دکن کو ہونا پڑا۔

سب سڈی ایری سسٹم ہندوستان کی آزاد ریاستوں کو فنا کرنے کے لیے ایجاد کیا گیا تھا۔ اس سسٹم کی رو سے:

۱۔ سسٹم قبول کرنے والی ریاستوں کو برطانوی عسکری معاونت کے اخراجات کے لیے اپنی اپنی ریاست کا کچھ حصہ کمپنی کے سپرد کرنا ہوگا۔

۲۔ سسٹم قبول کرنے والی ریاست کو امدادی فوج اپنی حدود ریاست میں رکھنی ہوگی۔

۳۔ سسٹم قبول کرنے والوں میں اگر کوئی فساد رونما ہو تو کمپنی ثالث کے فرائض انجام دے گی۔

۴۔ سسٹم قبول کرنے والی ریاست غیر برطانوی افسروں کو ملازم نہیں رکھ سکتی۔

۵۔ سسٹم قبول کرنے والی ریاست کی مدد کمپنی کی ذمہ داری ہے۔

ویلزلی نے 'امنِ ہندوستان' کے لیے ایک دستاویز مرتب کی۔ موت و ہلاکت کے اس قرطاس پر جیتے جی کون دستخط کر سکتا تھا۔ نظام نے مرہٹوں کے خوف سے یہ ہلاکت آفریں سسٹم قبول کر لیا۔ نظام نے

مرہٹوں کے خوف سے یہ ہلاکت آفریں سسٹم قبول کرلیا۔نظام اور پیشوا کی عداوت ہندوستان کے لیے نہایت ضرر رساں ثابت ہوئی۔آسٹریا اور روس کو انگلستان اس لیے روپیہ دیتا ہے کہ ان کی عسکری قوت میں اضافہ ہو۔لیکن اودھ اور حیدرآباد انگریزوں کو اس لیے روپیہ دیتے ہیں کہ ان کے عساکر انگریزوں کے ہاتھ میں چلے جائیں۔

آزاد ملکوں کو خارجہ حکمتِ عملی پر پورا تسلط ہوتا ہے۔میسور ایک آزاد ریاست تھی۔ویلزلی میسور کے حکمران کو سسٹم میں شریک ہونے پر مجبور نہیں کرسکتا تھا۔ویلزلی کی یہ خواہش کہ دربار میں کوئی فرانسیسی نظر نہ آئے آزاد بادشاہوں کے لیے ایک مضحکہ خیز مطالبہ تھا۔کیونکہ ویلزلی جانتا تھا کہ ٹیپو اس کے بنائے ہوئے قرطاس کی تصدیق نہیں کرے گا اس لیے اس کے انکار کو بنائے مخاصمت قرار دے کر اس کے خلاف اعلانِ جنگ کردیا۔

جب ویلزلی جنگی تیاریوں سے فارغ ہو چکا تو اس نے ٹیپو کے خلاف اعلانِ جنگ کردیا۔نلسن فرانسیسی بیڑے کو شکست دے چکا تھا۔چنانچہ نومبر ۱۷۹۸ء کو ویلزلی نے ٹیپو کو ایک اہانت آمیز مکتوب لکھا۔اس مکتوب کے جواب کا انتظار کیے بغیر ویلزلی نے اپنی فوجوں کو حکم دے دیا کہ میسور پر ٹوٹنے کے لیے ہر لحہ تیار رہیں۔ویلزلی میدانِ جنگ سے قریب تر ہونے کے لیے ۳۱ دسمبر ۱۷۹۸ء کو مدراس پہنچا۔اس مقام پر ویلزلی کو ٹیپو کی طرف سے اس خط کا جواب ملا۔۹ جنوری ۱۷۹۸ء کو ویلزلی نے ٹیپو کو ایک طویل خط لکھا اور ساتھ ہی اس امر کا مطالبہ کیا کہ خط کا جواب ایک دن کے اندر اندر آنا چاہیے۔اتنے طویل خرافات کو سمجھنے کے لیے ایک ہفتہ درکار تھا۔اس خط نے ٹیپو کے سینہ میں آگ لگادی۔اس نے انگریزوں سے لڑنے کا ارادہ کرلیا۔ٹیپو نے وقتِ مقررہ کے اندر ویلزلی کے خط کا جواب نہ دیا۔ویلزلی نے اپنی فوجوں کو مملکتِ خداداد میں داخل ہونے کا حکم دیا۔جنرل ہیرس برطانوی فوج کا کماندارِ اعلیٰ تھا۔

ویلزلی نے ایک ایسی جماعت میسور میں بھیجی جو جا بجا ٹیپو کے خلاف عوام کو ابھارتی۔توپ وتفنگ اور گولہ وبارود نا کافی تھا؟

جنرل ہیرس، جنرل سٹوارٹ اور آرتھر ویلزلی کی کمان میں مختلف سمتوں سے ٹیپو کے خلاف لڑنے کے لیے فوجیں بھیجی گئیں۔ٹیپو نے انتہائی کوشش کی کہ وہ ان فوجوں کو آپس میں ملنے نہ دے۔لیکن سلطان اس میں کامیاب نہ ہوسکا۔ٹیپو نے صلح کی تجویز پیش کی لیکن انگریزوں نے ایسی ذلت آمیز شرائط پیش کیں

جنہیں سلطان قبول نہیں کر سکتا تھا۔ اب سلطان سرنگاپٹم میں محصور تھا۔ انگریزی توپ خانے کی شدید گولہ باری نے قلعے کی دیواروں میں شگاف کر دیے۔ سلطان مردانہ وار دشمنوں کا مقابلہ کرتا رہا۔ جب قلعہ فتح ہو گیا تو انگریزی فوجیں سلطان کو گرفتار کرنے کے لیے قلعہ میں داخل ہوئیں۔ کشتگانِ ویلزلی کے ڈھیر میں ایک متبسم نعش دکھائی دی۔

یہ تھا دکن کا شیر!

ٹیپو کی موت پر ویلزلی نے معزول خاندان کے ایک پنج سالہ بچہ کو میسور کا حکمران بنا دیا۔ ریاست پر انگریزوں کی ایک کونسل کی حکومت تھی۔ ویلزلی نے ریاست کے بعض علاقے نظام کو بخش دیئے۔ اور تمام ساحلی علاقوں پر خود قبضہ کر لیا۔ میسور کی چوتھی لڑائی نے انگریزوں کا سب سے بڑا دشمن ختم کرنے کے علاوہ کمپنی کے مقبوضات میں نمایاں اضافہ کیا۔

ریاست میسور بھی ویلزلی کے سسٹم میں شریک ہوگئی۔

ٹیپو کو شکست دینے کے بعد ویلزلی کی نگاہیں اودھ پر لگی ہوئی تھیں۔ وہ مملکتِ اودھ پر کمپنی کو قابض کرنا چاہتا تھا۔ وزیر علی کی سرگرمیوں سے تنگ آ کر نواب اودھ نے کمپنی سے عسکری مدد طلب کی۔ ویلزلی اس سنہری موقع کو ہاتھ سے کھونے والا نہیں تھا۔ اس نے اصلاحات کے بہانے سے نواب اودھ کی نصف ریاست اپنے قبضہ میں کر لی۔

جب ویلزلی ہندوستان میں پہنچا اس وقت لمسڈن لکھنؤ میں ریزیڈنٹ کے عہدہ پر فائز تھا۔ ویلزلی نے اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے لمسڈن کی آلہ کار بنانا چاہا۔ لیکن لمسڈن مملکتِ اودھ کا خیر خواہ بنا رہا۔ چنانچہ ویلزلی نے اس کی جگہ کرنل اسکاٹ کو ریزیڈنٹ مقرر کر دیا۔ کرنل اسکاٹ ویلزلی کے اشارہ پر رقص کرنے کے لیے بے تاب رہتا۔ ویلزلی نے کرنل اسکاٹ کے ذریعہ مملکتِ اودھ کو جس طرح تباہ کیا اس کا تذکرہ میجر برڈ نے اپنی ایک کتاب میں انتہائی صحت کے ساتھ کیا ہے۔ ویلزلی کی اودھ حکمتِ علمی انگلستان کے سیاستدانوں کو اپنی طرف رجوع کیے بغیر نہ رہ سکی۔ چونکہ اس زمانہ میں نپولین کا خوف وہراس انگلستان کے ہر مرد وزن پر طاری تھا اس لیے وارن ہیسٹنگز کی طرح ویلزلی بھائیوں پر مقدمہ نہ چلایا گیا۔ تاہم ایوانِ عام میں فلپس، فرانسس اور پال نے گورنر جنرل کو بدعنوانیوں کو نمایاں طور پر واضح کیا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے ابتدائی ایام میں کرناٹک کے حکمرانوں نے نہایت اہم حصہ ادا کیا۔ کمپنی نے اپنے اقتدار کی بنیاد کرناٹک میں ہی رکھی۔ لیکن ویلزلی کے زمانہ میں کمپنی کی حکمتِ عملی تبدیل ہوتے ہی کرناٹک کے حکمرانوں کی حیثیت بہت کم ہوگئی۔ ویلزلی نے کرناٹک پر قبضہ کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا۔ چنانچہ ۲۴ اپریل ۱۷۹۹ء کو ویلزلی نے نواب کرناٹک کو اس کے 'جرائم' سے آگاہ کیا۔ ۱۳ مئی ۱۷۹۹ء کو نواب کو مفروضہ جرائم کی تصدیق سے انکار کرتے ہوئے ویلزلی کو جواباً ایک طویل مکتوب بھیجا۔ لیکن ویلزلی اور اس کے خداوندانِ لندن کا یہی فیصلہ تھا کہ کرناٹک پر کمپنی کا قبضہ ہو جائے۔ ہنری ڈنڈس اور گورنر جنرل کو حظ وکتابت سے دونوں کے عزائم کا طریقِ احسن پتہ چلتا ہے۔ لیکن عمدۃ الامراء کی زندگی میں ویلزلی کامیاب نہیں ہوسکتا تھا۔ اس کی اچانک موت نے کمپنی کی کرناٹکی ہوس کی زندہ کر دیا۔ نواب کے نالائق جانشین نے شہری اور عسکری انتظامات کمپنی کے حوالے کر دیے۔

جنوبی ہندوستان میں تنجور کی مرہٹہ ریاست کا وجود سترھویں صدی عیسوی کے نصف سے پایا جاتا ہے۔ ۱۶۷۵ء میں وٹکوجی نے تنجور کو اپنی ریاست کا مرکزی شہر بنایا۔ وٹکوجی نے ۱۶۸۷ء تک حکومت کی۔ ۱۶۷۶ء میں سیواجی جنوبی ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ وٹکوجی مقابلہ کی تاب نہ لاکر جنگلوں میں آزادانہ زندگی بسر کرنا چاہتا تھا۔ سیواجی کے کہنے پر وٹکوجی اپنے ارادہ سے باز رہا۔

تنجور کے حکمرانوں نے بھی دوسرے ہندی راجاؤں کی طرح کمپنی سے اتحاد واتفاق استوار کرنے میں شدید غلطی کی۔ کمپنی کا لالچی دل حقِ رفاقت سے ناآشنا تھا۔ اس کی دوستی دشمنی کے لیے تھی۔ کمپنی کی کتابِ حیات بابِ خلوص سے یکسر خالی تھی۔ اس خلاء کو 'ایشیائی سلطنت' کا مصنف ٹورنر محسوس کرتا ہوا لکھتا ہے:

> ''کارومنڈل ساحل پر انگریزوں کے اولین رفقا میں سے تنجور کا راجہ تھا۔ ۱۷۴۲ء میں اندرونی انقلاب کے سبب اصلی حکمران کو معزول کر دیا گیا۔ اب پرتاب تنجور کا حکمران بنا۔ مدراس کے اصحاب چونکہ تنجور کے مسائل سے دلچسپی نہ رکھتے تھے اس لیے انہوں نے جدید حکمران کو تسلیم کرنے میں تامل نہ کیا۔ انہوں نے نئے راجہ سے حسبِ معمول خط وکتابت جاری رکھی۔ نیز سات

سال تک باہمی رفاقت کا اظہار ہوتا رہا۔ یہاں تک کے معزول شدہ راجہ ساہو جی نے حصولِ تخت کے لیے کمپنی سے درخواست کی۔ ساہو جی نے کامیابی کی صورت میں اخراجاتِ جنگ کے علاوہ دیوی کوٹا کی جاگیر اور قلعہ کمپنی کو دینا کیا۔ انہوں نے اس درخواست کو منظور کر لیا۔ پرتاب ان کا رفیق تھا۔ انہوں نے حال ہی میں فرانسیسیوں کے خلاف اس سے مدد طلب کی تھی۔ ان کے پاس جنگ کے لیے کوئی وجہ نہ تھی۔ ان امور کے باوجود انہوں نے پرتاب کے خلاف ایک فوج روانہ کر دی۔ پہلی مہم ناکام رہی۔ دوسری مہم بھیجی گئی۔ انہوں نے دیوی کوٹا پر قابض ہونے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ ان کی پیشِ نظر دیوی کوٹا کا قلعہ تھا نہ کہ راجہ کو تخت نشینی۔ میلکم لکھتا ہے قلعہ پر قبضہ کے بعد انہوں نے پرتاب سے گفت وشنید کی۔۔۔۔ یہ تسخیرِ ہندوستان کی ابتدا تھی۔''

تنجور کے ساتھ کمپنی کے تعلقات کی یہ ابتداء تھی۔ انتہا بھی اسی قسم کی ہونی چاہیے۔ ۱۷۵۰ء میں تنجور کے ایک معزول شدہ حکمران کی حمایت میں کمپنی کی تلوار نیام سے باہر نکل آئی۔ لیکن ۱۷۹۹ء میں تنجور کے راجہ کی وفات پر اس کے متبنیٰ کو راجہ کا وارث تسلیم نہیں کیا جاتا۔ انگریزوں نے سب سے پہلے سورت میں اپنی فیکٹری قائم کی۔ ۱۷۵۹ء میں انگریز سورت کے قلعہ پر قابض ہو گئے۔ سورت کے حکمرانوں کی حیثیت ان کٹ پتلی سے زیادہ نہ تھی۔ کٹ پتلیوں کے اس نا مرغوب کھیل نے رعایا کے دلوں کو مکدر کر رکھا تھا۔ ۱۷۷۴ء میں ولندیزی سیاح لکھتا ہے:

''تمام قوانین پر انگریزوں کا قبضہ ہے۔ یورپی اور ہندوستانی ان کے دستِ نگر ہیں۔ اس معاملہ میں شہر کا حاکمِ اعلیٰ ایک ادنیٰ شہری سے مختلف نہیں۔ اسے انگریزی احکام ہر حال میں ماننا پڑے ہیں۔ انگریز جمہور پر یہ واضح نہیں ہونے دیتے کہ حاکمِ سورت ان کا مطیع یا دستِ نگر ہے۔''

ویلزلی سورت کو کمپنی کے مقبوضات میں شامل کرنا چاہتا تھا۔ بہانہ سازی کی کمی نہ تھی۔ نواب سے دیسی فوج ہٹانے اور اس کی جگہ انگریزی فوج رکھنے کو کہا گیا۔ نواب نے کمپنی کے ان مطالبات پر غور کرنے سے انکار کر دیا۔ لیکن کمپنی 'عشق و پیکار میں ہر شے روا ہے' پر کار فرما تھی۔ کمپنی نے دوسری مرتبہ مطالبات کو اس شدت سے پیش کیا کہ نواب کو ماننے ہی بنی۔ ہنوز عہد نامہ کو دفعات پر غور ہو رہا تھا کہ ۸ جنوری ۱۷۹۹ء کو نواب نے وفات پائی۔ ایک ماہ بعد اس کا بچہ اس سے جا ملا۔ متوفی نواب کے بھائی ناصر الدین نے وراثت کا مطالبہ کیا۔ ویلزلی نے اسے تاج و تخت سے محروم کر کے اپنی روایات کی جاری رکھا۔

ناصر الدین کو اس شان و شوکت سے معزول کیا گیا گویا اس کی جوبلی منائی جا رہی تھی۔

وارن ہیسٹنگز نے اپنے مقدمہ کے دوران کہا تھا کہ مرہٹوں ایسی قوم سے ایک ابدی صلح کرنے میں کامیاب ہوا۔ لیکن ویلزلی نے وارن ہیسٹنگز نے اس خیال کی بہت جلد تغلیط کر دی۔ وارن ہیسٹنگز کے دور میں انگریز مرہٹوں سے تین بار لڑے۔ اس کی زندگی کا آخری سال پیشوا کا آخری سال تھا۔

جب ویلزلی ہندوستان آیا تو باجی راؤ پیشوا تھا۔ نانا فرنویس قید و بند میں ایامِ زیست کاٹ رہا تھا۔ مرہٹوں میں بدنظمی اور انتشار پیدا ہو رہا تھا۔ پیشوا باجی راؤ کے اسپِ اختیار کی عنانِ دولت راؤ سندھیا کے ہاتھوں میں تھیں۔ باجی راؤ اس کی اعانت کے بغیر پیشوا نہیں بن سکتا تھا۔ باجی راؤ دراصل دولت راؤ سندھیا کا ممنونِ احسان تھا۔ پیشوا اور سندھیا کے تعلقات کی نوعیت نظام اور کمپنی کے رابطہ سے بالکل محفوظ تھی۔ پیشوا انصرامِ مملکت میں آزاد تھا۔ کمپنی مملکتِ نظام میں فرانسیسی اثر و رسوخ کے بہانے دخل انداز ہو چکی تھی۔ پیشوا کے ہاں کوئی فرانسیسی افسر نہ تھا۔

پیشوا چونکہ سندھیا کے زیرِ اثر تھا اور سندھیا کی فوجوں میں فرانسیسی افسر تھے اس لیے پیشوا کو مجرم قرار دینا عسکری منطق کی رو سے نہایت آسان تھا۔ پیشوا کی بتایا گیا کہ مرہٹہ وفاق کے تمام ارکان اس کے دشمن ہیں اور دوست صرف انگریز ہیں۔

پونا کے برطانوی ریزیڈنٹ کرنل پامر نے دربارِ پیشوا کو سازشوں کی آماجگاہ بنا دیا۔ ہندوستان کی آزاد ریاستوں میں انتشار اور بدنظمی پیدا کرنا لارڈ ویلزلی کی حکمتِ عملی تھی۔ سندھیا کے اثر و رسوخ سے نانا فرنویس بھی آزاد ہو چکا تھا۔ دربارِ پیشوا میں سندھیا کا بہت زیادہ اثر و رسوخ تھا۔ کمپنی کے عزائم میں سندھیا کا وجود سدِ سکندری تھا۔ سندھیا کو پونا سے علیٰحدہ کرنا کمپنی کا اہم ترین مسئلہ تھا۔ برطانوی جاسوسوں نے پونا

کے کوچہ و بازار میں افغانی حملہ کے خطرہ کو ایسے الفاظ میں پیش کیا کہ پونا کے در و دیوار کی بھی ان کی راست گفتاری کا یقین ہو گیا۔لیکن سندھیا کے دماغ نے اس حکایت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔زمان شاہ کے حملہ کا خطرہ سندھیا سے پونا نہ چھڑا سکا۔اس کی مملکت میں بدنظمی پیدا کرنے سے کمپنی اپنا مقصد حاصل کرنا چاہتی تھی۔علاوہ ازیں سندھیا کی حدودِ مملکت پر برطانوی سپاہیوں کی سنگینیں چمک رہی تھیں۔سندھیا زمان شاہ کے حملۂ ہندوستان کی محض ایک خواب خیال کرتا تھا۔لیکن کمپنی نے متصادم ہونے کا اسے یقین تھا۔سندھیا دکن سے شمال کی طرف روانہ ہوا۔

انگریز پیشوا کو ٹیپو کا دشمن بنانے میں کامیاب ہو گئے۔اگرچہ پیشوا سب سڈی ایری سسٹم میں شریک نہیں ہوا تھا۔پیشوا نے ٹیپو کے خلاف کمپنی کی عسکری مدد دینا چاہی لیکن کمپنی نے انکار کر دیا۔مالِ غنیمت میں مرہٹوں کو کیوں شریک کیا جاتا۔ویلزلی سلطان شہید کی قوت توڑنا چاہتا تھا لیکن مرہٹوں کی مدد کے بغیر۔کیونکہ مرہٹوں کی مدد کی شمولیت کی صورت میں اسے میسور کا کوئی نہ کوئی حصہ مرہٹوں کو دینا پڑتا۔میسور کے انگریزی قبضہ میں چلے جانے کے فوراً بعد مہاراشٹر کے جنوبی جاگیرداروں کی بغاوت نے نانا فرنویس کی یقین دلا دیا کہ اس سازش میں کمپنی کا ہاتھ ہے۔نانا فرنویس اب کمپنی اور نظام سے جنگ آزما ہونا چاہتا تھا۔بیس برس پیشتر نانا فرنویس ہندوستان کے تمام تاج داروں کو کمپنی کے خلاف متحدہ اقدام کا پیغام دے چکا تھا۔لیکن بیس برس میں حالات تبدیل ہو چکے تھے۔نانا فرنویس مرہٹہ وفاق سے ہی کمپنی اور اس کے اتحادیوں کے خلاف جنگ کرنا چاہتا تھا۔وہ خارجی جنگ سے قبل داخلی سازشوں کا خاتمہ کرنا چاہتا تھا۔اس نے جنوبی جاگیرداروں کی سرکوبی کے لیے فوجیں بھیجی ہی تھیں کہ ۱۳ فروری ۱۸۰۰ء کو اس نے اچانک وفات پائی۔نانا فرنویس کی موت مرہٹوں کے لیے بہت بڑا نقصان تھا۔اس کی موت نے مرہٹوں کے سیاسی اقتدار کا خاتمہ کر دیا۔ہم عصروں میں صرف نانا فرنویس ہی ڈپلومیسی سے آگاہ تھا۔

سندھیا کی طاقت کو زائل کیے بغیر کمپنی اپنا اقتدار قائم نہیں رکھ سکتی تھی۔اس مقصد کی تکمیل کے لیے ویلزلی نے سندھیا کے دربار میں ایک برطانوی ریزیڈنٹ بھیجا۔نیز راجہ برار کے ساتھ بھی سندھیا کے خلاف سازش کا آغاز کیا۔سندھیا اس زمانہ میں دکن سے رخصت ہو کر شمالی ہندوستان جا چکا تھا۔اب ویلزلی نے دولت راؤ کے خطرہ کا غوغا بلند کیا۔اس نے کمپنی کی فوجوں کو سندھیا کے خلاف جنگ آزما ہونے کے لیے تیار رہنے کا حکم دیا۔

''فوجوں کی فراہمی سے سندھیا اور امباجی کا خوف زدہ ہونا از بس ضروری ہے۔اس لیے تمہیں چاہیے کہ اس کے جواز میں وزیر علی کا بنارس سے فرار اور اس کی زمان سے شمولیت پیش کرو'' ویلزلی نے کمپنی کی فوجوں کے افسر اعلیٰ کو لکھا۔

باجی راؤ کی تخت نشینی سندھیا کی مرہونِ منت تھی۔لیکن اب باجی راؤ سندھیا کے خلاف کمپنی کا آلۂ کار بن رہا تھا۔ٹیپو کے بعد دون دیا نامی ایک تقدیر آزمانے اپنے اردگرد چند مہم پرداز جمع کر لیے تھے۔دون دیا کمپنی کے لیے باعثِ تکلیف تھا۔کمپنی کی فوجوں نے سر آرتھر ویلزلی کی زیرِ کمان دون دیا کا تعاقب کیا۔دون دیا مملکتِ پیشوا میں داخل ہو گیا۔اب دون دیا پیشوا کا مہمان تھا۔لیکن پیشوا نے ویلزلی کی اپنی مملکت میں داخل ہونے دیا۔ویلزلی تقدیر آزما کے تعاقب کے بہانہ سے مہاراشٹر کے پُراسرار راستوں اور دشوار گزار دروں سے آگاہ ہو گیا۔ویلزلی کی آئندہ کامیابی کا انحصار اسی تعاقب میں مضمر ہے۔

پیشوا کی اس حرکت سے سندھیا کا غیض وغضب میں آنا ایک فطری سی بات ہے۔اس نے رگھوبا کے فرار کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے باجی راؤ کی کڑی نگرانی شروع کر دی۔باجی راؤ نے اب کمپنی سے ساز باز کرنی شروع کر دی تا کہ اسے سندھیا سے نجات مل جائے۔

سندھیا اور ہلکر کے درمیان اس اثناء میں جس قدر جنگیں ہوئیں ان کا تذکرہ خوفِ طوالت کے سبب نظر انداز کیا جاتا ہے۔ان تمام جنگوں میں ہلکر کمپنی کا آلۂ کار بنا رہا۔

سندھیا کی پونا سے غیر حاضری کے دوران ہلکر کے ایک بھائی نے پیشوا کے خلاف بغاوت کی اور قتل ہوا۔جسونت راؤ ہلکر اپنے بھائی کا انتقام لینے کے لیے پونا روانہ ہوا۔برطانوی تلواریں پیشوا کے خلاف نیاموں سے باہر نکل رہی تھیں۔لیکن پیشوا جنت الحمقاء کی سیر میں مصروف تھا۔

کارنوالس نے سلطان ٹیپو سے محض اس گمان پر جنگ کی کہ ٹیپو کمپنی کی دوست راجہ ٹراونکور پر حملہ آور ہونے کا خیال رکھتا تھا۔لیکن ہلکر کے ہاتھوں کمپنی کے دوست پیشوا کی تباہی پر لارڈ ویلزلی کی جبین پر ایک شکن نہیں پڑتی۔

ہلکر پونا کی طرف روانہ ہوا۔سندھیا ان دنوں پونا میں تھا۔تاہم اس کی فوجیں ہلکر سے جنگ کرنے کے لیے تیار تھیں۔پیشوا اور سندھیا کی فوجون نے ہلکر اور کمپنی کی متحدہ فوجوں سے پونا کے مقام پر ۲۵ اکتوبر ۱۸۰۲ء کو شکست کھائی۔شکست خوردہ پیشوا ۶ دسمبر ۱۸۰۲ کو بسین پہنچا۔باجی راؤ کی گردن میں

سب سڈی ایری کا طوق پڑ چکا تھا۔ باجی راؤ نے عہد نامہ لسبین کی دفعات میں سب کچھ کھو دیا۔ یہ عہد نامہ کمپنی کی ہندوستانی مقبوضات کی تاریخ میں ایک امتیازی خصوصیت کا حامل ہے۔ اس عہد نامہ نے نہ صرف پیشوا کو آزادی سے محروم کر دیا بلکہ دوسری مرہٹہ راستوں کے سامنے ایک بہت بڑا خطرہ کھڑا کر دیا۔

ہلکر پونا پر قابض ہو چکا تھا۔ اس نے رگھوبا کے ایک متبنیٰ کو پیشوا مقرر کر دیا۔ کمپنی اگر چاہتی تو باجی راؤ کی فوراً پونا کے تخت پر بٹھا سکتی تھی۔ لیکن ویلزلی نے جلاوطن پیشوا کو پونا لانے میں اس لیے تاخیر کی تا کہ پیشوا اس کی مرضی کے مطابق شرائط قبول کر لے۔ نیز وہ اس امر سے خوب آگاہ تھا کہ پیشوا کی تخت نشینی مرہٹوں کے خلاف اعلانِ جنگ تھی۔ چنانچہ وہ اس اثناء میں جنگ کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ جب تیاری پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی تو پیشوا کو پونا جانے کا حکم ملا۔

ان شرائط کے بعد باجی راؤ کو مسندِ پیشوا پر بیٹھنا نصیب ہوا۔

۱۔ پیشوا اپنے ہاں کمپنی کی امدادی فوج رکھے گا۔

۲۔ پیشوا غیر برطانوی افسروں کو اپنی فوج میں ملازم نہیں رکھے گا۔

۳۔ کمپنی کی رضامندی کے بغیر پیشوا کسی ریاست سے کسی قسم کا معاہدہ نہیں کرے گا۔

۴۔ نظام اور گائیکوار سے جھگڑے کی صورت میں پیشوا کمپنی کو ثالث تسلیم کرے گا۔

۵۔ کمپنی کی امدادی فوج کے اخراجات کے لئے پیشوا احاطۂ بمبئی کے بعض اضلاع کمپنی کے حوالے کرے گا۔

باجی راؤ کے لیے مسندِ پیشوائی کانٹوں کو بستر ثابت ہوئی۔ وہ ایامِ جلاوطنی میں غلامی کے بوجھ کا اندازہ نہ لگا سکا۔ پونا پہنچ کر باجی راؤ کی غلامی کے ناقابلِ برداشت ہونے کا انداز ہوا۔ پیشوا اس آگ میں جل رہا تھا جس کا ایندھن معاہدہ لسبین کی دفعات تھیں۔ پیشوا نے سندھیا اور بھونسلہ کو پونا آنے کی دعوت دی۔

سندھیا اور بھونسلہ اپنی فوجوں سمیت پونا روانہ ہوئے۔ ویلزلی نے انہیں تہدید آمیز خطوط لکھے۔ سندھیا اور بھونسلہ کے لیے اس قسم کی خط و کتابت بے معنی تھی۔ چونکہ پیشوا نے انہیں پونا بلایا تھا اس لیے ان دونوں کی جگہ پیشوا سے اس قسم کی خط کتابت کی جاتی۔ ویلزلی کو چاہیے تھا کہ وہ پیشوا سے باز پرس کرتا اور اسے ڈراتا دھمکاتا۔ لیکن ایسا کرنا اس کی حکمتِ عملی کے خلاف تھا۔ ویلزلی نے سندھیا کے ساتھ

طویل مراسلت کا سلسلہ شروع کیا۔اس تاخیر کا مقصد سامانِ حرب کی تکمیل تھا۔جب ویلزلی نے دیکھا کہ کمپنی کی فوجیں صرف ایک اشارے کی منتظر ہیں تو اس نے اپنے بھائی آرتھر ویلزلی کو جنگ اور صلح کے اختیارات دیے۔آہنی شہزادہ جنگ کا طلبگار تھا۔چنانچہ اس نے ۶ اگست ۱۸۰۳ء کو سندھیا اور بھونسلہ کے خلاف سازشوں کے جال بچھا دیے۔

سندھیا اور راجہ برار کے مقابلہ کے لیے کمپنی کی فوجیں چھ مختلف محاذ قائم کیے ہوئے تھیں۔جنرل اسٹورٹ سرحدِ میسور پر، جنرل ویلزلی پونا میں، کرنل سٹیون سن حیدرآباد میں، جنرل لیک شمالی ہندوستان میں، کرنل کیمپ بل شمالی مدراس میں اور کرنل مرے گجرات میں سندھیا اور بھونسلہ سے جنگ کرنے کے لیے تیار تھے۔جنرل ویلزلی اور جنرل لیک سب سے اہم جنگوں میں شریک تھے۔

جنرل ویلزلی ۷ اگست ۱۸۰۳ء کو احمد نگر روانہ ہوا۔چار روز بعد احمد نگر کا قلعہ اس کے قبضہ میں تھا۔۱۸ اگست کو جنرل ویلزلی احمد نگر سے روانہ ہوا۔۲۴ اگست کو اس نے گوداوری کو عبور کیا۔وہ کرنل سٹیون سن سے اورنگ آباد میں ملنا چاہتا تھا۔جب سندھیا اور بھونسلہ کو احمد نگر کو تسخیر اور ویلزلی کے کوچ کو خبر ملی وہ بھی جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔۲۳ ستمبر ۱۸۰۳ کو سندھیا اور ویلزلی کی فوجوں میں جنگ ہوئی سندھیا کے یورپی افسروں نے غداری کی اور میدان ویلزلی کے ہاتھ رہا۔جنگ میں سندھیا کے ایک بھی یورپی افسر کا نہ مارا جانا اس دعوے کے لیے کافی دلیل ہے۔

جنرل ویلزلی لکھتا ہے:

''کسی موقع پر بھی سندھیا کی فوجوں کے یورپی افسروں نے ان کا ساتھ نہیں دیا۔''

سندھیا اور بھونسلہ کی شکست خوردہ فوجوں کے تعاقب کی جرأت نہ ویلزلی میں تھی اور نہ ہی کرنل سٹیون سن میں۔لیکن جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ سندھیا اور بھونسلہ کی فوجیں ایک دوسرے سے جدا ہو گئیں ہیں تب کرنل سٹیون سن نے سندھیا کی نقل حرکت کا مطالعہ کرنے کے لیے اس کا تعاقب کیا۔اور جنرل ویلزلی بھونسلہ کے تعاقب میں روانہ ہوا۔آرگام کی جنگ میں ویلزلی پھر کامیاب ہوا۔۱۱ دسمبر ۱۸۰۳ء کو گوال گڑھ کا قلعہ بھی جنرل ویلزلی کے قبضہ میں چلا گیا۔قلعہ گوال گڑھ کی تسخیر کے ساتھ ہی جنرل ویلزلی کی مہماتِ دکن کا خاتمہ ہو جاتی ہے۔سندھیا اور بھونسلہ کی کمپنی سے صلح ہو جاتی ہے۔

پون گڑھ اور سانبل پور کی تسخیر سے گجرات اور اڑیسہ پر کمپنی کا قبضہ ہو گیا۔۷ اگست ۱۸۰۳ء کو جنرل

لیک کانپور سے روانہ ہوکر ۲۸ اگست کو کمپنی کی سرحد تک جا پہنچا۔ جنرل لیک سندھیا کی مملکت پر حملہ آور ہوا۔ ۲۹ اگست کو جنرل لیک علی گڑھ پر حملہ آور ہوا۔ جنرل لیک اب علی گڑھ کا قلعہ فتح کرنا چاہتا تھا۔

سندھیا کی فوج کے یورپی افسر نمک حرام ثابت ہوئے۔ سپاہیوں کا دشمن پر غلبہ پانا ناممکنات میں سے ہے۔ لیک دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ لال قلعہ کی دیواروں پر برطانوی علم لہرانے کی ہوس لیے ہوئے لیک دہلی کی طرف بڑھا۔ لوئی بارجن دہلی میں سندھیا کی فوجوں کا افسرِ اعلیٰ تھا۔ لیک کو داخلۂ دہلی سے قبل اس فرانسیسی افسر سے نبرد آزما ہونا تھا۔ لیک نے اپنی عادات اور حکمتِ عملی کے مطابق حملۂ دہلی سے قبل شاہ عالم سے سندھیا کے خلاف سازش کی۔ اعلیٰ حضرت نے انتہائے سادگی سے لوئی بارجن کی مخالفت اور لیک کی حمایت کی۔ شاید اعلیٰ حضرت اس خیال سے جنرل لیک کے طرف دار ہو گئے ہوں کہ لیک کامیابی کے بعد انہیں 'مغلِ اعظم' بنا دے گا۔ ہندوستان کے نام نہاد شہنشاہ کو شاید معلوم نہ تھا کہ 'اعظم' بنتے ہیں، بنائے نہیں جاتے۔ ۲۴ ستمبر ۱۸۰۳ء کو لیک آگرہ روانہ ہوا۔ ۱۷ اکتوبر کو لیک آگرہ کے قلعہ پر قابض ہو گیا۔ لیک کو شمالی مہمات کا خاتمہ لاسوری کی جنگ پر ہوتا ہے۔ لاسواری کی جنگ ہندوستان کی فیصلہ کن جنگوں میں سے ایک ہے۔ اس لڑائی میں کمپنی کے اقتدار کا بالکل خاتمہ ہو جاتا اگر سندھیا کی فوجوں کے غیر ملکی افسر کمپنی کے زر و مال پر مائل ہو کر سندھیا سے غداری نہ کرتے۔ کمپنی نے نئے معاہدہ کے تحت سندھیا اور بھونسلہ کو ان کی زرخیز زمینوں سے محروم کر دیا۔ نیز کمپنی کی اطاعت کا طوق بھی ان کے گلے میں ڈال دیا۔

پیشوا کی گردن سے سب سڈی ایری کا طوق اتارنے کے لیے سندھیا کس قدر بے تاب تھا۔ یہی سندھیا اب اس زہر کے پیالے کو اپنے لبوں سے لگانے پر مجبور تھا۔

پیشوا کی قوت ٹوٹ چکی تھی۔ سندھیا بے دست و پا تھا۔ ویلزلی کے عزائم پورے ہو رہے تھے۔ انگریز غالب اور مرہٹے مغلوب ہو چکے تھے۔ اب ہلکر کی قوت ویلزلی کی چشمِ ہوس میں خار بن کر کھٹکنے لگی تھی۔

مرہٹوں کی تیسری لڑائی میں ہلکر صرف ویلزلی کے دامِ فریب میں آ کر اپنے بھائی بندوں کے مصائب میں شرکت نہ کر سکا۔ اب اسے بھی تنہا مصیبتوں کا شکار ہونا پڑا۔ جو لوگ مصیبت زدہ افراد کی مدد سے گریز کرتے ہیں انہیں اپنے ایامِ تلخ میں دوسروں سے اعانت کی توقع نہیں کرنی چاہیے۔

جدید معاہدہ جنگ کو ختم نہ کر سکا۔ بلکہ اس کی دفعات نے ہلکر کو مشتعل کر دیا۔ ہلکر انتقام کا خواہاں تھا اور ویلزلی اسے خاک وخون میں تڑپانے کے لیے آمادہ۔ سوائے جنگ کے اور کیا تھا؟ ویلزلی جنگی تیاریوں میں مصروف تھا۔ دشمن کی نسبت محسن کے گلے پر چھری زیادہ آسانی سے چلائی جا سکتی تھی۔ کمپنی کے لیے ہلکر کا وجود بہت مفید تھا لیکن گورنر جنرل اسی ہلکر کو تباہ کرنے کا ارادہ کر چکا تھا۔ طبلِ جنگ پر چوٹ پڑ چکی تھا۔ ہلکر سندھیا کی ناکامی کا سب سے بڑا سبب یورپی افسروں کی غداری کو خیال کرتا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی فوج کے تمام یورپی افسروں کی قتل کر دیا۔ ہلکر کے یہ فوجی افسر جنرل لیک سے سازشیں کرنے میں مصروف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہلکر سندھیا کی نسبت زیادہ دیر تک کمپنی سے لڑتا رہا۔ ہلکر کے خلاف جنگی تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ ہلکر کی قوت ختم کرنے کے لیے ویلزلی نے تین مقامات پر فوجی اڈے قائم کیے۔ سب سے زیادہ فوج جنرل لیک کے ماتحت شمالی ہندوستان میں تھی۔ دکن کی فوج کرنل ویلس کے زیرِ کمان تھی۔ گجرات میں کرنل مرے انگریزی فوجوں کا افسرِ اعلیٰ تھا۔ نوکِ سنگین کے علاوہ عیاری اور دغابازی کو بھی کام میں لایا جا رہا تھا۔ اس لڑائی کے مقابلہ میں سندھیا اور بھونسلہ سے انگریزوں کی جنگ بچوں کا کھیل معلوم ہوتا ہے۔ ہلکر نے اگرچہ اپنی فوجوں کے تمام یورپی افسر قتل کر دیے تھے۔ تاہم انگریزوں کی طرف سے اس کے ذمہ دار افسروں کی منحرف کرنے کی کوشش جاری تھی۔ امیر خاں سب سے پہلے اس طلائی دام کا شکار ہوا۔ لیک نے جنرل مونسن کو کثیر افواج دے کر ہلکر کے مقابلہ کے لیے روانہ کیا۔ جنرل مونسن یکم جولائی ۱۸۰۴ء کو درہ مکندہ کی راہ سے مملکتِ ہلکر میں داخل ہوا۔ لیکن بہت جلد اسے واپس ہونا پڑا۔ جنرل مونسن کی مراجعت عسکری نقطۂ نگاہ سے ایک بہت بڑی شکست تھی۔ انگریزوں کو بہت نقصان اٹھانا پڑا۔ تباہ حال اور نیم گرسنہ سواروں کا یہ قافلہ ۲۹ جولائی کو رام پور پہنچا۔ ڈف اس مراجعت کا ذکر نہایت موزوں اور مؤثر انداز میں کرتا ہے۔ مونسن کی فوج کا ایک فرد بھی داستان کہنے کے لیے موجود نہ رہتا اگر مون سون اس کی مدد نہ کرتیں کثرتِ باراں نے انگریزوں کو کلی تباہی سے بچا لیا۔ مونسن ان شکستہ دلوں کے ہمراہ آگرہ پہنچا۔ اس پسپائی کی خبر پر گورنر جنرل نے یہ الفاظ کہے:

''اس حادثہ کے سیاسی نتائج سے میں لرز جاتا ہوں۔''

ہلکر فتح ونصرت کا علم لہراتا ہوا متھرا تک جا پہنچا۔ اس کی آمد پر انگریزوں نے متھرا کو خالی کر دیا۔ ایک تھکے ہوئے مسافر کی طرح ہلکر متھرا میں ستانے کے لیے رک گیا۔ اسی اثناء میں اس کے دکنی

اور مالوی مقبوضات پر انگریز قابض ہو گئے۔ہلکت متھرا آ رہا تھا مگر اس کا مخالف جنگی تیاریوں میں مصروف تھا۔لیک ۳ ستمبر کو کانپور سے روانہ ہو کر ۲۲ ستمبر کو آگرہ پہنچا۔یکم اکتوبر کو وہ متھرا روانہ ہوا۔ہلکر اسی اثناء میں دہلی روانہ ہو چکا تھا۔ہلکر کے دہلی پہنچنے سے قبل لیک دہلی فتح کر چکا تھا۔مغل بادشاہ کو حالت اگرچہ دگرگوں تھی تاہم کمپنی اسے سبز باغ دکھانے میں کامیاب ہوگئی۔کمپنی نے عملی طور پر اس وقت تک شہنشاہ سے ہمدردی یا دوستی کا ثبوت نہیں دیا تھا۔ہلکر نے سہان پور کی راہ لی مگر دستِ اعانت کو اپنی طرف بڑھتے ہوئے نہ دیکھ کر وہ بھرت پور کی طرف روانہ ہو گیا۔شکاری کتے کی طرح لیک نے تعاقب جاری رکھا۔ہلکر اپنی فوج سمیت ڈیک کے قلعہ میں پناہ گزین ہوا۔۱۵ دسمبر تک آگرہ سے قلعہ شکن توپیں پہنچ گئیں۔۲۳ دسمبر کو لیک ڈیک کے قلعہ پر قابض ہو گیا۔ہلکر بھرت پور کے قلعہ میں پناہ گزین ہوا۔ڈیگ کا قلعہ بھرت پور کی ریاست میں واقع تھا۔ڈیک کی تسخیر پر بھرت پور کے حکمران رنجیت سنگھ نے ہلکر کا ساتھ چھوڑ دیا۔ڈیک کی شکست وریخت کے ساتھ ہی راجہ اپنی تمام مملکت کو کھو چکا تھا۔صرف بھرت پور اس کے قبضہ میں تھا۔گردونواح پر کمپنی قابض ہو چکی تھی۔بھرت پور کا محیط تقریباً آٹھ میل تھا۔شہر کے ادر گرد ایک کچی فصیل تھی، فصیل کے باہر پانی سے بھری ایک خندق تھی۔بھرت پور کا مشہور قلعہ شہر کی مشرقی جانب تھا۔

لیک ۲۹ دسمبر ۱۸۰۴ء کو ڈیک سے روانہ ہو کر ۳ جنوری ۱۸۰۵ء کو بھرت پور پہنچا۔چار روز بعد فصیل پر آگ برسائی گئی۔لیک تین بار حملہ آور ہوا لیکن اسے ہر بار شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

''سب ٹھیک ہے'' لیک نے تینوں مرتبہ گورنر جنرل کو لکھا۔

بھرت پور میں کمپنی کی ناکامی کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہلکر اور بھرت پور کے ہاں کوئی یورپی افسر نہ تھا۔

اگر مٹی کی دیواروں کی حفاظت خون سے کی جائے تو بڑی سے بڑی قہرمانی طاقت بھی ان دیواروں کی راکھ کا ڈھیر نہیں بنا سکتی۔وہ فوجیں جو انتہائی سامانِ جنگ سے آراستہ بھرت پور کی کچی دیواریں نہ گرا سکیں دغا وفریب سے بڑے بڑے مستحکم مقامات پر قابض ہوتی رہیں۔جب شرکائے کار میں غدار موجود ہوں تو سنگین حصار بھی کھلونہ بن جاتا ہے۔اس سرزمین کا ہر تودۂ خاک آہنی قلعہ کا حکم رکھتا ہے جو غداری سے پاک ہو۔

لیک نے راجہ بھرت پور سے صلح کی درخواست کی جسے راجہ نے قبول کرنے میں کوئی عذر محسوس نہ

کیا۔ہلکر مارچ ۱۸۰۵ء میں پنجاب کی طرف روانہ ہوا۔ان ایام میں پنجاب پر مہاراجہ رنجیت سنگھ حکمران تھا۔ہلکر بھرت پور کے رنجیت کی طرح لاہور کے رنجیت سے بھی ہر ممکن اعانت کا متوقع تھا لیکن اسے بہت جلد اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔

لیکن بے یار و مددگار رہیرو کا تعاقب کرتا ہوا بیاس کے کناروں تک پہنچ گیا۔قبل ازیں انگریز ایک طرف سکھوں کو شاہ کابل کے خلاف بھڑکاتے رہے اور دوسری طرف انہیں انگریزی حکومت کے ساتھ دوستانہ روابط استوار کرنے سے آگاہ کرتے رہے۔چونکہ رنجیت سنگھ نے ہلکر کو مدد دینے سے انکار کر دیا تھا اس لیے ۲۴ دسمبر ۱۸۰۵ء کو ہلکر نے جارج بارلو کے مجوزہ معاہدہ پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی۔

## حیدر علی اور ٹیپو سلطان

رات، تاریکی، بادلوں کی گرج، بجلی کی کڑک۔تند و تیز ہوائیں، ابر کے سیاہی مائل ٹکڑے اور ژالہ باری، ماحول کی ہولناکی جری سے جری انسان کے حوصلے پشت کر دیتی ہے۔لوگ سہمے ہوئے گھروں میں بیٹھے تھے۔

بجلی کی چمک اور بادلوں کی گرج سے دل دہلے جاتے تھے۔بچے مارے خوف کے ماؤں کی چھاتیوں سے چمٹے جاتے تھے۔اس بھیانک رات میں ایک شخص پونا کے قلعہ میں چراغ کی ٹمٹماتی روشنی کے سامنے جھکا ہوا تھا۔اس کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا۔

مدھوراؤ راجہ میسور کا خط پڑھنے میں مصروف ہے۔راجہ نے مادھوراؤ کو لکھا تھا کہ وہ اسے حیدر علی

کے پنجہ سے آزاد کرائے۔ کیونکہ حیدر علی میسور کے تخت پر قابض ہونا چاہتا تھا۔ اگلے دن طوفانِ باد و باراں میں مرہٹی فوج سرنگا پٹم روانہ ہوئی۔ دربارِ میسور نے حیدر علی کو مرہٹی فوج کی نقل و حرکت سے بے خبر رکھا۔ جب مرہٹی فوج سرنگا پٹم کے قریب پہنچی تو حیدر علی کے ایک دوست نے اسے بتلایا کہ مرہٹی فوج اسے گرفتار کرنے کے لیے راج دھانی کے بہت قریب پہنچ گئی ہے۔ حیدر علی کو یہ اطلاع شام کے قریب دی گئی۔ راجہ کی طرف سے حیدر علی کی نقل و حرکت پر جاسوس مقرر تھے۔ رات کی تاریکی میں حیدر علی سرنگا پٹم سے بھاگ نکلا۔ اس نے اگلی رات بنگلور میں بسر کی۔ مرہٹی فوج اس کا تعاقب کر رہی تھی۔ جب یہ فوج بنگلور پہنچی تو حیدر علی نے قلعہ سے نکل کر اس پر حملہ کر دیا۔ مرہٹی فوج شکست کھانے کے بعد واپس ہوئی۔ سرنگا پٹم کی حفاظت کے لیے اب کوئی مرہٹی فوج موجود نہ تھی۔ چنانچہ حیدر علی نے سرنگا پٹم پر حملہ کرنے کی تیاری کی۔ وہ ہنوز اس تیاری میں مصروف تھا کہ اسے میسور کی رانیوں کی طرف سے ایک مکتوب ملا جس میں لکھا تھا کہ ریاست کو تباہی سے بچانے کے لیے ضروری ہے کہ حیدر علی بہت جلد سرنگا پٹم پہنچ جائے۔ حیدر علی کی فوج نے نہایت آسانی سے سرنگا پٹم کے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ اگلے دن حیدر علی نے راجہ کی خدمت میں چند تحائف بطورِ نذرانہ پیش کیے اور باریابی کی اجازت چاہی۔ راجہ سے ملاقات کرنے کے بعد حیدر علی نے راجہ کے مصارف کے لیے تین لاکھ روپے کی جاگیر علیٰحدہ کر دی اور میسور کی عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ حیدر علی نے راجہ میسور کو معزول کرنے میں کسی قسم کی کوشش نہیں کی تھی۔ بلکہ حیدر علی کے خلاف راجہ نے مرہٹوں کے ساتھ مل کر بہت بڑی سازش کی۔ راجہ اس سازش میں ناکام رہا۔ سرنگا پٹم فتح کرنے کے بعد حیدر علی راجہ میسور کے ساتھ اپنے زمانے کے دستور کے مطابق ہر قسم کا سلوک کر سکتا تھا۔ لیکن اس نے راجہ کے وجود کو برقرار رکھا اور خود ایک ناظمِ اعلیٰ کی حیثیت سے ریاست کے نظم و نسق میں مصروف ہو گیا۔ اس وقت ریاست شہر میسور اور ۳۳ مضافاتی دیہات پر مشتمل تھی۔ لیکن حیدر علی نے بتدریج 'سلطنتِ خداداد' قائم کی جس کا رقبہ پچاس ہزار مربع میل تھا۔ اس وسیع سلطنت میں ریاست میسور ایک باج گزار کی حیثیت میں باقی رہ گئی تھی۔ سلطنتِ خداداد کے حاکمِ اعلیٰ ہونے کی حیثیت سے حیدر علی اور سلطان ٹیپو ریاست میسور کے نگران تھے۔ ہندوستان کی تاریخ لکھنے والوں نے ریاست میسور اور سلطنتِ خداداد کو ایک ہی خطہ تصور کر کے بہت سی غلط فہمیاں پیدا کر دی ہیں۔ سلطنتِ

خداداد میں حیدر علی اور ٹیپو سلطان کو حکمران کی حیثیت حاصل تھی۔ ریاست میسور کے راجے کو موجودہ اصطلاح میں ''درجہ نوآبادیات'' حاصل تھا۔ اس کے اعزاز و افتخار میں کوئی فرق نہیں آتا تھا۔ بلکہ سلطنتِ خداداد کے حکمران راجہ میسور کو دربار کے موقع پر نذرانہ پیش کرتے تھے۔

''تاریخ سلطنت خداداد'' کا مصنف شریمتی سبتیا دیوی کے ایک مضمون کا جو اقتباس نقل کرتا ہے وہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

> ''حیدر علی پر سب سے پہلا الزام یہ لگایا جاتا ہے کہ اس نے اپنے ہندو راجہ سے غداری کر کے اس کا ملک چھین لیا اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔ لیکن اگر تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ الزام بالکل غلط نظر آئے گا۔ حیدر علی کے عروج سے پہلے میسور ایک بہت ہی معمولی ریاست تھی جس میں صرف ۳۳ گاؤں تھے۔ یہاں کے راجہ پہلے بیجاپور کے بادشاہوں کے باج گزار تھے۔ ۱۶۸۷ء میں میسور کا راجہ شہنشاہ عالمگیر کا باج گزار ہو گیا۔ چند سال بعد شہنشاہ عالمگیر نے میسور کے راجہ کو جگدیو کا خطاب دے کر نوبت اور نقارہ رکھنے کی اجازت دے دی۔ میسور کی جاگیر سرا کے مغل گورنر کے ماتحت تھی۔ حیدر علی میسور کی ملازمت میں سپہ سالاری کے عہدہ تک جا پہنچا تھا۔ تھوڑی دیر بعد مغل شہنشاہ نے حیدر علی کی سرا کا گورنر مقرر کر دیا اور اسے شاہانہ مراتب، نقارہ اور نشان مع خطاب نوابی دربارِ مغلیہ سے عطا کیا۔ اس طرح اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حیدر علی اب راجہ میسور کے ماتحت نہیں رہا تھا بلکہ راجہ میسور اس کے ماتحت تھا۔ لیکن اس کے باوجود اس نے اپنے راجہ کی ہمیشہ عزت کی۔ باوجودیکہ کہ راجہ میسور ۳۳ گاؤں کا مالک تھا اور حیدر علی کے زیرِ نگیں ۸۰ ہزار مربع میل رقبہ تھا، پھر بھی راجہ میسور کو وہ اپنا آقا سمجھتا تھا۔ اور اس کی ہر ممکن خدمت کے لیے ہر وقت کمر بستہ رہتا

تھا۔اس نے کئی بار میسور کو تباہی سے بچایا۔لیکن جب راجہ کے غدار وزیروں نے راجہ کو مفلوج کر دیا اور وفادار حیدر علی کے خلاف سازشیں کرنے لگے تو اس نے مجبور ہو کر جاگیر میسور کی زمام اپنے ہاتھ میں لے لی اور راجہ کو ایک باج گزار والیٔ ریاست کی صورت میں اپنی نگرانی میں رکھا۔حیدر علی کے لیے آسان تھا کہ وہ میسور کے شاہی خاندان کو جلا وطن کر دیتا۔جس طرح کے ایسٹ انڈیا کمپنی نے ارکاٹ، اودھ، ناگ پور اور ستارا کے شاہی خاندانوں کو بے نشان کر دیا۔لیکن نہیں، بدنام حیدر علی نے راجہ میسور کے اعزاز ومناصب کو بدستور قائم رکھا۔دسہرہ کے موقع پر راجہ کا جلوس نہایت شان وشوکت کے ساتھ نکلتا تھا۔اس موقع پر جو دربار ہوتا، اس میں حیدر علی اور ٹیپو سلطان کی طرف سے نذریں پیش کی جاتی تھیں۔کیا اس کے بعد بھی حیدر علی کو غدار اور نمک حرام کہا جا سکتا ہے؟''

حیدر علی ۱۷۲۲ء میں پیدا ہوا۔بچپن میں اسے فنونِ جنگ کی تعلیم دی گئی۔جب حیدر علی جوان ہوا تو اس نے میسور کے راجہ کی ملازمت کر لی۔پائیں گھاٹ کی جنگ میں حیدر علی نے ذاتی شجاعت کے کارنامے انجام دیے جس کے صلہ میں اسے ڈنڈی گل کا گورنر بنا دیا۔۱۷۵۷ء میں دربار نے حیدر علی کو میسوری فوجوں کا سپہ سالار بنا دیا۔پانی پت کی تیسری جنگ میں جب مرہٹوں کو شکست ہوئی تو اس نے فائدہ اٹھاتے ہوئے حیدر علی نے میسور کا وہ تمام علاقہ واپس لے لیا جس پر مرہٹوں نے قبضہ جما رکھا تھا۔اس اثناء میں ریاست کا ایک وزیر نندراج راجہ کے خلاف ایک سازش میں مصروف تھا۔حیدر علی نے اس موقع پر نندراج کو وزارت سے علیٰحدہ ہونے پر مجبور کر دیا۔اس کام کے صلہ میں راجہ نے حیدر علی کو ''فرزندِ ارجمند'' کا خطاب دیا۔حیدر علی کی ذاتی جرأت وشجاعت اور اثر ورسوخ کے پیشِ نظر شہنشاہِ دہلی نے اسے سرا کا صوبے دار مقرر کیا۔اس فرمان کے بعد میسور حیدر علی کی ایک باج گزار ریاست بن گئی۔لیکن راجہ میسور چاہتا تھا کہ حیدر علی کے اقتدار کو ختم کر دے۔چنانچہ اس نے مادھوراؤ کو خط لکھ کر اس سے

فوجی مدد طلب کی۔ حیدر علی نے اس فوج کو شکست دینے کے بعد میسور کا نظم ونسق خود سنبھال لیا۔ بیدنور کی فتح نے حیدر علی کو جنوبی ہندوستان کا سب سے طاقتور انسان بنا دیا۔ بہت جلد اس کا ملیا اور شاہنور پر قبضہ ہو گیا۔ مادھوراؤ پیشوا حیدر علی کو ابھرتا ہوا نہیں دیکھ سکتا تھا۔ چنانچہ ۱۷۶۵ء میں وہ بہت بڑی فوج لے کر میسور پر حملہ آور ہوا۔

بالاپور، کڑپہ، ملباگل اور گرم کنڈہ پر قبضہ کرنے کے بعد سرنگاپٹم کی طرف بڑھا۔ حیدر علی کو اس بات کا احساس تھا کہ اگر مادھوراؤ نے سرنگاپٹم پر قبضہ کرلیا تو اس کی سلطنت کا خاتمہ ہو جائے گا۔ مرہٹی اور میسوری فوجوں میں جنگ ہونے کے بعد صلح ہوگئی۔ میسور کی پہلی جنگ (۱۷۶۷ء تا ۱۷۶۹ء) میں حیدر علی نے انگریزوں کو شکست دی۔ اس شکست کی خبر جب انگلستان پہنچی تو ایسٹ انڈیا کمپنی کے حصوں کی قیمت ساٹھ فیصد کم ہوگئی۔ میسور کو پہلی جنگ کا خاتمہ معاہدۂ مدراس پر ہوا۔ یہ معاہدہ حیدر علی اور شاہِ انگلستان کے درمیان لکھا گیا تھا۔ کیونکہ حیدر علی نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو فریق ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ ۱۷۷۰ء میں مرہٹوں نے میسور پر پھر حملہ کیا۔ مرہٹوں اور حیدر علی میں جنگ ہوئی۔ پونا میں مادھوراؤ پیشوا کی موت کے بعد تخت نشینی پر جھگڑا شروع ہوگیا۔ حیدر علی نے اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مرہٹی جرنیل ترمک راؤ سے ۲۶ لاکھ روپیہ معاملہ طے کرلیا۔ ۱۷۸۰ء سے ۱۷۸۴ء تک میسور کی دوسری جنگ جاری رہی۔ حیدر علی نے ۱۷۸۲ء میں وفات پائی۔ باپ کی موت کے بعد بیٹے نے اس جنگ کو جاری رکھا لیکن:

> ''حیدر علی کی موت انگریزوں کی خوش قسمتی کا باب تھی۔ اس کی موت نے نا صرف میسور کو بلکہ مہاراشٹر کو بھی نا قابلِ تلافی نقصان پہنچایا۔ نانا فرنویس کو حیدر علی کی فتوحات سے امید ہو چلی تھی کہ انگریز ہندوستان سے رخصت ہونے والے ہیں۔ لیکن حیدر علی کی موت نے نانا فرنویس کی مایوس ومجبور کر دیا تھا کہ وہ انگریزوں کی پیش کردہ شرائطِ صلح پر دستخط کر دے۔''

حیدر علی سرنگاپٹم کے لال باغ میں مدفون ہوا۔ سلطان ٹیپو نے اپنے باپ کا مقبرہ تعمیر کیا۔ گنبد کی مغربی دیوار پر تاریخِ وفات کندہ ہے:

**حیدر علی خان بهادر**

## ۱۱۹۵ھ

حیدرعلی اپنے زمانہ میں ہندوستان کا سب سے بڑا جرنیل تھا۔شجاعت،مردانگی اورنظم ونسق میں اس کا مرتبہ بہت بلند تھا۔وہ شروع سے آخر تک دشمنوں سے لڑتا رہا۔اس کے دشمنوں نے اسے ایک دن بھی چین سے بیٹھنے نہ دیا۔حیدرعلی اپنے زمانہ میں انگریزوں کا سب سے بڑا دشمن تھا۔اس کے خیال میں ہندوستان کی تباہی کا سب سے بڑا سبب ہندوستان میں بحری قوت کا فقدان تھا۔چنانچہ حیدرعلی پہلا حکمران تھا جس نے 'سلطنتِ خداداد' کے لیے ایک جنگی بیڑا بنایا۔دہلی کے شہنشاہوں،مہاراشٹر کے پیشواؤں اور دکنی ریاستوں کے تاجداروں کو بحری بیڑہ بنانے کا خیال نہ آیا تھا۔حیدرعلی ایک بہادر سپاہی تھا۔اس نے اپنے دشمنوں سے وہی سلوک کیا جو ایک بہادر اپنے دشمنوں سے کرتا ہے۔اس کی یہ اسپرٹ اس کی سیرت کی سب سے بڑی خوبی ہے۔لیکن اس کی یہ خوبی اس کے تنگ نظر دشمنوں کی تقویت کا باعث بنی۔انگریز مؤرخوں کو اس امر کا اعتراف کرنا پڑا کہ:

> ''ہندوستان میں انگریزوں کو حیدرعلی سے بڑھ کر کوئی دوسرا حریف نہ ملا۔بڑے بڑے معرکوں میں اس نے نہ صرف انگریزوں کو شکست دی بلکہ انگریزوں کی ہستی اس کے رحم و کرم پر منحصر ہوگئی۔''

'تاریخ سلطنتِ خداداد' کا مصنف لکھتا ہے:

> ''اگر حیدرعلی کی زندگی پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ۱۷۶۱ء سے ۱۷۸۲ء تک اسے ایک سال بھی آرام اور چین سے زندگی بسر کرنا نصیب نہ ہوا۔۲۱ سال کی یہ زندگی ایک طوفانی زندگی تھی۔ارکاٹ اور حیدرآباد کا نواب،پونا کے پیشوا،مدراس کے انگریز،میسور کے پالیگار میں حیدرعلی کا کوئی بھی دوست نہ تھا۔لیکن اس جانباز سپاہی کی مستقل مزاجی اور بے پناہ تدبر نے ان تمام مشکلات میں گھر جانے کے باوجود ایک ایسی سلطنت کی بنیاد رکھی جو ہندوستان کی آزادی کی ضامن تھی۔''

عمر بھر جنگ و جدال میں مصروف رہنے والا حیدر علی بات چیت میں بہت نرم تھا۔اس کا اندازِ کلام مختصر اور مؤثر ہوتا۔فارسی اس کی مادری زبان تھی۔اردو، کنڑی، تامل، مرہٹی اور تلنگی زبانوں میں آسانی سے گفتگو کر لیتا تھا۔حیدر علی فرانسیسی زبان بھی سمجھتا تھا۔رعایا کے آرام و آسائش کا اسے بہت خیال تھا۔قدیم زمانہ کے روایتی بادشاہوں کی طرح حیدر علی بھیس بدل کر اپنی رعایا کے حالات سے براہِ راست واقفیت حاصل کرتا تھا۔حیدر علی نے اپنی پولیس اور افواج کو اعلیٰ پیمانہ پر منظّم کیا۔بہادرانہ کارناموں پر حیدر علی اپنے سپاہیوں کو بہت زیادہ انعام واکرام سے نوازتا تھا۔

حیدر علی کے عدل وانصاف کی داستانیں جنوبی ہندوستان میں زبان زدِ خاص و عام ہیں۔کہا جاتا ہے کہ حیدر علی نے ایک جرم کی پاداش میں اپنے بیٹے ٹیپو کو اپنے ہاتھ سے کوڑے لگائے تھے۔

حیدر علی کوئمبوتور میں مقیم تھا۔ایک شام سیر کے لیے نکلا تو ایک بڑھیا نے اسے روک لیا۔نواب نے وجہ دریافت کی۔بڑھیا نے کہا کہ نقیبوں کے سردار آغا محمد نے اس کی لڑکی چھین لی ہے اور اس نے انصاف طلب کرنے کے لیے جو درخواست دی تھی اس پر تا حال غور نہیں کیا گیا۔حیدر علی نے تحقیقات شروع کیں، معلوم ہوا کہ بڑھیا نے اپنی درخواست سردار حیدر شاہ کے ہاتھ دی تھی۔جب سردار سے دریافت کیا تو اس نے بڑھیا اور اس کی بیٹی کی طوائفوں میں سے بتلایا۔حیدر علی نے سردار حیدر شاہ کو دوسو کوڑے لگا کر معزول کر دیا اور سردار آغا شاہ کو سزائے موت دی۔حیدر علی سے سرنگاپٹم میں روما کے تماشوں کو رائج کیا۔بہادر سپاہی زرہ بکتر پہن کی شیروں اور چیتوں سے لڑتے۔اگر سپاہی غالب آجاتا تو اسے انعام دیا جاتا۔اگر شیر یا چیتا غالب دکھائی دیتا تو اسے گولی مار کر ہلاک کر دیا جاتا۔

حیدر علی کی زندگی حیرت انگیز رواداری کا ثبوت تھی۔اس زمانہ میں جب شمالی ہندوستان میں دینی عقائد کے اختلافات کی وجہ سے کشت وخون کا سلسلہ جاری تھا جنوبی ہندوستان میں ایک ایسا تاجدار موجود تھا جس کی رواداری حیرت انگیز نتائج پیدا کر رہی تھی۔حیدر علی کی زندگی میں ایک واقعہ ایسا نہیں ملتا کہ محض دینی اختلاف کی بناء پر اس نے کسی شخص کو کسی قسم کو اذیت پہنچائی ہو۔حیدر علی کی فوج میں غیر مسلموں کو بڑے عہدے دیے گئے تھے۔حیدر علی کا مشیرِ خاص کھانڈے راؤ برہمن تھا۔حیدر علی نے نہ صرف قدیم مندروں کی جاگیروں کو بحال رکھا بلکہ اس نے منادر کی جاگیروں میں اضافہ بھی کیا۔میسور کے مندروں میں اب تک حیدر علی کے فرامین محفوظ ہیں۔میسور کے محکمہ آثارِ قدیمہ کی سالانہ رپورٹیں اس دعویٰ کا

بہترین ثبوت ہیں۔سرنگاپٹم کا سب سے بڑا مندر حیدر علی کا تعمیر کردہ ہے۔رواداری کی اس سے شاندار مثال اور کیا ہوسکتی ہے کہ حیدر علی نے اپنی زندگی میں جہاں متعدد مندر تعمیر کیے وہاں اس نے ایک بھی مسجد تعمیر نہیں کی۔اس نے سلطنتِ خداداد کے تحفظ کے لیے قلعوں کا ایک جال بچھایا تھا۔تعمیرِ قلعہ کے فن میں حیدر علی کو بہت زیادہ دست گاہ حاصل تھی۔

حیدر علی انگریزوں کو ہندوستان کا سب سے بڑا دشمن سمجھتا تھا۔کمپنی بھی حیدر علی کیا اپنے اقتدار کے لیے سب سے بڑا سنگِ گراں خیال کرتی تھی۔حیدر علی انگریزوں سے آخرِ دم تک لڑتا رہا:

> ''انگریزوں کو اپنی سلطنت قائم کرنے کے لیے ہندوؤں، مرہٹوں، جاٹوں، گورکھوں اور سکھوں سے کئی جنگیں لڑنی پڑیں۔لیکن انہیں سب سے طاقت ور دشمن حیدر علی کی صورت میں ملا۔اسے انگریز شکست نہ دے سکے۔۱۷۶۷ء سے ۱۷۸۲ء تک اس نے انگریزوں کے دل میں اپنی بہادری کا سکہ جمائے رکھا۔مدراس پر اس کا مشہور دھاوا ایک ایسا تاریخی اور جنگی کارنامہ ہے کہ مدت تک یادگار رہے گا۔حیدر علی کے دل میں اس قدر رحم اور وسعت تھی کہ اس نے مدراس پر قبضہ نہ کیا۔حالانکہ وہ بڑی آسانی سے مدراس پر قابض ہوسکتا تھا۔اگر اس وقت مدراس پر حیدر علی کا قبضہ ہوجاتا تو جنوبی ہندوستان سے انگریزوں کا اقتدار ختم ہوجاتا۔بعد کی جنگوں میں بھی حیدر علی کو اس قسم کے مواقع حاصل ہوئے۔۔۔۔حیدر علی کی موت میسور اور مہاراشٹر کے لیے بہت بڑا نقصان ثابت ہوئی۔حیدر علی کی موت کی خبر سنتے ہی مرہٹوں نے ہتھیار ڈال کر انگریزوں سے اس کی پیش کردہ شرائط پر سالبئی کے مقام پر ان سے صلح کی۔۔۔۔حیدر علی مذہبی تعصب سے بالکل مبرا تھا۔حیدر علی ایسا کوئی جرنیل اس زمانہ کے ہندوستان میں پیدا نہیں ہوا۔۔۔۔حیدر علی تنہا ہندوستانی حکمران تھا جس نے

اپنے ملک کی مدافعت کے لیے بحری طاقت قائم کی۔''

حیدر علی میسور کی دوسری جنگ میں مصروف تھا کہ موت نے اس سے متاعِ حیات چھین لی۔ حیدر علی کو ڈاکو کہنے والے دکن کے بہت بڑے فرزند کی توہین کرتے ہیں۔

میسور کی دوسری جنگ میں جب حیدر علی کا انتقال ہوا تو ٹیپو سلطان اس کا جانشین ہوا۔ ٹیپو سلطان ۱۷۵۲ء میں پیدا ہوا۔ بچپن میں اسے عربی اور فارسی کی تعلیم دی گئی۔ شہزادہ کو فنونِ سپاہ گری سکھائے گئے۔ لیکن ابتدائی عمر میں نپولین کے طرح ٹیپو کو بھی فاضل بننے کا بہت شوق تھا۔ اسے تلوار سے زیادہ قلم پیارا تھا۔ اس کی نگاہ میں عالم کی دوات کی روشنائی خونِ شہداء سے زیادہ مقدس تھی۔ لیکن ٹیپو کی آئندہ زندگی میں صاحبِ سیف بننا تھا۔ میدانِ جنگ میں شہید ہونا تھا۔ شہزادہ ٹیپو دن رات مطالعہ میں مصروف رہتا تھا، جب حیدر علی کو اس کا علم ہوا تو ایک دن شہزادے کے دارالمطالعہ میں داخل ہوا۔ شہزادہ اس انہماک سے کتاب پڑھنے میں مصروف تھا کہ اسے اپنے باپ کے آنے کی خبر نہ ہوئی۔ اگر حیدر علی اپنے فرزند کے ذوقِ مطالعہ سے مرعوب ہو کر واپس چلا جاتا تو آج سلطان ایک ادیب اور مفکر کی حیثیت سے زندہ ہوتا۔ اس کی کتابیں ہر تعلیم یافتہ شخص کی الماری کی زینت ہوتی۔ لیکن حیدر علی کی یہ منظور نہ تھا کہ اس کا بیٹا دن رات مطالعہ میں مصروف رہ کے ہسپانیہ کے اموی خلیفہ کی طرح علم و ادب میں نام پیدا کرے۔ چنانچہ اس نے شہزادے کے مطالعہ میں مداخلت کی۔ منہمک ٹیپو، نوجوان عالم آداب بجالایا۔ ''جانِ پدر سلطنت کے لیے قلم سے زیادہ تلوار کی ضرورت ہے۔''

باپ کے اس جملے نے بیٹے کی زندگی بدل دی۔ ٹیپو اپنے باپ کے نقشِ قدم پر چل نکلا۔ باپ ایسی جرأت و شجاعت پیدا کی۔ میدانِ جنگ میں شہید ہوا۔ حیدر علی کے ان الفاظ نے خدا معلوم شہزادہ پر کس قدر اثر کیا ہوگا۔ اکیس سال کی عمر میں ٹیپو مرہٹوں کے مشہور جرنیل ترمک راؤ کا میدانِ جنگ میں مقابلہ کرتا ہے۔ جنرل بیلی کو شکست دینے میں ٹیپو کا بہت بڑا حصہ تھا۔ میسور کی چاروں جنگوں میں سلطان ٹیپو نے حصہ لیا۔ میسور کی چوتھی جنگ میں سرنگاپٹم کی حفاظت کرتے ہوئے ٹیپو نے جان دی۔

سلطان نے تخت نشین ہوتے ہی پالیگاروں کا خاتمہ کر دیا۔ زمین کو رعایا کی ملکیت قرار دیا۔ زمین پر کسانوں کا دوامی قبضہ تسلیم کر لیا۔ زمین صرف اس کی ہے جو ہل چلائے۔ ٹیپو نے احکام جاری کر دیے تھے کہ جو شخص زمین کے لیے درخواست کرے اسے اس کی ضرورت کے مطابق مفت زمین دے دی جائے۔

ٹیپو نے لاکھوں انسانوں کو خوش کیا۔ ان کے جائز حقوق انہیں عطا کیے۔ لیکن پالیگار اس کے دشمن بن گئے۔ کیا چند پالیگاروں کی ناجائز شکایات پر ٹیپو کو ظالم و جابر کہہ سکتے ہیں؟ وہ کسانوں کا دوست تھا اس نے کسانوں کو خوشحال کیا۔ جاگیرداری ختم کرنے کے بعد سلطنتِ خداداد کی جو حالت تھی اسے ایک انگریز کی زبان سے سنیے:

''ٹیپو کے متعلق بہت سی افواہیں سنی جاتی تھیں کہ اس کے جبر و استبداد کی وجہ سے اس کی ساری رعایا اس سے بیزار ہے۔ لیکن جب ہم اس کے ملک میں داخل ہوتے ہیں تو کیا دیکھتے ہیں صنعت و حرفت کی ترقی کی وجہ سے نئے شہر آباد ہو رہے ہیں۔ رعایا اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہے۔ زمین کا کوئی حصہ بھی بنجر نظر نہیں آتا۔ قابلِ کاشت زمین پر کھلیان لہرا رہے ہیں۔ فوج کے دل میں اپنے بادشاہ کی محبت ہے۔ فوج کی تنظیم اور جدید آلاتِ ضرب و حرب کو دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ میسوری فوج مہذب سے مہذب ملک کی فوج سے کسی حالت میں پیچھے نہیں ہے۔''

ایک برطانوی مؤرخ لکھتا ہے:

''جب انگریزی فوجیں ٹیپو کی سلطنت میں داخل ہوئیں تو تمام رعایا کو خوشحال دیکھا گیا۔ ملک سرسبز اور زراعت بہتر۔ رعایا سلطان کے نام پر فدا۔ جب انگریزی فوج سرنگا پٹم میں داخل ہوئیں تو لوگوں نے اپنی دولت انگریزوں کے سامنے رکھ دی تاکہ وہ سلطنتِ خداداد کو ٹیپو کے خاندان میں چھوڑ کر چلے جائیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ٹیپو ہر دل عزیز تھا۔''

سلطنتِ خداداد میں اور انگریزی علاقوں کی رعایا کی خوشحالی کا مقابلہ برٹش پارلیمنٹ کے ایک ممبر کے مندرجہ ذیل الفاظ سے لگایا جا سکتا ہے:

''میسور ہندوستان میں سب سے زیادہ سرسبز علاقہ ہے۔

یہاں ٹیپو کی حکمرانی ہے۔میسور کے باشندے ہندوستان میں سب
سے زیادہ خوشحال ہیں۔اس کے برعکس انگریزی مقبوضات صفحۂ
ہستی پر بدنما دھبوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جہاں کی رعایا قانونی
شکنجوں میں جکڑی ہوئی پریشان حال ہے۔''

ٹیپو سلطان نے پولیس کی اس طرح منظّم کیا تھا کہ اسے اس امر سے آگاہی ہو کہ اس کا فرض خدمتِ خلق ہے نہ کہ عوام پر حکومت کرنا۔سرحدوں پر غیر ملکی جاسوسوں کی نقل وحرکت دیکھنے کے لیے خفیہ پولیس بنائی۔جس مقام پر چوری ہو جاتی وہاں کے پولیس افسر کو اس کا ذمہ دار قرار دیا جاتا۔اگر مجرم گرفتار نہ ہو سکتا تو پولیس کے افسروں کی تنخواہوں سے اس نقصان کی تلافی کی جاتی۔ان مقامات پر جہاں ڈاکوؤں کے حملہ کا خطرہ رہتا تھا وہاں کے رہائشیوں کو آتشی اسلحہ رکھنے کی عام اجازت دی جاتی تھی۔

عدل وانصاف کا یہ عالم تھا کہ ہر شہر میں قاضی اور ہر گاؤں میں پنچائت مقدموں کا فیصلہ کرتی۔اگر فریقین میں سے کسی ایک ابتدائی عدالتوں کے فیصلے پر شک ہوتا تو مقدمہ صدر عدالت (ہائی کورٹ) میں دائر کیا جاتا۔ٹیپو نے افسرانِ ضلع کے نام حکم جاری کر رکھا تھا کہ وہ ہر سال سرنگاپٹم میں جمع ہو کر انتظامی امور کے متعلق مشورہ کیا کریں۔سلطنتِ خداداد میں ڈاک کا نظام بہت اعلیٰ تھا۔

ٹیپو سلطان کی شخصیت اس لیے ہندوستان میں بہت بلند ہے کہ وہ پہلا حکمران تھا جس نے انقلاب پسندوں کے احتجاج کے بغیر سلطنتِ خداداد میں ''مجلسِ وطنی'' کا قیام عمل میں لایا۔جس کا مقصد تمام شعبوں کو رعایا کے سپرد کرتے ہوئے ٹیپو کی حیثیت محض ایک آئینی تاجدار کی رہ جائے گی۔اس مجلس کو اس لیے ناکام ہونا پڑا کہ یہ مروجہ سیاسی تخیل سے بالکل جدا چیز تھی۔

سلطان کی بری اور بحری فوجوں کا انتظام قابلِ داد تھا۔فوج کے محکمہ میں گیارہ بڑے بڑے شعبے تھے۔سلطنت کے کل رقبہ کو ۲۲ فوجی اضلاع میں تقسیم کیا گیا تھا۔ٹیپو نے اپنی بحری قوت کی طرف بہت زیادہ توجہ کی۔کیونکہ سلطان جانتا تھا کہ صرف بحری قوت کے استحکام کو وجہ سے ہندوستان کے مختلف حصوں پر انگریزوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔سلطان ایک ایسا جنگی بیڑہ بنانے کی فکر میں تھا جو دکن کے ساحل کی پوری طرح حفاظت کر سکے۔ہندوستان کو غیر ملکی حملہ آوروں سے بچانے کے لیے سلطان چاہتا تھا کہ بصرہ، بوشہر، عمان اور عدن میں ہندوستانی جہازوں کے بحری اسٹیشن بنائے جائیں۔

سلطان نے تجارت کو فروغ دینے کے لیے بہت زیادہ کوشش کی۔اس کی کوششوں سے مملکتِ خدا داد میں تجارت،صنعت اور حرفت نے بہت زیادہ ترقی کی۔ٹیپو نے جہاں جاگیرداری کو ختم کیا تھا وہاں اس کی جانشیں سرمایہ کاری کے عیوب سے بھی خوب آگاہ تھا۔چنانچہ سلطان نے جو بنک جاری کیے ان میں چھوٹے سرمایہ کاروں کو زیادہ منافع دیا جاتا۔

''تمام سلطنت،رعایا،تاجروں اور کاشتکاروں کی سہولیت کے لیے بنک جاری تھے۔ان میں مخصوص بات یہ تھی کہ غریب طبقہ اور چھوٹے سرمایہ والوں کو زیادہ فائدہ پہنچایا جاتا تھا۔چنانچہ پانچ سو روپے والوں کو پچاس فی صد دسالانہ پانچ سو سے پانچ ہزار تک ۲۵ فی صد سالانہ نفع اور پانچ ہزار سے زیادہ رقم جمع کرانے والوں کی ۱۲ فی صد نفع ملتا تھا۔''

''ان بنکوں کے ماتحت سرکاری دکانیں ہوتی تھیں۔جہاں ہر قسم کا مال مہیا ہوتا تھا جو سرکاری اور دوسرے لوگوں کے پاس فروخت کیا جاتا تھا۔اس طرح جو منافع حاصل ہوتا اسے بنکوں کے ذریعہ حصہ داروں کو پہنچا دیا جاتا۔''

تاریخ سلطنتِ خداداد کے مصنف کا خیال ہے کہ یہ سرکاری دکانیں موجودہ زمانے کی کوا پریٹو سوسائٹیاں تھیں۔

کسی ملک کی آزادی کا اندازہ اس کی خارجہ پالیسی سے لگایا جا سکتا ہے۔آزاد حکومتوں کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ جن غیر ملکوں سے چاہیں اپنے تعلقات بڑھائیں اور گھٹائیں۔ٹیپو سلطان ایک آزاد تاج دار تھا۔اسے اپنے خارجہ پالیسی پر پورا قابو تھا۔سلطان سے متعلق یہ خیال کرنا کہ اس نے غیر ملکوں سے دوستانہ تعلقات قائم کرنے میں غلطی کی ایک بہت بڑی حماقت ہے۔سلطان کی ساری زندگی اس امر میں صرف ہوگئی کہ کمپنی کے خلاف ایک محاذ قائم کیا جائے لیکن حیدر آباد اور پونا نے اسے ہمیشہ مایوس کیا۔جب اسے یقین ہوگیا کہ نظام اور مرہٹے کمپنی کی چالوں کو نہیں سمجھتے تو اس نے اندرونی معاملات سے مایوس ہو کر بیرونی پالیسی کی طرف توجہ دی۔سلطان کو اس امر کا یقین تھا کہ ہندوستان پر انگریزی قبضہ

برقرار رکھنے کے لیے برطانیہ کو مشرقِ بعید کے ممالک پر ایک نہ ایک دن قابض ہونا پڑے گا۔ کمپنی چونکہ ٹیپو کی دشمن تھی، اس لیے دشمن کو ختم کرنے کے لیے اس نے ابتداء میں شاہ فرانس اور بعد میں نپولین سے خط وکتابت کی۔ ٹیپو ایک آزاد تاج دار تھا۔ اسے غیر ملکی تاج داروں یا حکومتوں سے خط وکتابت اور معاہدوں کی پوری آزادی تھی۔ ٹیپو نے سلطان ترکی کی خدمت میں جو سفارت بھیجی تھی اس میں جن امور کے لیے دوستانہ انداز میں درخواست کی گئی تھی ان میں سے چند ایک اہم اقیبا سات ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

۱۔ بصرہ کی بندگاہ سلطنتِ خداداد کی حکومت کو اجارہ پر دی جائے اور اس کے معاوضہ پر سلطان ترکی کو سلطنتِ خداداد میں جس بندرگاہ کی ضرورت ہو اجارہ پر دے گا۔

۲۔ سلطان ترکی ٹیپو کی مدد کے لیے جس قدر فوج روانہ کرے گا اس کے تمام اخراجات سلطنتِ خداداد برداشت کرے گی۔

۳۔ سلطان ترکی چند اسلحہ سازوں کی سلطنتِ خداداد کے کارخانوں میں کام کرنے کے لیے بھیج دے۔

میسور اقوامِ مشرق کی بیدار کرنے کی فکر میں تھا۔ لیکن مشرق سو رہا تھا، تنہا ٹیپو بیدار تھا۔ ٹیپو نے چاہا کہ تجارت وصنعت کے فروغ سے مشرق کو مغرب کی استبدادی تجارت سے بچائے لیکن شاہانِ مشرق ٹیپو کی باتوں کو سمجھنے سے قاصر تھے۔ اسی زمانہ میں برطانیہ نے باب عالی میں رسوخ حاصل کیا۔ ٹیپو کی اس سکیم کا ناکام رہنا یقینی تھا۔ کئی ماہ تک سفارت کے ارکان کی انتظار کرنا پڑا۔ آخر سفارت کو باریابی کی اجازت مل گئی۔ ٹیپو کے سفیر کبیر نے جب سلطان کو حالات سے آگاہ کیا تو اس 'مردِ بیمار' نے 'شیرِ میسور' کی سکیم کا مضحکہ اڑایا۔ برطانیہ کی حکمتِ عملی نے سلطان ترکی کو ٹیپو سلطان سے علیٰحدہ کر دیا۔ سلطان ترکی نے نہ صرف سفارت کی ٹیپو کی سکیم کو رد کیا بلکہ ٹیپو سلطان کے نام ایک طویل مکتوب بھی لکھا جس میں فرانسیسیوں کے خلاف گالیوں کی بوچھاڑ تھی اور اس کے برعکس ٹیپو کو یہ مشورہ دیا کہ وہ فرانس سے اپنے تعلقات منقطع کرنے کے بعد برطانیہ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائے۔

عثمانیوں سے مایوس ہونے کے بعد ٹیپو نے ایران میں سفارت بھیجی۔ ابتداء میں اس سفارت کو بہت زیادہ کامیابی حاصل ہوئی لیکن ویلزلی نے تہران اور سرنگاپٹم کو متحد نہ ہونے دیا۔ ویلزلی کا بھیجا ہوا مراد آبادی جاسوس دربارِ ایران کی توجہ افغانستان کی طرف مبذول کرا چکا تھا۔ ایران سے مایوس ہونے

کے بعد سلطان ٹیپو نے زمان شاہ والیٔ افغانستان کی طرف سفارت بھیجی۔ زمان شاہ نے نہ صرف ٹیپو کا خیر مقدم کا بلکہ انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کے لیے اپنی فوجوں سمیت عازمِ ہند ہوا۔ اس موقع پر ویلزلی نے سکھوں کو اکسایا تھا کہ وہ شاہ زمان سے جنگ کریں۔ لیکن سکھ ویلزلی کی چالوں میں نہ آئے۔ البتہ شاہ زمان ویلزلی کی چالوں میں آ گیا۔ زمان شاہ ہنوز سرحدِ ہندوستان پر قدم رکھنے نہ پایا تھا کہ شاہِ ایران نے افغانستان پر حملہ کر دیا۔ شاہ زمان کو واپس ہونا پڑا۔

سلطان سرنگا پٹم کی حفاظت کرتا ہوا شہید ہوا۔ سلطنتِ خداداد باقی نہ رہی۔ لیکن ٹیپو کا اندیشہ صحیح ثابت ہوا۔ برطانیہ نے ہندوستان پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کے لیے مشرقِ قریب کے اسلامی ممالک پر قبضہ جما لیا۔

ہنوز معاہدہ منگلور (۱۷۸۴ء) کی سیاہی بھی خشک نہ ہونے پائی تھی کہ نظام اور پیشوا نے متحد ہو کر سلطنتِ خداداد پر حملہ کر دیا۔ نظام اور پیشوا کے عدم تدبر پر سلطان حیران تھا۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ نظام اور پیشوا کمپنی کے ساتھ مل کر سلطنتِ خداداد کو تباہ و برباد کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ اپنی حفاظت کے لیے اس نے جہاں اور ذرائع اختیار کیے وہاں اس نے فرانس سے دوستانہ تعلقات قائم کرنے کے لیے شاہ لوئی کے دربار میں ایک سفارت بھی بھیجی۔ اس سفارت کے ذریعہ سلطان نے نہایت معقول اور مناسب شرطوں پر شاہ لوئی سے ایک معاہدہ کرنا چاہا۔ لیکن شاہ لوئی اس وقت اپنی فوجوں کو جنوبی ہندوستان کیونکر بھیج سکتا تھا جب کہ پیرس نے ایک ایسے خیمہ کو صورت اختیار کر لی تھی جس کے ایک دروازے پر آزادی اور دوسرے پر انقلاب لکھا جا رہا تھا۔ شاہ لوئی اپنی مشکلات کی بنا پر ٹیپو کی مدد نہ کر سکا۔ البتہ اس نے ٹیپو سے دوستانہ تعلقات قائم کر لیے۔ ٹیپو نے چند سال بعد جمہوریتِ فرانس کی طرف ایک اور سفارت بھیجی۔ جب سفیروں کا جہاز پورت لوئی (مارشیش) میں لنگر انداز ہوا تو جزیرہ کے فرانسیسی حاکمِ اعلیٰ نے نہ صرف سلطان کے سفیروں کا خیر مقدم کیا بلکہ ایک اعلان کے ذریعہ لوگوں کی سلطان ٹیپو کی مدد پر آمادہ بھی کیا۔ فرانسیسی حاکم اعلیٰ جنرل مارتی نے سلطان کے خطوں کو پیرس بھیج دیا۔ لیکن برطانوی جاسوسوں نے اس نقل و حرکت سے برطانیہ کو آگاہ کر دیا۔ چنانچہ راستہ میں ایک انگریزی جہاز نے اس فرانسیسی جہاز پر حملہ کر دیا۔ جہاز تباہ و برباد ہو گیا۔ سلطان کے خطوط بھی ضائع ہو گئے۔ اس حادثہ کے بعد بھی سلطان نے ہمت نہ ہاری بلکہ ایک اور سفارت روانہ کی۔ فرانس کی نظارت نے اس سفارت کا شاندار استقبال

کیا۔اس سفارت کے جواب میں نپولین نے قاہرہ سے سلطان کومندرجہ ذیل مکتوب روانہ کیا:

''صدر مقام، قاہرہ

میرے عظیم الشان سلطان! عزیز ترین دوست ٹیپو سلطان!

غالباً آپ کو یہ اطلاع پہنچ چکی ہوگی کہ ہماری فوج نے اس دنوں بحیرہ قلزم کے ساحل پر ڈیرہ ڈال رکھا ہے۔میری اور میری فوج کی دلی تمنا تھی کہ آپ کی برطانیہ کے پنجہ سے رہائی دلا سکیں۔پیشتر اس کے کہ میں آپ تک پہنچوں آپ کے ملک کی سیاسی حالت کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔اس لیے آپ اپنے ایک قابلِ اعتماد عہدہ دار کو میرے پاس بھیج دیں۔تا کہ میں پوری معلومات حاصل کر سکوں۔''

**نپولین**

ٹیپو سلطان کو حق حاصل تھا کہ وہ فرانس، ترکی، ایران، افغانستان سے دوستانہ روابط پیدا کرے ۔اس زمانہ میں حکومتِ انگلستان کی یورپی خارجہ حکمتِ عملی کیا تھی؟ کیا وزارت انگلستان یورپ کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں سے عہد و پیمان استوار کرنے میں آزاد نہ تھی؟ ٹیپو سے یہ حق کیونکر چھینا جا سکتا تھا؟

ٹیپو نے سلطان ترکی کو ایک مکتوب بھیجا اور اس مکتوب کی ایک ایک نقل شاہِ ایران اور افغانستان کو بھیج دی گئی۔ان دنوں شاہ زمان درانی افغانستان کا بادشاہ تھا۔جب شاہ زمان کو ٹیپو کا مکتوب ملا تو اس کے وزیر ملا عبدالغفار خاں نے منشی رام سہائے کے ذریعہ ٹیپو کے دہلی وکیل مول چند کو مکتوبِ دکن کا جواب پہنچا دیا۔کابل اور سرنگا پٹم کے سیاسی روابط کی یہ ابتداء تھی۔سلطان کے سفیر میر محمد رضا شاہ اور میر حبیب اللہ منگلور سے جہاز پر سوار ہو کر کراچی سے کوئٹہ، چمن اور قندھار ہوتے ہوئے کابل پہنچے۔سفارتِ کابل کے حالات ہنوز پردۂ اخفا میں ہیں۔تاہم اتنا پتہ چلتا ہے کہ سلطان چاہتا تھا کہ شاہ عالم کو تختِ دہلی سے اتار کر کسی بہادر شہزادہ کو تخت نشین کیا جائے۔جب دہلی کا تخت استوار ہو جائے تو افغان لشکر دکن کی طرف پیش قدمی کرے اور سلطان اپنی فوجوں سمیت شمالی ہندوستان کی طرف پیش قدمی کرے۔یہاں تک کہ دونوں لشکر دشمنوں کا خاتمہ کرتے ہوئے کسی اچھے مقام پر مل جائیں۔

شاہ زمان نے سلطان کی تجویز کے مطابق ۱۷۹۸ء میں ہندوستان پر حملہ کرنا چاہا۔چنانچہ اس نے سرجان شور کو اپنے حملہ سے آگاہ کر دیا۔نیز شاہ زمان متوقع تھا کہ برطانوی گورنر جنرل شاہ عالم کو مرہٹوں سے علیٰحدہ کرنے میں اس کی مدد دے گا۔نئے گورنر جنرل ویلزلی سے اپنی تمام تر کوشش افغانستان میں فتنہ

وفساد برپا کرنے میں صرف کردی۔ تاکہ شاہ زمان خانکی معاملات میں الجھ کر حملۂ ہندوستان کا خیال اپنے دل سے نکال دے۔ چنانچہ سب سے پہلے ویلزلی نے پنجاب کے سکھوں کو شاہ زمان کے خلاف اکسانا شروع کر دیا۔ لیکن سکھ ویلزلی کے کہنے پر شاہ زمان کے خلاف صف آراء نہیں ہونا چاہتے تھے۔ ویلزلی سکھوں کو شاہ زمان کے خلاف اکسا کر افغانوں کی دہلی پہنچنے سے روکنا چاہتا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ سکھوں کی زیادہ قوت اس افغانی مدافعت میں صرف ہو جاتی۔ ایک تیر سے دو شکار۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے اقتدار کے خلاف تمام ہندوستان میں ایک لہر دوڑ گئی۔ وزیر علی، معزول شاہ اودھ اور نواب بنگال کے نسبتی بھائی شمس الدولہ نے بھی شاہ زمان کو حملے کی دعوت دی۔

مہدی علی خاں کی مدد سے ویلزلی ایران اور افغانستان کی سرحدوں میں شورش پیدا کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ مہدی علی خان نے شاہ ایران کو شاہ زمان کے امیدوارِ تاج وتخت بھائی محمود کی اعانت پر آمادہ کر لیا۔

۱۷۹۸ء میں شاہ زمان کو ہستانوں سے نکل کر میدانوں میں داخل ہوا۔ اس کی فوج کے سیکڑوں بوڑھے سپاہی پانی پت کی تیسری جنگ میں افغانوں اور مرہٹوں کو آگ و آتش سے کھیلتا دیکھ چکے تھے۔ ادھر شاہ زمان لاہور پہنچا ادھر محمود ایران سے نکل کر ہرات پر حملہ آور ہوا۔ شاہ زمان واپس ہوا، محمود کا اقتدار مستحکم ہو چکا تھا۔ تاج وتخت کے لیے دونوں بھائی ایک دوسرے کے خلاف صف آراء ہوئے۔ شاہ زمان بصارت سے محروم کر دیا گیا۔

شاہ زمان کو واپسی نے شاہ عالم، وزیر علی اور شمس الدولہ کی امیدوں کو خاک میں ملا دیا۔ اس کی واپسی نے ویلزلی کو ٹیپو کے خلاف جنگ آزما ہونے کا موقع فراہم کر دیا۔ ویلزلی اس کی مراجعت پر اظہارِ مسرت کرتے ہوئے بمبئی کے گورنر کو لکھتا ہے:

> ''شاہ زمان کی مراجعت کا یہ سبب بیان کیا جاتا ہے کہ اس کا بھائی بلخ کی سرحد پر نمودار ہوا تھا۔ رفتارِ حوادث سے میں اس نتیجہ پر پہنچتا ہوں کہ محمود کی نقل وحرکت غالباً آپ کے وکیل مہدی علی خان کی کوشش کا نتیجہ ہے۔۔۔۔۔ اگر آپ کو مہدی علی خان کی قابلیت اور لیاقت کے متعلق پورا اطمینان ہو تو میرے خیال میں دو

لاکھ دس ہزار روپے کی رقم اس خدمت کے معاوضہ میں زیادہ
نہیں۔''

''اگر جنگ کی ابتداء ایک سیاسی غلطی تھی تو اس کا اختتام اس سے بھی بدتر ہوا۔''

میسور کی پہلی جنگ (۱۷۶۷ء تا ۱۷۶۹ء) کے متعلق سر الفریڈ لائل ان الفاظ میں اپنا خیال ظاہر کرتا ہے۔

ایک اور مؤرخ لکھتا ہے:

''جنگ کا خاتمہ شکست اور بے شرمی پر ہوا۔''

ایک تاریخ نگار کے لیے میسور کی پہلی جنگ کا سبب اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوسکتا کہ پونا، حیدر آباد اور مدراس مساوی طور پر حیدر علی کی بڑھتی ہوئی طاقت سے خوفزدہ تھے۔ چنانچہ تینوں طاقتوں نے حیدر علی پر ہلہ بول دیا۔ حیدر علی دشمنوں کی تعداد سے کب خوفزدہ ہونے والا تھا۔ اس نے حملہ آوروں کا ان کے جنگی مرتبہ کے مطابق ایک بہادر سپاہی کی طرح خیر مقدم کیا۔ مشترکہ فوجیں بالا گھاٹ کی طرف بڑھیں۔ دوسری طرف سے حیدر علی، ٹیپو سلطان، محمد علی کمیدان، ہیبت جنگ اور علی رضا اپنی اپنی فوجوں کی لے کر مدافعت کے لیے آگے بڑھے۔ اسی اثناء میں حیدر علی کو معلوم ہوا کہ انگریزوں کی ایک فوج ساحل منگلور پر اتری ہے۔ چنانچہ حیدر علی اپنے بیٹے ٹیپو کو لے کر مغربی محاذ کی طرف روانہ ہوا۔ اتحادی فوجوں نے نہایت آسانی سے بالا گھاٹ کے علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ مغربی محاذ پر حیدر علی نے انگریزی فوج پر اس شدت سے حملہ کیا کہ وہ اپنا مالا اسباب چھوڑ کر بمبئی چلی گئی۔ انگریزی فوج کو مغربی محاذ پر شکست دینے کے بعد حیدر علی مشرقی محاذ پر آیا۔ حیدر علی کی فوجوں نے شب خون مار کر اتحادیوں کی پریشان کر دیا۔ چنانچہ مرہٹوں اور نظام کی فوجیں میدان سے بھاگ گئیں۔ نواب ارکاٹ کی مختصر فوج اب تک انگریزوں کے ساتھ تھی۔ لیکن نواب ارکاٹ نے بھاگ کر مدراس میں پناہ لی۔ ٹیپو مدراس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ چنانچہ ٹیپو کے توپچیوں نے سینٹ جارج پر گولے برسانے شروع کر دیے۔ اس گولہ باری سے گورنر مدراس اس قدر خوف زدہ ہوا کہ وہ اپنی ٹوپی اور تلوار لیے بغیر ساحل کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔

حیدر علی نے کرنل اوڈ کو شکست دی اور مدراس کی جانب بڑھا۔ اب انگریزوں کی پریشانی کی کوئی حد نہ رہی۔ چنانچہ گورنر مدراس نے کرنٹل بروک کو حیدر علی سے صلح کی گفت وشنید کے لیے بھیجا۔ حیدر علی

نے اس ایلچی سے کہا کہ: ''میں مدراس آ رہا ہوں وہاں آ کر گورنر اور کونسل کی شرائطِ صلح پر غور کروں گا۔'' چنانچہ حیدر علی ایک طوفان کی طرح مدراس کی طرف بڑھا۔ تین دن میں ایک سو میل کا سفر کرنے کے بعد حیدر علی کوہ سینٹ تھامس پر جا پہنچا۔ مدراس صرف پانچ میل کے فاصلے پر تھا۔ حیدر علی سے اپنے مغلوب دشمن سے بڑی نرمی کا برتاؤ کیا۔ ۲۹ مارچ ۱۷۶۹ء کو معاہدۂ مدراس پر دستخط ہوئے۔ اس معاہدہ کی یادگار میں سینٹ جارج (مدراس) کے دروازے پر حیدر علی کے حکم سے ایک کتبہ نصب کیا گیا جس کے متعلق سر ایلفر ڈ لائل لکھتا ہے کہ:

> ''گورنر مدراس اور ارکانِ کونسل حیدر علی کے سامنے دو زانو بیٹھے تھے۔ اور حیدر علی ایک رکن کی ناک کھینچ رہا ہے اور اس کی ناک سے اشرفیاں گر رہی تھیں۔ دوسری طرف کرنل اسمتھ عہد نامہ پکڑے اپنی تلوار توڑ رہا تھا۔''

معاہدہ مدراس کی رو سے انگریزوں پر حیدر علی کی مدد لازم تھی لیکن جب اس معاہدہ کے بعد جب مرہٹوں نے میسور پر حملہ کیا تو انگریزوں نے حیدر علی کو مدد دینے سے انکار کر دیا۔ حیدر علی اس موقع کا منتظر تھا کہ وہ انگریزوں کو عہد شکنی کا مزہ چکھائے۔ اسی اثناء میں پونا میں حالات تبدیل ہو رہے تھے۔ نانا فرنویس نے انگریز کو ہندوستان سے نکالنے کے لیے حیدر علی سے مدد طلب کی۔ نظام بھی انگریزوں کی عہد شکنی سے تنگ آ کر حیدر علی سے مدد طلب کر رہا تھا۔ پونا، سرنگاپٹم اور حیدر آباد میں ایک مشترکہ محاذ کے متعلق خط و کتابت ہو رہی تھی کہ یورپ میں انگریزوں اور فرانسیسیوں میں جنگ چھڑ گئی۔ چنانچہ گورنر مدراس کو حکم موصول ہوا کہ وہ بلا تاخیر ماہی پر قبضہ کر لے۔ ماہی کی بندرگاہ حیدر علی کی ملکیت میں تھی۔ علاوہ ازیں یورپ سے رسل و رسائل قائم رکھنے اور فرانسیسیوں سے سامانِ جنگ حاصل کرنے کے لیے ماہی کی بندرگاہ حیدر علی کے لیے بہت مفید تھی۔ چنانچہ حیدر علی نے انگریزوں کو کہا کہ وہ ماہی پر حملہ نہ کریں۔ لیکن انہوں نے ماہی پر حملہ کر ہی دیا۔ اب حیدر علی کے پاس انگریزوں سے جنگ کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ چنانچہ حیدر علی اسی ہزار سپاہی لے کر کرناٹک پر حملہ آور ہوا۔ حیدر علی کا یہ حملہ کسی آتش فشاں کے لاوے سے کم نہ تھا۔ حیدر علی نے ہر اس چیز کو تباہ کر دیا جو اس کے راستہ میں حائل ہوئی۔ حیدر علی کو فوجیں مدراس کے قریب پہنچ چکی تھیں۔ ستمبر ۱۷۸۰ء کو کرنل بیلی کو حیدر علی نے شکست دی۔ سر ہیکٹر منرو اپنی توپیں

چھوڑ کر بھاگ گیا۔ جب ان شکستوں کی خبر کلکتہ پہنچی تو وارن ہیسٹنگز نے سر آئیر کوٹ کو ایک بہت بڑی فوج دے کر روانہ کیا۔ سر آئیر کوٹ نے پورٹو نووو کے مقام پر حیدر علی کو شکست دی۔ لیکن حیدر علی نے بہت جلد اس شکست کا بدلہ لے لیا۔ اسی اثناء میں فرانس کا ایک جنگی بیڑہ امیر البحر سفرن کی زیرِ کمان خلیج بنگال میں انگریزوں کو شکست دیتا ہوا حیدر علی کی مدد کو پہنچ گیا۔ میسور کی دوسری جنگ خشکی اور تری دونوں مقام پر لڑی جا رہی تھی۔ حیدر علی نے ۱۷۸۲ء میں وفات پائی۔ ٹیپو سلطان نے جنگ کو جاری رکھا۔ انگریزوں نے صلح کی درخواست کی جسے ابتداء میں ٹیپو نے ٹھکرا دیا۔ لیکن آخر کار ۱۷۸۴ء میں معاہدہ منگلور نے میسور کی دوسری جنگ کا خاتمہ کر دیا۔

میسور کی دوسری جنگ کے دوران میں مرہٹے اور نظام یہ خیال کر رہے تھے کہ ٹیپو سلطان کا خطرہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا۔ لیکن معاہدہ منگلور نے ان کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ چنانچہ معاہدہ منگلور کے ایک ہفتہ بعد نظام اور پیشوا نے ایک معاہدہ کیا جس کی رو سے ان کی مشترکہ فوجیں سلطنتِ خداداد کی طرف بڑھیں۔ ٹیپو سلطان نے ان دیسی حکمرانوں کو لاکھ سمجھایا لیکن وہ باز نہ آئے۔ آخر سلطان نے اس مشترکہ فوج پر ایسا برق آسا حملہ کیا کہ وہ میدانِ جنگ سے بھاگ نکلی۔ لیکن یہ جنگ چار سال تک جاری رہی۔ ہلکر کی کوشش سے اس جنگ کا خاتمہ ہو گیا۔ لیکن اب انگریز میدان میں آنے والے ہیں اور ان کے ساتھ نظام اور مرہٹے بھی ٹیپو کو تباہ و برباد کرنے کے لیے شریک ہیں۔ اس مدت میں کمپنی کے عہدہ دار خیال کر رہے تھے کہ نظام اور مرہٹے ٹیپو کی طاقت کو ختم کر دیں گے لیکن کمپنی کو اسی طرح مایوس ہونا پڑا جس طرح معاہدہ منگلور کے بعد مرہٹوں اور نظام کو ہونا پڑا تھا۔ امریکہ کی جنگِ آزادی نے انگریزوں سے ایک بہت بڑی نو آبادی چھین لی تھی۔ اس کی تلافی ضروری تھی۔ امریکہ نہ سہی ہندوستان ہی سہی۔ لارڈ کارنوالس امریکہ میں ناکام ہو چکا تھا۔ چنانچہ برطانوی وزیر اعظم پٹ نے اسی انسان کو موقع دیا کہ وہ اس ناکامی کے داغ کو دھونے کے لیے ہندوستان میں برطانوی سلطنت کی توسیع کرے۔ علاوہ ازیں جنرل میڈوز کو مدراس کا گورنر بنا کر بھیجا۔ کارنوالس اور میڈوز کو اسی لیے ہندوستان بھیجا گیا تھا کہ وہ ٹیپو سے ۱۷۸۴ء کی شکست کا انتقام لیں۔ کمپنی کسی بہانہ کی متلاشی تھی چنانچہ جب ٹیپو میسار کی بغاوت فرو کرنے کے لیے نکلا تو گورنر مدراس نے اعلانِ جنگ کیے بغیر سلطنتِ خداداد میں اپنی فوجوں کو بھیج دیا۔ ان فوجوں کو ٹیپو نے شکست دی۔ جب کمپنی کو یہ معلوم ہو گیا کہ وہ ٹیپو سے تنہا جنگ نہیں کر سکتی تو اس نے نظام اور پیشوا کو بھی

شریکِ کار بنالیا۔ میسور کی تیسری جنگ کے اسباب کے لیے کارنوالس کے اس خط کو غور سے پڑھنا چاہیے جو اس نے مدراس کے گورنر جنرل میڈوز کی لکھا:

> ''اس ملک میں اپنی شہرت اور عزت کو قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم ٹیپو سے نبرد آزما ہوں۔۔۔۔۔۔اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہمیں نہ صرف ٹیپو کے خلاف لڑنا چاہیے بلکہ اس کی طاقت کو ہمیشہ کے لیے مٹا دینا چاہیے۔ موجودہ وقت سے بہتر کوئی وقت نہیں ہوسکتا۔ ملک کی دوسری طاقتیں ہماری امداد پر آمادہ ہیں۔ اگر ٹیپو کو اسی طرح چھوڑ دیا جائے اور فرانس اس قابل ہو جائے کہ ٹیپو کی مدد کر سکے تو اس صورت میں ہمیں ہندوستان کی خیر باد کہنا پڑے گا۔''

جب نظام اور مرہٹے کمپنی کی مدد پر آمادہ ہو گئے تو کارنوالس کلکتہ سے مدراس آ گیا۔ ایک ماہ بعد اعلانِ جنگ کیے بغیر اس کی فوجوں نے بنگلور پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا۔ فوجیں سرنگا پٹم کی طرف بڑھیں۔ سرنگا پٹم کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن ٹیپو نے انگریزی فوجوں کے ذرائع رسل و رسائل منقطع کر دیے اور میسوری فوجوں نے انگریزوں کا سامانِ رسد لوٹنا شروع کر دیا۔ انگریزی فوجوں کے پاس خوراک کم ہو رہی تھی۔ لیکن کارنوالس نے یہ کہ کر اپنی فوجوں کے دل بڑھائے کہ ملیبار سے رسد پہنچ رہی ہے۔ جب سلطانی سپاہ نے اسے بھی لوٹ لیا تو کارنوالس اپنی توپوں کو زمین میں دفن کر کے واپس ہوا۔ لیکن راستہ میں اسے مرہٹی فوج مل گئی۔ نظام کی فوج بھی سرنگا پتم آ رہی تھی۔ چنانچہ ایک ہفتے کے بعد اسی ہزار سپاہ پر مشتمل اتحادی فوج نے سرنگا پٹم کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرے نے طول کھینچا۔ ۱۷۹۲ء میں ایک معاہدے کے ذریعے میسور کی تیسری جنگ کا خاتمہ ہو گیا۔ سلطنتِ خداداد کا نصف حصہ پونا، حیدر آباد اور مدراس میں بٹ گیا۔ مقامِ حیرت ہے کہ ٹراونکور کے جس راجہ کی حفاظت کے بہانہ یہ جنگ چھیڑی گئی تھی اس کا اس معاہدے میں کہیں ذکر نہیں آتا۔

کارنوالس کی طرح ویلزلی کو بھی اس لیے ہندوستان بھیجا گیا تھا کہ وہ کمپنی کی مملکت میں توسیع کرے۔ اس زمانہ میں نپولین کی فتوحات نے انگلستان کو خوفزدہ کر رکھا تھا۔ انگلستان کا وزیرِ اعظم پٹ یہ

نہیں چاہتا تھا کہ ہندوستان میں فرانسیسیوں کا وجود باقی رہے۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ ٹیپو کے فرانسیسیوں کے ساتھ دوستانہ مراسم ہیں۔ ویلزلی فرانس کے انقلاب کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ وہ شاہ پسند تھا۔ اسے جمہوریت اور انقلاب سے کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ جب وہ ہندوستان پہنچا تو اس وقت مرہٹے، نظام اور ٹیپو سلطان ہندوستان کی تین بڑی طاقتیں تھیں۔ ویلزلی نے 'سب سڈی ایری سسٹم' کے جال میں سب سے پہلے نظام کو پھانسا۔ یہ سسٹم قبول کرنے کے بعد حیدر آباد کی سیاسی آزادی ختم ہوگئی۔ مرہٹے اور ٹیپو باقی تھے۔ پونا میں دولت راؤ سندھیا مقیم تھا۔ مرہٹوں میں اس کی طاقت سب سے زیادہ تھی۔ ویلزلی نے دربارِ پونہ میں سازش پیدا کرنے کی کوشش کی۔ لیکن ناکام رہا۔ اب ویلزلی نے اسے پونہ سے نکالنے کے لیے مشہور کر دیا کہ شاہ زمان ہندوستان پر حملہ کرنے والا ہے۔ ویلزلی کا خیال تھا کہ سندھیا اس خبر کو سنتے ہی شمالی ہندوستان کے مقبوضات کو بچانے کے لیے پونہ سے روانہ ہو پڑے گا۔ لیکن ایسا نہ ہوا اب ویلزی نے گوالیار میں اپنا سفیر بھیجا۔ ظاہر ہے کہ اس سفارت کا اس سے زیادہ اور کچھ مقصد نہیں تھا کہ دربارِ گوالیار میں سازش پیدا کی جائے۔ انگریزوں نے اپنی فوجوں کی اس طرح نقل وحرکت کی کہ سندھیا کی اس امر کا یقین ہو گیا کہ انگریز اس کی مملکت پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ سندھیا پونا چھوڑ کر گوالیار چلا گیا۔ دربارِ پونا کی نااتفاقی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ویلزلی نے مرہٹوں سے بھی ایک معاہدہ کیا۔ میسور پر حملہ کرنے سے پیشتر ویلزلی 'سلطنتِ خداداد' میں سازشوں کا جال بچھا دیا۔ چونکہ ویلزلی کی نیت ٹیپو سلطان سے جنگ کرنے کی تھی اس لیے وہ کلکتہ سے مدراس آ گیا۔ ٹیپو سلطان ایک آزاد حکمران تھا۔ اسے یہ حق حاصل تھا کہ وہ جس ملک سے چاہتا معاہدہ کرتا۔ چنانچہ اس نے فرانس سے دوستانہ تعلقات قائم کرنے کے لیے ایک سفارت فرانس کی بھیجی تو کون سے خطا تھی؟ جنگِ نیل میں نیلسن کی کامیابی سے ہندوستان میں فرانسیسی حملے کا خیال خواب ہو چکا تھا۔ لیکن اس کے باوجود ویلزلی ٹیپو سے جنگ کرنے پر آمادہ تھا۔ ۱۳ فروری ۱۷۹۹ء کی سلطان نے ویلزلی کو ایک دوستانہ خط لکھا۔ لیکن اس خط کے جواب میں ویلزلی نے اپنی فوجوں کو سلطنتِ خداداد کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔ میسور کی چوتھی جنگ شروع ہو چکی تھی۔ انگریزی فوجوں نے سرنگا پٹم کا محاصرہ کر لیا۔ حالات نازک صورت اختیار کر چکے تھے۔ ویلزلی کر طرف سے صلح کی جو شرطیں پیش کی گئی تھیں ان سے موت بہتر تھی۔ ۴ مئی ۱۷۹۹ء کو سلطان نے قلعہ سے باہر نکل کر انگریزی فوجوں سے جنگ کی۔ مگر میر صادق کی سازش کامیاب ہو گئی تھی۔ سلطان قلعہ کی حفاظت کرتا ہوا شہید ہو

گیا۔سلطان شہادت پر دکن کی تاریخ کا ایک اہم باب ختم ہو گیا۔

جنرل ہارس کو ٹیپو کی شہادت کی خبر پہنچائی گئی تو وہ خوشی سے چلا اٹھا:

'آج ہندوستان ہمارا ہے۔'

سلطان کی شہادت کے چوبیس سال بعد امریکی مؤرخ برڈزاوڈ کلف نے سلطان کے مزار کے قریب بیٹھ کے انگریزی میں جو نوحہ لکھا تھا وہ روز نامہ 'انقلاب' کے ایک سالنامہ سے بصد شکریہ نقل کیا جاتا ہے۔:

'خون کی اس عمیق رات میں اے اسلام کی شمع روشن!
تیرا شعلہ بجھا دیا گیا
اور اقتدارِ شاہانہ کا عصا تیری قوم سے چھین لیا گیا
تیری مسندِ جلال کے گرد،
جھرمٹ تھا،
بے شمار سچے اور جگر دار غازیوں کا۔
آفتاب کی شعاعیں،
جب پہاڑ کی چوٹیوں سے جھانکیں لگیں،
تو آج،
ان غازیوں میں صرف وہی رہ گئے
جو تیرا ماتم کر رہے ہیں۔
اللہ! اللہ!
اس حال میں کہ ہنگامہ کارزار کے خونی بادل،
ہمارے سروں پر جھکے ہوئے ہوں،
موت بہتر ہے ایسی رسوا کن زندگی سے۔
جو سرمایہ دار ہو
سالہا سال کے اندوہ وانفعال کی۔

اے آسمانِ جہاد کے ستارے!
تو غروب ہو گیا
لیکن ان ذلیل انسانوں کی طرح نہیں،
جنہیں،
ناموری نے طوفانِ پیکار کی برہم و آشفتہ لہروں
میں غرق فراموش کر دیا۔
جو
مغرور اور سربلند دشمنوں کے سامنے،
خاکِ مذلت ہر سر بسجود ہو گئے
معافی اور جان بخشی کے لیے۔
نہیں!
تو خاک و خون کے بستر پر سو گیا
فروزاں و سوزاں آفتاب کی طرح
جس کی غضب ناک شعاعیں
اس وقت نمودار ہوں
جب اس کا دورہ ختم ہونے والا ہو۔
جس مقام پر،
سطوت کے جان سوز شعلوں کی لپک،
اور خون آشام تلواروں کی زہرہ آشام جھنکار،
فضا میں لبریز ہو رہی تھی،
اور مرنے والے
جلد جلد، توڑ رہے تھے

آخری دم۔
تو شاہانہ زندگی ٹھکرا کر،
میدان میں کودا،
اور شہید ہو گیا،
ایک سپاہی کی طرح۔
اللہ! اللہ!
اس حال میں کے ہنگامۂ کارزار کے خونی بادل،
ہمارے سروں پر جھکے ہوئے ہوں
موت بہتر ہے ایسی رسوا کن زندگی سے
جو سرمایہ دار ہو
سالہا سال کے اندوہ و انفعال کی۔

تیرا بہادر اور قوی باپ
جنت میں اپنے تخت پر بیٹھا ہوا
تجھے دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔
اس نے دیکھا
کہ تجھ میں اس کی روحِ جہاد تڑپ رہی ہے۔
یہ دیکھ کر
اس کے جنتی لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔
اس نے دیکھا تو دشمن پر آخری وار کر رہا ہے
اور تیری تلوار
دشمن کے لیے سرخرو ہو رہی ہے۔
اس نے دیکھا، تو بہادروں کی نیند سو رہا ہے۔

اور تیرے گل رنگ زخم،
سب کے سب سینے پر۔
اللہ! اللہ!
اس حال میں کے ہنگامۂ کارزار کے خونی بادل،
ہمارے سروں پر جھکے ہوئے ہوں
موت بہتر ہے ایسی رسوا کن زندگی سے
جو سرمایہ دار ہو
سالہا سال کے اندوہ وانفعال کی۔

اہلِ جنت نے،
نخلِ طوبیٰ کے نیچے
اپنی زمردیں خلوتوں میں
شہید کے لیے
سدا بہار پھولوں کا
ایک شاندار ہار گوندھا
اور فردوس کی جادو چشم حوروں نے
گوہریں رومال ہلا ہلا کر
خلدِ بریں کی شفاف فضاؤں میں
مجاہدین کے سلطانِ اعظم کا خیر مقدم کیا
اللہ! اللہ!
اس حال میں کے ہنگامۂ کارزار کے خونی بادل،
ہمارے سروں پر جھکے ہوئے ہوں
موت بہتر ہے ایسی رسوا کن زندگی سے

جوسرمایہ دار ہو
سالہا سال کے اندوہ وانفعال کی۔
مندرجہ ذیل مرثیہ کنڑی زبان میں لکھا گیا۔ جیمز مل نے اس کا انگریزی ترجمہ شائع کیا اور تاریخ سلطنتِ خداداد کے مصنف نے اسے اردو کا جامہ پہنایا۔

آہ!
ہمارے سلطان کی شوکتِ شاہانہ،
کس قدر جلد غائب ہوگئی!
آہ! سرنگاپٹم کی تقدیر!
کتنی تیزی سے پلٹ گئی۔
دولت اور طاقت کی بلندی
زوال اور پستی میں
اس کے ظفر موج پھریرے
اوجِ آسمان سے ٹکراتے تھے۔
اس کے قاہر لشکر،
سربلندی سے بڑھتے جاتے تھے۔
آہ! مالکِ کائنات نے، اپنے تبسم کی کریمانہ نظریں
ان کی طرف سے ہٹائیں
اور وہ سب گزر گئے

ہمارے سلطان کی بستیاں
دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں
پہاڑ قلعے
اپنی بلندی سے

چاروں طرف
ہیبت پھیلا رہے تھے۔
اس کی فوجیں بے شمار تھیں۔
اس کے فرانسیسی سپاہی جنگ و پیکار کے لیے
بے قرار تھے۔
ایک لمحہ میں سب گزر گیا۔

ہمارے سلطان کے کوہستانی قلعے
زندہ پتھروں اور بڑی بڑی چٹانوں
میں سے تراشے ہوئے تھے
انہیں قلعوں میں سے ہوائی بان
چاروں طرف اپنی روشنی پھیلاتے
اور توپوں کے دہانے
رعد کی طرح گرجتے۔
انہیں قلعوں سے سلطان کے نقرئی نیزے
بلندی پر چمکتے نظر آتے
سر بلند پھریرے ہوا میں لہراتے
آہ!
چشمِ زدن میں سب گزر گیا۔

# فوجی شورش

جارج بارلو سیاسیات میں ویلزلی اسکول کا پیرو تھا۔اس کی انتہائی خواہش تھی کہ وہ دیسی حکمرانوں کو اپنے مفاد کے لیے بدستور آلۂ بنائے رکھے۔کمپنی کی مالی کمزرویوں نے بارلو کو اپنے ارادوں میں کامیاب نہ ہونے دیا۔بارلو نہ صرف نئی لڑائی لڑنے سے باز رہا بلکہ اس نے مواعید و میثاق کی تمام دفعات کی علانیہ خلاف ورزی کی۔راج پوتانہ کے راجوں نے مرہٹوں کے خلاف انگریزوں کی مدد کی تھی۔چنانچہ اعانت کے صلے میں ویلزلی نے ان سے تحفظِ ریاست کا معاہدہ کیا تھا۔اس معاہدے کی رو سے راج پوت ریاستوں پر حملہ کرنے والے کے خلاف کمپنی کی فوجوں کا لڑنا قرار پایا تھا۔بارلو نے راجپوت ریاستوں سے معاہدہ تحفظ کو منسوخ کرتے ہوئے انہیں حملہ آوروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔

جس سہولت اور آسانی سے کمپنی کے کارندوں نے ہندوستان پر قبضہ جمایا تھا اس کے پیشِ نظر انہوں نے یہ خیال کیا کہ ہندوستان کا مذہب بھی آسانی سے تبدیل کیا جا سکتا ہے۔اس تحریک کا بانی بھی ویلزلی تھا۔کمپنی کے حکمرانوں کے زمانہ میں ویلزلی ہندوستانی قومیت،حریت،تہذیب اور تمدن کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ہندوستانیوں کو اپنے مذہب میں تبدیل کرنے نیز ان کی زبان سے انگریزی کو روشناس کرانے کے لیے اس نے فورٹ ولیم کالج قائم کیا۔اس کالج کے قیام نے تبلیغِ نصرانیت میں کسی قسم کی مدد نہ کی تاہم اس کالج کے ذریعہ اردو نثر کی خدمت ہوتی رہی۔

جدید نثر کا آغاز انیسویں صدی میں ہوا۔نثر کی اس جدید عمارت کا سنگِ بنیاد ڈاکٹر جان گل کرسٹ نے فورت ولیم کالج میں رکھا۔ڈاکٹر نے شمالی ہندوستان کے بہترین دماغوں کو اکٹھا کیا۔یہ خیال سرے سے غلط ہے کہ فورٹ ولیم کالج کے قیام سے قبل اردو نثر میں کتابیں موجود نہ تھیں۔'وہ مجلس'،'نوطرز مرصع'ایسی متعدد کتابوں کا وجود اس کالج کے قیام سے پیشتر ملتا ہے۔

انیسویں صدی کے آغاز میں مدراس کا گورنر جنرل اور فوجی افسر ہندوستان کے تمدنی مسائل کی توہین پر کمر بستہ ہیں۔انہوں نے دیسی سپاہیوں کی پوشش میں قطع و برید کے علاوہ ان کی شکل وصورت کی بھی یورپی رنگ دینا چاہا۔ایسے اہم امور میں دیسی افسروں سے مشورہ نہ کرنا یقیناً دیسی فوجوں کو برانگیختہ کرتا تھا۔ان حالات میں دیسی سپاہیوں نے مشتعل ہوکر انگریزی افسروں کو قتل کر دیا۔

سلطان ٹیپو کے اہلِ خانہ ویلور ایسے مستحکم مقام پر شاہی قیدیوں کی سی زندگی بسر کر رہے تھے۔اس مقام پر ۱۰ جولائی ۱۸۰۶ء کو رات کے دو بجے دیسی سپاہیوں نے بغاوت کر دی۔مشتعل سپاہیوں نے اپنے انگریز کمانداری رہائش گاہ کو گھیر لیا۔گولیوں کی بوچھاڑ نے افسرِ اعلیٰ کو بیدار کر دیا۔کماندار انتہائی شجاعت کو کام میں لاتے ہوئے مشتعل ہجوم کو منتشر کرنے کے لیے اپنی خواب گاہ سے باہر نکل آیا۔چار بجنے سے پیشتر ہی کماندار خاک کا ڈھیر بن چکا تھا۔مشتعل ہجوم پر بہت جلد قابو پا لیا گیا۔

حسبِ معمول اس شورش کے اسباب دریافت کرنے کے لیے کمیشن مقرر کیا گیا۔کمیشن کے ارکان نے اس شورش کا سب سے بڑا سبب فوجی افسروں کی بدعنوانیوں کی قرار دیا۔فوجی افسروں نے اس شورش کی تمام تر ذمہ داری ٹیپو سلطان کے اہل خانہ پر عائد کر دی۔چنانچہ ٹیپو کے اہلِ خانہ کو ویلور سے بنگال منتقل کر دیا گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ فوجی افسروں کا حکم یہ ہے کہ:

> ''دیسی سپاہی امتیازِ ذات کے لیے قشقہ نہ لگائیں اور کانوں میں بالیاں نہ پہنیں۔فوجی قواعد کے وقت صورت تراشیدہ ہوں۔''

اس شورش کا سبب تھا۔انگلستان میں حادثہ ویلور نے لرزہ پیدا کر دیا۔عوام نے اس حادثہ کا سبب ہندستان میں نصرانیت کی تبلیغ کو گردانا۔انگلستان کے عوام نے حادثہ ویلور کے اسباب کی سمجھنے میں غلطی نہیں کی۔

برطانوی وزارت نے جارج بارلو کو مدراس کا گورنر مقرر کر دیا۔اس کی جگہ لارڈ منٹو کی ہندوستان کے برطانوی مقبوضات کا گورنر جنرل مقرر کیا۔

## سفارتوں کا دور

منٹو کا دور اس کی خارجہ حکمتِ عملی کے سبب بہت زیادہ اہم ہے۔اس اہمیت کا اندازہ لگانے کے لیے ہمیں کابل ،طہران، ماسکو اور پیرس کا سفر اختیار کرنا ہوگا۔انیسویں صدی کے آغاز میں افغانستان ،ایران اور فرانس کی حکمتِ عملی کا مکمل تذکرہ زیرِ نظر کتاب کے مندرجات سے خارج ہے۔تاہم منٹو کے عہدِ حکومت کو سمجھنے کے لیے ان ملکوں کے سیاسی حالات پر اختصار سے بحث کرنا لازم ہے۔

منٹو کے عہدِ حکومت میں افغانستان پر درانی خاندان قابض تھا۔شاہ شجاع ان دنوں افغانستان کا حکمران تھا۔انہی دنوں میں کمپنی فرانس اور روس کے متحدہ حملے کے خوف سے کانپ رہی تھی۔نیز اس دور میں ایران اور فرانس کا اتحاد مشرق میں برطانوی اقتدار کے لیے ایک اہم خطرہ بنا ہوا تھا۔الفنسٹن کو افغانستان کی سفارت کا افسرِ اعلیٰ بنا کر کابل بھیجا گیا۔الفنسٹن کے پیشِ نظر شاہ شجاع سے دوستی پیدا

کرنے کے علاوہ اس کے جذبات کو ایران کے خلاف اکسانا تھا۔ یہ سفارتی سفر بیکانیر، بہاول پور اور سے ملتان ہوتا ہوا ۲۵ فروری ۱۸۰۹ء کو پشاور پہنچا۔

الفنسٹن سے دس سال پیشتر میلکم ایران کا سفر اختیار کر چکا تھا۔ میلکم کے اسی سفر کے باعث افغانستان میں خون و آتش کا کھیل کھیلا جا رہا تھا۔ بھائی بھائی کا اور دوست دوست کا دشمن ہو چکا تھا۔ اپنی بھڑکائی ہوآگ کے شعلوں کی تباہ کاریوں کا تماشا کرنے کے لیے الفنسٹن کابل جا رہا تھا۔

شاہ شجاع کمپنی سے اس لیے تعلقات قائم کرنا چاہتا تھا کہ شاید کمپنی کی اعانت سے وہ ملکی بغاوت کو فرو کرنے میں کامیاب ہو جائے۔

میلکم کی ریشہ دوانیوں سے شاہ محمود نے شاہِ ایران کی مدد سے افغانستان میں علمِ بغاوت لہرایا اور شاہ زمان کو گرفتار کر کے اس کی آنکھیں نکلوا دیں۔ لیکن شاہ محمود بھی چین سے تخت پر نہ بیٹھ سکا۔ شاہ شجاع نے ۱۸۰۳ء میں اسے بھی بے تخت و تاج کر دیا۔ شاہ شجاع کے لیے تختِ افغانستان کانٹوں کے بچھونے سے کم نہ تھا۔ ان حالات میں شاہ شجاع کمپنی سے مدد کا طلب گار رہا۔ شاہ شجاع اور الفنسٹن کی ملاقات کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ کمپنی شاہ افغانستان سے کسی قسم کا دفاعی معاہدہ کرنے کے لیے تیار نہ تھی۔ بلکہ الفنسٹن کا مقصد شاہ شجاع کو شاہ ایران کے خلاف بھڑکا کر میلکم کے کام کو پورا کرنا تھا۔

کمپنی شاہ شجاع کی مدد نہیں کرنا چاہتی تھی۔ کیونکہ اولاً وہ خوشحال اور منظّم افغانستان کی برداشت نہیں کر سکتی تھی اور ثانیاً کمپنی رنجیت سنگھ کی یلغاروں کے لیے شمال مغربی علاقوں کی مخصوص کرنا چاہتی تھی۔ کیونکہ رنجیت اس سے قبل دوآبہ سے دست کش ہو چکا تھا۔ چونکہ رنجیت سنگھ ستلج پار کے علاقہ پر حملہ آور نہیں ہو سکتا تھا اس لیے کمپنی شاہ شجاع سے دفاعی معاہدہ بھی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ کیونکہ اس صورت میں رنجیت سنگھ کی فتوحات رک جانے کا خدشہ تھا اور کمپنی کی یہ انتہائی خواہش تھی کہ رنجیت سنگھ شمال مغرب کی طرف اپنی حدودِ سلطنت کو وسیع کرتا چلا جائے۔ ایک فرانسیسی مصنف کے خیال میں کمپنی جانتی تھی کہ رنجیت سنگھ کی موت پر وہ اس کی وسیع مملکت پر قابض ہو گی۔ کمپنی رنجیت سنگھ کو اس لیے بھی ممنون کرنا چاہتی تھی کہ وہ مرہٹوں کی جنگ میں غیر جانب دار رہا تھا۔ تیسرے اس نے لیک کی فوجوں کو ہلکر کے تعاقب میں امرتسر تک چلے آنے کی اجازت دی تھی۔ انہی وجوہات کی بناء پر کمپنی اور شاہ شجاع میں کسی قسم کا دفاعی معاہدہ نہ ہو سکا۔

لارڈ ویلزلی کے عہدِ حکومت میں ایک وفد سر جان میلکم کی سرکردگی میں ایران بھیجا گیا تھا۔ اس وفد

کا مقصد شاہ ایران کو شاہ افغانستان کی مملکت میں فتنہ فساد پیدا کرنے پر آمادہ کرنا تھا۔ میلکم مندرجہ ذیل ہدایات کے ساتھ ایران بھیجا گیا:

> ''اس وفد کے ذریعہ تم نے ایران اور برطانیہ کے پرانے تعلقات کو استوار کرنا ہے۔ نیز ایران سے ایک ایسے معاہدے کی تشکیل کرنا ہے جس کے ذریعے شاہ زمان ہندوستان پر حملہ آور نہ ہو سکے۔ تمھارا سب سے بڑا مقصد یہی ہے اور اگر وہ ایسا کرنے پر آمادہ دکھائی نہ دے تو اسے مجبور کر دیا جائے کہ وہ اپنے وطن سے باہر نہ نکل سکے۔ دوسرا اہم کام فرانسیسیوں کے خلاف ایران میں جذبات پیدا کرنا ہے۔''

سطورِ بالا سے صاف ظاہر ہے کہ میلکم کا مقصد شاہ زمان کے خلاف سازشوں کو جال بچھانا تھا۔ میلکم اپنے مقاصد میں کامیاب رہا۔ دو سال میں شاہ زمان کی قوت کا خاتمہ ہو گیا۔ ۱۷۹۹ء میں میلکم عازمِ ایران ہوا اور ۱۸۰۱ء میں افغانستان خانہ جنگی کا سب سے بڑا مرکز بن گیا۔ شاہ زمان مدت ہوئی قید ہو چکا تھا۔ محمود نے اس کی آنکھیں نکلوا دیں۔ جب اس کا بھائی شاہ شجاع تختِ کابل پر قابض ہوا تو شاہ زمان کو رہائی نصیب ہوئی۔ یہ سب کچھ ویلزلی کے عہدِ حکومت میں ہو چکا تھا۔

منٹو نے ہندوستان پہنچتے ہی ایران میں سفارتی وفد بھیجنے کی تیاری شروع کی۔ ۱۸۰۱ء میں میلکم ایران سے ہندوستان پہنچا۔ اس زمانہ میں یورپ کی سیاسی حالت میں نمایاں تبدیلی آ چکی تھی۔ ویلزلی اگر فرانس ترس تھا تو منٹو روس ترس۔ ویلزلی فرانسیسی خطرہ کا پھریرا لہراتے ہوئے ہندوستان کے بہت بڑے حصے پر قابض ہو گیا تھا۔ منٹو روسی خطرے کے پیشِ نظر پنجاب، سندھ، کابل اور ایران میں سازشوں کا ایک بہت بڑا جال بچھانا چاہتا تھا۔

منٹو نے میلکم کو سفارتی وفد کا صدر بنا کر ایران بھیجا تا کہ افغانستان میں شورش پیدا کرنے کے علاوہ فرانسسی حملہ کی روک تھام کے لیے ایرانیوں کو آمادہ کر سکے۔ برطانوی اقتدار کے خاتمہ کے لیے نپولین کا ہندوستان پر خشکی کے راستوں سے حملہ آور ہونا شاید ہماری دانست سے بہت بلند ہو۔ تاہم اس قدر ضرور کہا جا سکتا ہے کہ پیرس اور دہلی کے درمیان ہزاروں میل کا فاصلہ تھا لیکن کیلے اور ڈوور میں صرف بیس میل

۔منٹو نے پنجاب میں بھی اس قسم کا ایک تجارتی وفد بھیجا۔

جارج تھامس نامی ایک فوجی تقدیر آزما نے ویلزلی کو لکھا تھا کہ وہ صرف دو ہزار سپاہیوں سے پنجاب کو کمپنی کے لیے فتح کو سکتا ہے۔ویلزلی نے اس تقدیر آزما کے الفاظ کو مجذوب کی بڑ قرار نہیں دیا۔ بلکہ پالیسی کے طور پر اس نے جارج تھامس کو ایسا کرنے کی اجازت نہ دی۔ورنہ ویلزلی جانتا تھا کہ دو ہزار قواعد دان سپاہی پنجاب کی فتح کے لیے کافی تھے۔ویلزلی نے کیوں انکار کیا۔ظاہر ہے کہ ویلزلی سکھوں کی طاقت کو اس قدر مضبوط بنانا چاہتا تھا کہ پنجاب ایک طرف افغانستان اور دوسری طرف مرہٹوں کی سلطنت کے درمیان ایک مضبوط دیوار بن جائے۔

ستلج اور جمنا کے درمیان چھوٹی چھوٹی سکھ ریاستیں قائم ہو چکی تھیں۔ان ریاستوں کے سردار مرہٹی جنگوں میں راجپوتانہ کے مہاراجوں کی طرح کمپنی کی ایماء سے غیر جانب دار تھے۔ابتداء میں رنجیت سنگھ نے ان ریاستوں کو انگرزوں کے ہاتھ بیچنا چاہا لیکن کمپنی نے مشتری ہونے سے انکار کر لیا۔جب ان سکھ سرداروں کی مہاراجہ کے ارادوں کی خبر ہوئی تو انہوں نے کمپنی سے مدد کی درخواست کی۔چنانچہ انگریز فوجیں جمنا پر جمع ہونا شروع ہو گئیں۔جب رنجیت سنگھ کو انگریزی فوجی تیاریوں کی خبر ہوئی تو اس نے منٹو سے ان فوجی تیاریوں کا مقصد دریافت کیا۔رنجیت کے خط کے جواب میں منٹو نے ایک سفارتی وفد مٹکاف کی سرگردگی میں روانہ کیا۔رنجیت سنگھ لاہور واپس چلا گیا۔

ستمبر ۱۸۰۸ء میں مٹکاف نے مہاراجہ رنجیت سنگھ سے ملاقات کی۔کمپنی اور حکومتِ پنجاب کے درمیان اپریل ۱۸۰۹ء میں معاہدہ ہوا۔اس کی رو سے ستلج پار کی سکھ ریاستوں پر کمپنی کا قبضہ تسلیم کو لیا گیا۔

منٹو کے عہدِ حکومت میں چونکہ کمپنی کی مالی حالت بہت کمزور تھی چنانچہ اس نمایاں کمی کو پورا کرنے کے لیے منٹو نے تمام شعبوں کے افسروں کی تنخواہوں میں تخفیف کر دی۔منٹو کی اس حرکت سے برطانوی افسر مشتعل ہو کر بغاوت پر اتر آئے،مسولی پتم،حیدر آباد اور سرنگا پٹم کے برطانوی افسر علانیہ طور پر باغی ہو گئے۔اس سفید بغاوت کو فرو کرنے کے لیے سیاہ طرزِ عمل سے گریز کیا گیا۔

منٹو کے شش سالہ دورِ حکومت میں کمپنی کی مملکت میں انچ بھر ازمین کا اضافہ نہ ہوا۔تاہم اس نے مملکت کو بچائے رکھا۔

# بل بہادر

مارکوئیس آف ہیسٹنگز ہندوستان میں کمپنی کے مقبوضات کا گورنر جنرل ہونے کے علاوہ برطانوی فوجوں کا افسرِ اعلیٰ بھی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے آتے ہی نیپال کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ کمپنی کے عزم جنگ نے نیپال اور کمپنی کے سرحدی تنازعے کو فوری جنگ کی صورت میں تبدیل کر دیا۔ گورکھا حکومت نے گورنر جنرل کے اعلان کی خندہ پیشانی سے قبول کر لیا۔ پچاس سال قبل کمپنی گورکھوں کے

دست و بازو کا امتحان کر چکی تھی۔ اس دیرینہ شکست کا انتقام لینے کے لیے گورنر جنرل نے نیپال کے خلاف نبرد آزما ہونے کا از سرِ نو ارادہ کیا۔ متنازعہ فیہ علاقہ پر قبضہ جمانے کے لیے کمپنی کی تین فوجیں نیپال کے پہاڑوں کی طرف روانہ ہوئیں۔ یہ فوجیں نہایت آسانی سے اس علاقہ پر قابض ہو گئیں کمپنی کی فوجیں مفتوحہ علاقہ پر پولیس کی چوکیاں قائم کرنے کے بعد واپس چلی گئیں۔ گورکھوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پولیس کی چوکیوں پر حملہ کر دیا۔

کمپنی کی مالی حالت خراب ہو رہی تھی اور زر و مال کے بغیر نیپال کی چوٹیوں پر قبضہ جمائے رکھنا انتہائی دشوار ہو رہا تھا۔ اس بے زری کو نواب وزیر غازی الدین حیدر کی بے چارگی اور بے بسی سے پورا کیا گیا۔ گورنر جنرل نے نواب وزیر سے ڈھائی کروڑ روپیہ حاصل کر لیا۔

میجر گلپسی کی فوج سب سے پہلے سرحد نیپال میں داخل ہوئی۔ درہ کیری پر قابض ہونے کے بعد وہ دون کی طرف روانہ ہوا۔ دون کی حفاظت کے لیے بل بہادر معمور تھا۔ بل بہادر کی فوج صرف تین سو سپاہیوں پر مشتمل تھی۔ کرنل ماپی کو بڑھتا ہوا دیکھ کر بل بہادر دون سے چار میل کے فاصلے پر کولنکا کے قلعہ میں پناہ گزین ہوا۔ کرنل نے دون پر قابض ہوتے ہی بل بہادر کو اطاعت کے لیے لکھا۔ بل بہادر نے کرنل کو میدانِ جنگ میں مقابلہ کی دعوت دی۔ اگلے دن کرنل اپنی توپوں سمیت کولنکا کی تسخیر پر روانہ ہوا۔ کرنل اپنے ارادوں میں ناکام رہا۔ اس ناکامی کی اطلاع جنرل گلپسی کی دی گئی تو وہ سہارن پور سے کولنکا پہنچا۔ محاصرہ شروع ہوا۔ برطانوی توپوں کا رخ کوہستانی قلعہ کی طرف پھیر دیا گیا۔ درہ تھرموپلے کی حفاظت کرنے والے تین سو اہلِ سپارٹا کی طرح کولنگا کے تین سو گورکھے بھی موت سے کھیل رہے تھے۔ جنرل گلپسی نے قلعہ کی دیوار پر چڑھنے کی کوشش کی لیکن بے سود۔ وہ شجاعانہ موت کی بلندیوں پر جا پہنچا۔ گلپسی کی موت پر ماپی افسرِ اعلیٰ مقرر ہوا۔ ماپی نے قلعہ شکن توپوں سے از سرِ نو حملہ کیا لیکن ہزیمت اٹھائی۔ محصوریں پر آب رسانی کے ذرائع مسدود ہو گئے تھے۔

دو سو تیس جانباز اپنے وطن کی حفاظت میں جان کھو چکے ہیں صرف ستر باقی ہیں۔ برطانوی توپوں سے بدستور آگ برس رہی ہے۔ پانی کی جگہ آگ۔ کولنگا کی دیواروں سے گولیوں کی بوچھاڑ ہو رہی ہے۔ آج محاصرہ کا آخری دن ہے۔ آہنی توپوں کے منہ بدستور آگ اگل رہے ہیں۔ محصورین پر خاموشی طاری ہو گئی۔ ''وہ سب مر گئے ہیں۔'' برطانوی افسروں نے دل میں کہا۔ وہ اپنی کامرانی پر خوش ہو رہے

ہیں۔گرڑ گرڑ،قلعہ کا آہنی دروازہ کھلا۔ستر برہنہ تلواریں حرکت کرتی ہوئی نظر آرہی ہیں۔بل بہادر سب سے آگے دکھائی دے رہا ہے۔ستر وجانباز برطانوی صفوں کی چیرتے ہوئے ندی کے کنارے پہنچ گئے۔بیک وقت ایک سو چالی ہاتھ ندی میں داخل ہو گئے۔ستر سر ندی پر جھکے ہوئے۔پانی پیا،مشورہ کیا اور غائب۔:

انگریزوں نے کولنگا کو سطح زمین کے ساتھ ہموار کر دیا۔لیکن اس بلند مقام کو کیسے گرایا جا سکتا ہے جہاں بل بہادر اپنے تین سو جانثاروں سمیت مسکرا رہا ہے۔

جیتھک کے مقام پر دو ہزار گورکھوں اور اسی قدر برطانوی سپاہ میں ایک لڑائی ہوئی۔اس جنگ میں بھی کمپنی کو شکست کھانی پڑی۔

اب آکٹرلونی میدانِ جنگ میں آیا۔اس نے حکومتِ نیپال کے خلاف پہاڑی راجوں میں سازشوں کا ایک وسیع جال پھیلا دیا۔

نالاگڈھ اور تاراگڈھ کو مسخر کرنے کے بعد آکٹرلونی رام گڈھ کی تسخیر کے لیے روانہ ہوا۔آکٹرلونی سے نبرد آزما ہونے کے لیے امر سنگھ اسی مقام پر تیار تھا۔امر سنگھ کے زیرِ کمان صرف تین ہزار سپاہ تھی اور آکٹرلونی اپنے ہمراہ سات ہزار سپاہ لایا تھا۔آکٹرلونی گورکھوں کی راج دھانی کی طرف بڑھ رہا تھا عہد نامہ منگولی نے اس جنگ کا خاتمہ کر دیا۔اس عہد نامہ سے کمپنی کے قبضہ میں ترائی کا بہت بڑا علاقہ آ گیا۔اس جنگ نے کمپنی کو حکومتِ ہند کا موجودہ مرکز شملہ عطا کیا۔

جنگِ نیپال کو عہد نامہ منگولی نے ختم کر دیا۔جنگِ نیپال میں کامیاب ہونے کے بعد بھی گورنر جنرل چین سے نہیں بیٹھا۔

## پنڈارے

تاریخ ہند میں پنڈاروں سے ناروا سلوک کیا جاتا ہے۔مروجہ تاریخ کی کتابوں میں انہیں سفاک، بے رحم، رہزن، قزاق، آئین شکن، جلاد، قاتل اور جہاں سوز کہا جاتا ہے۔لیکن حقائق اس کے برعکس ہیں۔پنڈارے دراصل مرہٹوں کی خاص فوج کا نام تھا۔یہ لوگ زمانہ امن میں کھیتی باڑی کرتے اور زمانۂ جنگ میں گولی بندوق سے کھیلتے تھے۔پنڈاروں میں ہر ملت کے افراد شریک تھے۔لیکن عام طور پر ان کے سردار افغان تقدیر آزما ہوتے تھے۔اس قسم کے متعدد رتقدیر آزما سیواجی کی فوج میں بھی موجود تھے۔نصر

دان سب میں مشہور تھا۔اس کی وفات پر اس کا بیٹا چیکن اپنے آبائی فرائض انجام دیتا رہا۔چیکن کے بعد غازی الدین اجین پر حملہ کرتے وقت مارا گیا۔غازی الدین کا بیٹا گاردی خان ملہار راؤ ہلکر کے لشکر میں شریک ہو گیا۔گاردی کی وفات پر اس کا بیٹا لال خان اور لال حاں کی وفات پر اس کا بیٹا امام بخش پنڈاروں کا سردار مقرر ہوا۔لیکن قادر بخش نے اپنے اثر و رسوخ سے امام بخش کی اہمیت کو ختم کر دیا۔پنڈاروں کی یہ سپاہ ہلکر شاہی کہلاتی تھی۔

ہلکر کے علاوہ سندھیا کے ہاں بھی پنڈاروں کی کمی نہ تھی۔غازی الدین کا دوسرا بیٹا شاہباز سندھیا کے ہاں چلا گیا تھا۔اس کو موت پر اس کا بیٹا ہیرا پنڈاروں کا سردار مقرر ہوا۔اس کے دونوں بیٹے محمد اور دوست محمد پنڈاروں کے مشہور سردار تھے۔کمپنی کو ان سے جنگ کرنی پڑی مشہور پنڈارے سردار چیتو اور کریم بخش بھی سندھیا کی فوجوں میں شامل تھے۔

کمپنی کو خطرہ تھا کہ کہیں پنڈاروں کی مختلف جماعتوں اور مرہٹوں میں اتحاد نہ ہو جائے۔چونکہ اس قسم کا اتحاد کمپنی کے لیے غیر مفید تھا۔اس لیے پنڈاری بربریت اور وحشت کے افسانے چار دانگ عالم میں مشہور کر دیے گئے۔پنڈاروں کی قوت کو زائل کرنے کے لیے 'راجستان' کے منصف نے راج پوتوں کی مرہٹوں کے خلاف اکسایا۔پنڈاروں کی قوت چونکہ منتشر تھی اس لیے وہ زیادہ دیر کمپنی کی فوجوں کا مقابلہ نہ کر سکے۔صرف چیتو آخری دم تک انگریزوں سے لڑتا رہا۔پنڈاروں کے اس سردار کا خاتمہ جنگل کے ایک چیتے نے کیا۔

حکومتِ بمبئی کا خرچ آمد سے کہیں زیادہ تھا۔اس کمی کو پیشوا کے زرخیز علاقوں پر قبضہ کر کے پورا کرنے کی فکر ہوئی۔پنت ناتو نے آخری پیشوا کی قوت زائل کرنے کے لیے وہی کیا جو میر جعفر بنگال میں کر چکا تھا۔پیشوا کو مجبور کر دیا گیا کہ وہ معاہدہ پونا کو قبول کرنے کے علاوہ اس امر کا اعتراف کرے کہ گنگا دھر شاشتری کے قتل میں اس کا ہاتھ ہے۔

معاہدہ پونا نے پیشوا سے زرخیز علاقے چھین لیے۔اس معاہدہ کی ضرب نے پیشوا کی کمرِ ہمت توڑ دی۔۵ نومبر ۱۸۱۷ء کو کرکی کے مقام پر پیشوا کی فوجوں کو شکست ہوئی۔پیشوا نے اپنے تئیں انگریزوں کے حوالے کر دیا۔انگریزوں اسے تخور بھیج دیا۔تخور ہی میں اس نے ۱۸۵۰ء میں وفات پائی۔مرہٹوں کے آخری پیشوا اور مغلوں کے آخری تاجدار کی تقدیروں میں کتنی مشابہت ہے۔

جب تک رگھو بھونسلہ زندہ رہا اس نے سب سڈی ایری سسٹم میں شمولیت سے گریز کیا۔ ۱۸۱۶ء میں اس کی وفات پر ناگ پور سازشوں کا مرکز بن گیا۔ رگھو جی کی موت کی خبر سنتے ہی گورنر جنرل نے اپنے سفیر کو لکھا کہ رگھو جی کے جانشین آپا صاحب کو سب سڈی ایری سسٹم میں شمولیت کی دعوت دے۔ اس دعوت کی آپا صاحب نے قبول کر لیا۔ لیکن ناگ پور کے مرہٹہ سرداروں میں اس شمولیت سے اضطراب کی ایک لہر دوڑ گئی۔ آپا صاحب بھی سسٹم کی تباہ کاریوں سے آشنا ہو کر اس سے رہائی حاصل کرنے پر آمادہ وہ گیا۔ سسٹم کی شرطوں کو پورا کرنا آپا صاحب کے لیے دشوار تھا۔ آپا صاحب کی فوجوں نے ریزیڈنسی پر حملہ کر دیا۔ اس حملے میں آپا صاحب کے سپاہی ناکام رہے۔ آپا صاحب نے ریزیڈنٹ کو ایک خط کے ذریعے یقین دلایا کہ اس حملہ میں اس کا کوئی ہاتھ نہیں ہے۔ آپا صاحب کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ریزیڈنٹ نے ایک ذلت آمیز معاہدہ کیا۔ آپا صاحب جیسے کمزور انسانوں کے لیے اس معاہدہ کو قبول کرنے میں کیا عذر تھا۔ البتہ آپا صاحب کی فوجوں نے اس معاہدہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ فوجیوں کا مظاہرہ جنگ کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ جنگ چھڑ گئی۔ عرب سپاہیوں نے ناگپور کے ایک حصہ میں انگریزوں کا بڑی سختی سے مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی۔ آپا صاحب کو ایک قیدی کی حیثیت سے الٰہ آباد بھیج دیا گیا۔ آپا صاحب الٰہ آباد سے بھاگ نکلا۔

۲۰ دسمبر ۱۸۱۷ء کی مہدی پور کے مقام پر ہلکر نے شکست کھائی۔ اس شکست نے اسے انگریزوں کا زیرِ نگیں کر دیا۔ اسیر گڈھ کی تسخیر نے مرہٹوں کی آخری جنگ کا خاتمہ کر دیا۔

اسیر پیشوا، مفرور آپا، کمزور ہلکر اور کامیاب کمپنی اس جنگ کا نتیجہ ہیں۔

ان دنوں غازی الدین نواب وزیر تھا۔ گورنر جنرل کو اس کی بے چارگی اور کمزوری کا علم تھا۔ لیکن اس نے نواب وزیر کی میجر بیلی کے مظالم سے بچانے کی ذرہ بھر کوشش نہیں کی۔ نیپال کی جنگ نواب وزیر کی دولت سے جیتی گئی۔ جنگ کے بعد نواب وزیر کی فراموش کر دیا گیا۔

## برما پر حملہ

لارڈ ایمہرسٹ یکم اگست ۱۸۲۳ء کو کلکتہ پہنچا۔ چند ماہ کے بعد برما کے خلاف اعلانِ جنگ

کر دیا گیا۔

لارڈ منٹو کے عہد میں کمپنی کی رعایا کے بعض افراد نے برما کے علاقہ پر حملہ کیا کمپنی کی خاموشی سے حکومتِ برما اس نتیجے پر پہنچی کہ اس حملے کو کمپنی کی حمایت حاصل ہے۔ کمپنی کے خالی خزانے نے منٹو کو اس امر کی اجازت نہ دی کہ وہ برما پر حملہ آور ہوتا۔ تاہم اس نے سفارت کے پردے میں برما کی عسکری قوت کا اندازہ لگانے کے لیے دربار آوا میں کینگ کو بھیج دیا۔ کینگ نے گورنر جنرل کو لکھا کہ وہ کسی طرح برما کی گردن میں سب سڈی ایری کا طوق ڈال دے۔ کچھ مدت بعد اسی کپتان نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کو برما پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دی۔ لیکن اس وقت برما پر حملہ آور ہونا کمپنی کے تر دیکِ مصلحت کے خلاف تھا۔ کمپنی کی سیاسی حکمتِ عملی کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے شاہ آوا نے آسام کو اپنی مملکت میں شامل کر لیا۔ کمپنی نے آسامیوں کو حکومتِ برما کے خلاف اکسانا شروع کیا۔ لیکن وہ اپنی کوششوں میں کامیاب نہ ہو سکی۔ چنانچہ ۱۰ مارچ ۱۸۲۴ء کو گورنر جنرل نے برما کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔

کمپنی کے سپاہیوں نے رنگون پر قبضہ کر لیا۔

برمیوں نے رنگون کے ساتھ وہی سلوک جو حملہ نپولین کے بعد روسی ماسکو کے ساتھ کر چکے تھے۔ اہلِ برما نے ہر اس چیز کو نذرِ آتش کر دیا جو ان کے دشمنوں کے کام آ سکتی تھی۔ رامو کے مقام پر برمیوں نے انگریزوں کو شکست دی۔ اس شکست نے گورنر جنرل کو اس قدر خوف زدہ کر دیا کہ وہ خیال کرنے لگا کے کلکتہ پر برمی حملہ کرنے والے ہیں۔ اس شکست کا انتقام لینے کے لیے مزید فوجیں بھیجی گئیں۔ اس مختصر کتاب میں ان تمام جنگوں کا ذکر نہیں کیا جا سکتا جو مختلف مقامات پر انگریزوں اور برمیوں کے درمیان ہوئیں۔ کثرتِ باراں، بیماری اور محدود وسائل نے فریقین کو صلح پر آمادہ کر دیا۔ انگریزوں نے صلح کا ہاتھ بڑھایا جسے برمیوں نے بڑی گرم جوشی سے دبایا۔

کمپنی نے دیسی سپاہیوں کے ذریعے ہندوستان میں برطانوی حکومت کی داغ بیل ڈالی۔ لیکن دیسی سپاہیوں کے آرام و آسائش اور ان کے عقائد کا ذرہ بھر خیال نہ کیا۔ دیسی سپاہی برطانوی حکومت کے لیے کس قدر مفید تھے اس سوال کا جواب ایوانِ عام کے اس اجلاس نے واضح ہوتا ہے جو ۱۸۳۲ء میں منعقد ہوا۔ دیسی سپاہیوں میں بنگالیوں کی حالت نا قابلِ بیان تھی۔ یہی وجہ ہے کہ بنگالی سپاہیوں کو حکومت کے خلاف بہت سی شکایات تھیں۔ بنگالی سپاہیوں کی اپنی رہائش کے لیے ایک کٹیا تیار کرنا پڑتی تھی۔ لیکن اس

کے برعکس یورپی سپاہی نہایت آسائش سے بارکوں میں رہتے تھے۔ دیسی سپاہیوں کے مصائب پر کمپنی نے کبھی غور نہ کیا۔ چنانچہ مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ ان کے مصائب میں زیادتی ہوتی گئی۔ جنگِ برما میں چونکہ مزید سپاہیوں کی ضرورت تھی اس لیے بارکپور کے دیسی سپاہیوں کو برما کی طرف کوچ کا حکم دیا گیا۔ جب سپاہیوں کو معلوم ہوا کہ انہیں برما سے رنگون تک بحری سفر کرنا ہے تو اس حکم کو ماننے سے تامل کیا ۔وہ صرف ہندوستان میں لڑنے کے لیے بھرتی ہوئے تھے اور برما کا حدود ہندوستان نے باہر ہونا ظاہر تھا۔ جب انہیں کوچ کا حکم ملا تو وہ اپنے تھیلوں کے بغیر پیش ہوئے۔ اس سوال پر کہ ایسا کیوں کیا انہوں نے جواب دیا کہ تھیلے ناقابلِ استعمال ہو چکے ہیں۔ لہذا انہیں نئے تھیلے دیے جائیں۔ نیز انہوں نے کہا کہ رنگون جانے کے لیے انہیں مزید الاؤنس ملنا چاہیے۔ کیونکہ بنگال کی نسبت برما میں اشیاء کا نرخ گراں تھا۔ کمپنی کے فوجی افسروں نے بنگالی فوجیون کی شکایات پر غور کرنا اپنی توہین سمجھا۔ اس اثناء میں کلکتہ سے برطانوی فوج بارک پور پہنچ گئی۔ انگریزی سپاہیوں نے دیسی سپاہیوں کو گولیوں کا نشانہ بنا دیا۔ اس آتش باری سے جو زندہ بچے انہیں تختۂ دار پر لٹکا دیا۔

بھرت پور کے داخلی معاملات میں کمپنی کو دخل دینے کا حق نہ تھا۔ لیکن کمپنی گزشتہ شکستوں کا انتقام لینا چاہتی تھی۔ چنانچہ ۱۸۲۵ء میں جب بھرت پور کے راجہ نے وفات پائی تو وراثت کے دعوے داروں میں متوقع کشمکش شروع ہوئی۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کمپنی نے بھرت پور کی تسخیر کا عزم کیا۔ ۱۸ جنوری ۱۸۲۶ء کو پچیس ہزار سپاہیوں سے کومبر مئیر نے بھرت پور پر حملہ کیا۔

جنگِ برما نے ایمہرسٹ کو انگلستان کے اربابِ اقتدار کی نگاہوں سے گرا دیا تھا۔ کھوئے ہوئے وقار کو حاصل کرنے کے لیے گورنر جنرل نے بھرت پور کو مسخر کیا۔ مزید مقبولیت کے لیے ایمہرسٹ نے دہلی کے مغل شہنشاہ کو ذلیل کرنا چاہا۔ انگلستان میں مقبولیت حاصل کرنے کا سب سے بہترین طریقہ ہندوستان میں بدنام ہونا تھا۔

ایمہرسٹ نے ۱۷ فروری ۱۸۲۷ء کو شہنشاہ سے ملاقات کی۔ گورنر جنرل کی اس ملاقات سے دل برداشتہ ہو کر اس نے راجہ رام موہن رائے کو انگلستان بھیجا۔

مغل شہنشاہ کی تذلیل کے بعد ایمہرسٹ شملہ روانہ ہوا۔ اسی مقام پر ایمہرسٹ نے رنجیت سنگھ کے ایک وفد سے ملاقات کی۔

# ایک اصلاح پسند

ولیم نبٹنگ جنگ سے گریز نہ کر سکا۔اس کے عہدِ حکومت میں کورگ کا وسیع علاقہ کمپنی کی حکومت میں شامل ہوا۔مدراس کی گورنری کے زمانہ میں ولیم نبٹنگ کے آنکھ کورگ پر تھی۔وہ کورگ کو ایک انگلیشی نو آبادی بنانا چاہتا تھا۔ولیم نبٹنگ نے کچھار کو بھی کمپنی میں شامل کر لیا۔اس میں شک نہیں کے نبٹنگ نے کچھار اور کورگ کے علاوہ کوئی علاقہ کمپنی سے ملحق نہیں کیا۔اس امر میں بھی شک کی گنجائش نہیں کہ نبٹنگ نے کے الحاق کے لیے بھی انتہائی کوشش کی۔لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔میسور کا الحاق نظامِ دکن کی خوش کیے بغیر نہیں ہو سکتا تھا۔راجے کو تمام اختیارات سے محروم کرتے ہوئے میسور کو برطانوی افسروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔

ولیم نبٹنگ نے اودھ کے داخلی معاملات میں بھی دخل دیا۔گورنر جنرل کی اس حرکت سے خائف ہو کر شاہِ اودھ چاہتا تھا کہ وہ اپنا سفیر انگلستان بھیجے۔لیکن ولیم نبٹنگ نے شاہِ اودھ کی اس خواہش کا جس طرح خون کیا اس کا تذکرہ 'ڈی۔ری۔ٹس' یونیورسل ریویو بابت اپریل ۱۸۴۷ء میں کیا ہے۔:-

> ''دس بارہ برس گزرے کے کلکتہ میں یہ خبر گرم تھی کہ ایسٹ انڈیا کمپنی شاہِ اودھ کو تاج و تخت سے دست بردار کرتے ہوئے اس کی زرخیز زمینوں اور زردار خزانوں پر قابض ہونا چاہتی ہے۔نیز کمپنی کی یہ خواہش تھی کہ شاہِ اودھ کا وظیفہ مقرر کر دیا جائے۔کمپنی اس

سے پیشتر بھی بعض ہندوستانی تاجداروں سے یہ سلوک کرتی آئی تھی جن کی زمینوں پر اس نے قبضہ کرنا ہوتا ہے۔شاہِ اودھ نے اس قسم کے رویہ سے خوفزدہ ہوکر تہیہ کیا کہ انگلستان میں ایک سفیر بھیجے جورائے عامہ کواس کے حق میں آمادہ کر سکے۔اس مقصد کے لیے شاہ اودھ نے کرنل دوبائے کو انگلستان بھیجنے کا فیصلہ کیا۔۔۔۔۔ہنوز اس امر کی تیاریاں ہو رہی تھیں کے ہندوستان کی برطانوی حکومت نے شاہ اودھ کے خیالات تبدیل کرنے اور روانگی سفیر کو ملتوی کر نے کی سعی کی۔جب کرنل دوبائے روانگی کے لیے تیار ہورہا تھا تو اس کے خلاف بغاوت کا الزام لگایا گیا۔تاہم کرنل ایک دیسی معاون کے ہمراہ انگلستان روانہ ہوگیا۔ولیم نبٹنگ نے کرنل دوبائے کی علیٰحدگی کے احکام شاہِ اودھ سے حاصل کر کے انگلستان بھجوا دیے۔کرنل دوبائے مایوس اوراس کا ہندوستانی معاون بے یارومددگار غیرملکی سفر کی صعوبتیں اٹھاتا ہوا پونا پہنچا۔ولیم نبٹنگ کے طرزِعمل سے مایوس ہوکر کرنل دوبائے فرانس چلا گیا۔لیکن یہاں بھی کرنل نبٹنگ نے اس باعزت اور شاندار انسان کو شاہِ فرانس کی ملازمت میں داخل نہ ہونے دیا۔''

ولیم نبٹنگ نے دہلی سے گزرتے ہوئے دیدہ ودانستہ مغل شہنشاہ کی ملاقات سے گریز کیا۔عوام نے گورنر جنرل کے اس طرزِعمل کو بہت بُری طرح محسوس کیا۔چنانچہ ۱۸۵۷ء کی کشمکش کا ایک سبب یہ بھی تھا۔

دریائے سندھ کے آبی سفر کا اصل مقصد سندھ، پنجاب اور افغانستان پر قبضہ جمانا تھا۔یہی وجہ ہے کہ ولیم نبٹنگ نے رنجیت سنگھ کو سندھ پر قابض نہ ہونے دیا۔پنجاب کے اس فوجی کی حکمران قوت کا اندازہ لگانے کے لیے نبٹنگ نے مہاراجہ سے روپر کے مقام پر ملاقات کی۔

یہ ملاقات دوستانہ نہیں بلکہ جاسوسانہ تھی

اس ملاقات سے اپنی خواہش کو پورا ہوتے دیکھ کر ولیم بنٹنگ خالصہ راج کے خاتمہ پر آمادہ ہو گیا۔ اس زمانہ کے برٹش انڈین اخباروں نے یہ راز فاش کر دیا۔

بنٹنگ کی خارجہ حکمتِ عملی کیا تھی؟

اس نے کورگ اور کچھار کا الحاق کیا۔ اودھ کے معاملات میں دخل دیا۔ دہلی کے مغل بادشاہ کی توہین کی۔ گوالیار کی مرہٹہ ریاست کے خاتمہ کے لیے اس نے انتہائی کوشش کی۔ اس نے سندھ کے آبی سفر کی اجازت دے کر سندھ، پنجاب اور افغانستان میں کمپنی کی راہ پیدا کی۔

داخلی امور میں بھی ہندوستان کے مفاد کے لیے اس سے کچھ نہ ہو سکا۔ اس کا ہر قدم ہندوستانیوں کی تباہی کے لیے اٹھا۔ بنٹنگ نے انتظامی اور قانونی اختیارات فردِ واحد میں مرکوز کر دیے۔

بنٹنگ کو دیسی حکمرانوں سے بہت زیادہ نفرت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے لاولد حکمرانوں کی ریاستوں پر قبضہ جمانے کی تجویز کی حمایت کی۔ اس نے انگریزی کو دفتری زبان بنانے کے انتہائی کوشش کی۔ میکالے نے ہندوستانیوں کو انگریزی پڑھانے پر اس لیے زور دیا کہ اس کے خیال میں تیس برس تک بنگال میں ایک بھی 'بت پرست' نہ رہے گا۔

جہاں تک ستی کے انسداد کا تعلق ہے بنٹنگ کی نسبت راجہ رام موہن رائے کا اس کام میں زیادہ حصہ ہے۔

بنٹنگ کو ہندوستان کا محسن قرار دیے جانے کا ایک سبب یہ بھی پیش کیا جاتا ہے کہ اس نے ہندوستان کے لیے اعلیٰ عہدوں کے دروازے کھول دیے۔ اس کرم فرمائی کا سبب وہی مالی مصیبت تھی جس نے ولیم بنٹنگ سے انگریزی افسروں کی تنخواہوں میں کمی کرائی۔ انگریزوں کی نسبت دیسی افسر زیادہ کم تنخواہ پر مل سکتے تھے۔

ولیم نبٹنگ مارچ ۱۸۳۵ء کو انگلستان روانہ ہوا۔ مارچ ۱۸۳۶ء تک مٹکاف نے کمپنی کی مملکت میں آزادئ تحریر کا اعلان کر دیا۔ کمپنی آزادئ تحریر کی مخالفت تھی ۔ چنانچہ گورنر جنرل کو بہت جلد اپنا عہدہ چھوڑنا پڑا۔

## انگلستان پر ایک نظر

ملکہ الزبتھ کی وفات پر انگلستان پر سٹوارٹ خاندان ۱۷۱۴ء تک حکمران رہا۔اس خاندان کا آغاز جیمز اول سے ہوااور اس کا خاتمہ ملکہ این پر۔جیمز اول کے عہد حکومت میں بہت سے انگریز امریکہ میں آباد ہو گئے تھے۔انہوں نے وہاں ایک نوآبادی قائم کی۔یہ نوآبادیاں آہستہ آہستہ بڑھتی گئیں، یہاں تک کے انہوں نے انگلستان سے آزادی حاصل کر لی۔جیمز اول نے بادشاہ جہانگیر کے دربار میں سر تھامس رو کی بھیجا تھا۔جہانگیر نے انگریزوں کی سورت میں فیکٹری قائم کرنے کی اجازت دی۔جیمز اول چونکہ میری ملکہ سکاٹ لینڈ کا بیٹا تھا اس لیے کیتھولکوں کو خیال تھا کہ وہ ان کی مدد کرے گا۔لیکن جیمز اول نے مدد کی جگہ ان کی مخالفت کی۔اس پر کیتھولکوں نے اس کی پارلیمنٹ کی بارود سے اڑا دینے کی سازش کی۔اس سازش کا انکشاف ہو گیا۔اب جیمز نے کیتھولکوں پر مزید پابندیاں لگا دیں۔جیمز مطلق العنان حیثیت سے حکومت کرنا چاہتا تھا۔لیکن پارلیمنٹ اسے ایسا نہیں کرنے دیتی تھی۔اس پر بادشاہ اور پارلیمنٹ میں تنازعہ شروع ہو گیا۔جیمز اپنی رعایا کی 'بادشاہ کے آسمانی ہونے' کا از سرِ نو درس دینا چاہتا تھا۔لیکن پارلیمنٹ ازمنۂ وسطیٰ کے اس شاہی تصور کو دوبارہ زندہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔جیمز نے پارلیمنٹ کو توڑ دیا۔جیمز اول کے بعد چارلس اول بھی اپنی رعایا سے 'بادشاہ کو سایۂ آسمانی' تسلیم کرانے میں مصروف ہو گیا۔اپنے باپ کی مانند چارلس اول بھی پارلیمنٹ کی ذرہ بھر پروا نہیں کرتا تھا۔جب اس نے ہسپانیہ اور فرانس کے خلاف اعلانِ جنگ کیا تو اسے روپیہ حاصل کرنے کے لیے پارلیمنٹ کے اجلاس کی ضرورت کا احساس ہوا۔پارلیمنٹ نے روپیہ کی منظوری دینے سے پہلے 'عریضۂ حقوق' کو منظور کرانا چاہا۔چارلس نے اس عریضہ کی دفعات کو مان لیا۔لیکن وقت آنے پر اس نے عریضۂ حقوق کے ہر حرف کی خلاف ورزی کر دی۔جب پارلیمنٹ نے چارلس اول کے اختیارات میں مداخلت کی تو اس نے پارلیمنٹ کو توڑ دیا۔اب اس نے اپنی مرضی کے مطابق ٹیکس لگانے شروع کر دیے۔جب رعایا نے ٹیکس ادا کرنے سے انکار کر دیا تو اس نے پارلیمنٹ کا اجلاس طلب کیا۔اس مرتبہ پارلیمنٹ نے بادشاہ کی اختیارات کی ختم کر دیا۔اس پر چارلس اول اور پارلیمنٹ کے درمیان ایک طویل لڑائی شروع ہو گئی۔پارلیمنٹری پارٹی کی فوج کے جرنیل کرامویل نے شاہی فوجوں کی شکست دی۔چارلس اول کی گرفتار کر لیا گیا۔رمپ نے اسے موت کی سزا دی۔

اب انگلستان میں جمہوریت قائم ہو گئی۔اس جمہوریت کا آمر کرامویل تھا۔کرامویل نے کیتھولکوں کی شدید سزائیں دیں۔اس نے انگریزی بیڑے کو ترقی دینے کے لیے ایک قانون نافذ کیا جس کی رو سے انگلستان کی بندرگاہوں میں دوسرے ملکوں کا مال انگریزی جہاز یا برآمد کرنے والے ملک کے جہازوں میں لایا جا سکتا تھا۔کیونکہ اس قانون کے پیشتر انگریز تاجر ہالینڈ کے جہازوں کی کرایہ پر لیتے تھے۔لیکن اب وہ ایسا نہ کر سکتے تھے۔لہذا ہالینڈ اور انگلستان میں جنگ ہوئی۔اس جنگ میں ہالینڈ کی شکست ہوئی۔کرامویل نے فرانس سے تعاون کر کے ہسپانیہ کو شکست دی۔اس کی موت کے بعد پارلیمنٹ نے چارلس دوم کو ہالینڈ سے بلوا کر تخت پر بٹھا دیا۔چارلس دوم نے کرامویل کی نعش قبر سے نکلوا کر صلیب پر لٹکا دی۔چارلس دوم نے پارلیمنٹ کو بحال کیا۔اس کے عہد میں طاعون سے لاکھوں انسان مارے گئے۔طاعون کے رفع ہونے کے بعد لندن کے ایک محلّہ میں آگ لگ گئی۔لکڑی کے مکانوں نے آہستہ آہستہ آگ پکڑ لی۔یہاں تک کہ لندن کا تیسرا حصہ جل کر راکھ ہو گیا۔اس آتش زدگی کے بعد لندن میں نیا فنِ تعمیر رائج ہوا۔چارلس دوم کے عہد میں پارلیمنٹ میں وگ اور ٹوری کے نام سے دو پارٹیاں بن گئیں۔چارلس کی ماں چونکہ فرانسیسی تھی اس لیے وہ فرانس کی طرف زیادہ مائل تھا۔اس نے فرانس کے بادشاہ کے ساتھ سازش کی۔اس نے پرتگال کی شہزادی کے ساتھ شادی کی۔بمبئی کا جزیرہ اسے جہیز میں ملا۔اس نے یہ جزیرہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی دے دیا۔اس کے بعد اس کا بھائی جیمز دوم تخت نشین ہوا۔وہ پروٹسٹنٹوں کا دشمن تھا۔اس نے کیتھولکوں کو بڑے بڑے عہدے دیے۔اس پر پروٹسٹنٹ بگڑ گئے۔انہوں نے آرنج کے شہزادہ ولیم کو بلا بھیجا۔جیمز مایوس ہو کر فرانس بھاگ نکلا۔جیمز دوم کی تخت سے علیٰحدگی نے پارلیمنٹ کی بہت مضبوط کر دیا۔اب بادشاہ کے لیے پارلیمنٹ کے مرضی کے خلاف کوئی قانون منظور کرنا دشوار ہو گیا۔ولیم سوم نے اعلانِ حقوق کو بھی تسلیم کر لیا۔اس اعلان کے ذریعہ انگلستان کے بادشاہ کا پروٹسٹنٹ ہونا ضروری تھا۔نیز وہ پارلیمنٹ کی منظوری کے بغیر کوئی ٹیکس نہیں لگا سکتا تھا۔اسی عہد میں پریس پر سے پابندیاں اٹھالی گئیں۔بنک آف انگلینڈ بھی اسی عہد کی یادگار ہے۔پارٹی سسٹم پر حکومت کی تشکیل کا آغاز بھی اسی عہد میں ہوا۔۱۷۰۷ء میں انگلستان اور سکاٹ لینڈ کے پارلیمنٹ مشترک ہو گئے۔دونوں ملکوں کے نشانوں کو ملا کر یونین جیک بنایا گیا۔ملکہ این کی وفات کے بعد ۱۷۱۴ء میں انگلستان میں ہینوور خاندان کی حکومت قائم ہوئی۔

اس خاندان کا پہلا بادشاہ جارج اول انگریزی زبان کا ایک لفظ تک نہیں جانتا تھا۔ وہ وزارت کے اجلاس میں شریک بھی نہیں ہوتا تھا۔ اس نے وزیرِ اعظم کو کابینہ میں اپنا نمائندہ بنالیا۔ پارٹی سسٹم کے بعد انگلستان کا سب سے پہلا وزیرِ اعظم رابرٹ والپول تھا۔ اس کے عہد میں انگلستان نے تجارت سے بہت روپیہ کمایا۔ اس روپیہ کو تجارتی کمپنیوں پر صرف کیا گیا۔ لیکن بہت سی تجارتی کمپنیوں کے دیوالیہ ہو جانے سے ملک کو بہت مالی نقصان پہنچا۔ والپول نے ان دیوالیہ کمپنیوں سے حصہ داروں کو ایک تہائی رقم دلائی۔ اس نے ایوانِ عام کے اختیارارت میں اضافہ کیا۔ وہ پولینڈ کی جنگِ تخت نشینی سے الگ رہا۔ لیکن وہ ہسپانیہ کے خلاف لڑا جس میں انگریزوں کی شکست ہوئی۔ انگلینڈ اور ہسپانیہ ابھی لڑ رہے تھے کہ آسٹریا کی جنگِ تخت نشینی شروع کو گئی۔ جنگِ ہفت سالہ کو معاہدہ پیرس سے ختم کیا گیا۔ جنگِ ہفت سالہ کے دوران ولیم پٹ انگلستان کا وزیرِ اعظم تھا۔ جارج سوم کی تخت نشینی کے ساتھ ہی اس نے وزراتِ عظمیٰ سے استعفیٰ دے دیا۔ لیکن جب امریکہ نے آزادی کے لیے جنگ شروع کی تو اسے پھر وزیرِ اعظم بنادیا گیا۔ وہ انگلستان کو امریکہ سے جنگ کرنے سے روکنا چاہتا تھا۔ ۱۷۶۰ء میں بائیس سال کی عمر میں جارج سوم تخت نشین ہوا۔ اس نے وگ پارٹی کے اقتدار کو ختم کرنے کے لیے ٹوریوں سے ساز باز کی۔ انتخابات میں ٹوری ممبروں کی اکثریت ہونے پر لارڈ نارتھ کو وزیرِ اعظم مقرر کیا گیا۔ اس وزیرِ اعظم کے عہد میں بڑے بڑے انقلابات رونما ہوئے۔ جن کا تذکرہ کیا جا چکا ہے۔ کوچک پٹ نے ۱۷۸۴ء میں پٹ کا انڈیا بل پارلیمنٹ سے منظور کرایا۔ اس بل کی رو سے ہندوستان کے مفتوحہ علاقوں کی حکومت ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھوں سے نکل کر بورڈ آف کنٹرول کے قبضہ میں چلی گئی۔ اس بورڈ آف کنٹرول کے ممبر پرائیوی کونسل کے ممبروں سے منتخب ہوتے تھے۔ کوچک پٹ اصلاحی کاموں میں مصروف تھا کہ انقلابِ فرانس رونما ہو گیا۔ اس نے انگلستان کو اس انقلاب سے بچانے کے لیے جہاں بہت سے نئے قانون بنائے وہاں اس نے انقلابِ فرانس کے حامیوں کو بھی قید کر لیا۔ جارج چہارم کے تخت نشین ہونے کے چار سال پہلے نپولین کو واٹرلو کی لڑائی میں شکست ہو چکی تھی۔ جارج چہارم (۱۸۲۰ء تا ۱۸۳۰ء) کے عہد میں وزیروں کے اختیارات بہت وسیع ہو گئے۔ اسی عہد میں کیتھولکوں کی آزادی کا اعلان ہوا۔ جارج چہارم کی موت پر اس کا چھوٹا بھائی ولیم چہارم تخت پر بیٹھا۔ اس کا عہد چند نہایت اہم قوانین کی منظوری کے سبب بہت مشہور ہے۔ 'قانونِ اصلاح' کے منظور ہو جانے کے بعد ویران بستیوں سے نمائندگی کا حق چھین لیا گیا۔ صنعتی

انقلاب کے باعث جن شہروں کی آبادی بڑھ چکی تھی انہیں ابھی تک پارلیمنٹ میں نمائندگی حاصل نہیں ہوئی تھی۔اس قانون نے اس شہروں کو اپنے نمائندے پارلیمنٹ میں بھیجنے کا حق دیا۔ووٹروں کی تعداد میں اضافہ کیا گیا۔اس قانون نے درمیانے طبقے کے اقتدار کو بڑھا دیا۔اس قانون کی رو سے گداگری کو ممنوع قرار دیا گیا۔چونکہ اس زمانے میں سرمایہ داروں کو بہت سی مراعات حاصل تھیں اس لیے وہ مزدوروں کے حقوق کا خیال نہیں کرتے تھے۔وہ چھوٹے چھوٹے بچوں سے بھی کام لیتے تھے۔قانونِ کارخانہ نے مزدوروں کے لیے دس گھنٹہ یومیہ اوقاتِ کار مقرر کیے۔غلامی کو بھی قانوناً ممنوع قرار دیا گیا۔ٹوری پارٹی نے قانونِ اصلاح کی مخالفت کی۔لیکن وگ پارٹی کی اصلاحات سے انگلستان کا اونچا طبقہ نالاں تھا۔اس پر ٹوری پارٹی کے لیڈر سر رابرٹ پیل نے اپنی پارٹی کا نام رجعت پسند رکھ کر وزارت پر قبضہ کر لیا۔اس پر وگ پارٹی نے بھی اپنا نام لبرل پارٹی رکھا۔ان پارٹیوں کے علاوہ ایک تیسری پارٹی بھی پیدا ہو چکی تھی۔یہ ریڈیکل پارٹی تھی۔اصلاحی کاموں میں یہ پارٹی فوری تبدیلی کے حق میں تھی۔ولیم چہارم کی موت کے بعد اس کی بھتیجی وکٹوریہ ۱۸۳۷ء میں تخت نشین ہوئی۔اس کے عہد میں بیس سال تک ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستان پر حکمران رہی۔۱۸۵۷ء کے بعد وکٹوریہ کے ایک فرمان نے کمپنی کی حکومت کی ختم کر دیا۔

# ہندوستانی صنعت کی تباہی

انگلستان کی پارلیمنٹ نے ۱۷۰۰ء میں ایک قانون کی رو سے انگلستان میں ہندوستانی کپڑے کی درآمد کی ممنوع قرار دے دیا۔ نیز ہندوستانی کپڑے کے استعمال کو جرم قرار دیا گیا۔ ایک مدت تک اس قانون پر عمل ہوتا رہا۔ اور جب انگلستان نے دیکھا کہ ہندوستان کی صنعت ختم ہو رہی ہے تو پارلیمنٹ نے انگلستان میں ہندوستانی کپڑے کی درآمد کی اجازت دے دی۔ لیکن اس درآمد پر زیادہ محصول لگایا گیا تھا۔ تاکہ ہندوستانی کپڑا انگلستان میں فروخت نہ ہو سکے۔ ان پابندیوں کے باوجود، جبکہ ایک طرف ایسٹ انڈیا کمپنی ہندستان کی پارچہ بافی کی صنعت کو تباہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہی تھی اور دوسری طرف ہندوستانی مال پر زیادہ سے زیادہ محصول لگایا جا رہا تھا، ہندوستان کا کپڑا انگلستان کے بازاروں میں بکتا رہا۔ یہاں تک کے مشینوں نے دستکاری پر غلبہ پالیا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان کی صنعتوں کو جس انداز میں تباہ کیا اس کا ذکر ولیم پوسٹس نے ۱۷۷۲ء میں ان الفاظ میں کیا تھا:

''تمام اندرونِ ہند کی تجارت اور کمپنی کا ایک خاص طریقہ پر ہندوستان پر روپیہ لگانا، یہ سب مسلسل مظالم کا ایک منظر ہے جس کے برے اثرات کو ہندوستان کا ہر کپڑا بننے والا محسوس کر رہا ہے۔ ہر مال، جو تیار ہوتا ہے، وہ کمپنی کی ملکیت بن جاتا ہے اور انگریز اپنے بنیوں اور گماشتوں کے ذریعہ بڑے تکبر سے یہ طے کرتے ہیں کہ ہر کاریگر کتنا مال کس قیمت پر دے گا۔ جب ان باتوں کے تصفیہ سے ہندوستانی جلاہے کمپنی سے پیشگی روپیہ لینے سے انکار کرتے ہیں تو زبردستی روپیہ ان کے کمر سے بندھوا دیا جاتا ہے اور پھر اس جلاہے کو کوڑے لگائے جاتے ہیں۔ اس محکمہ میں جو بدمعاشیاں کی جاتی ہیں وہ وہم و قیاس میں بھی نہیں آسکتیں۔ کمپنی کے گماشتے نرخ مقرر کرتے ہیں۔ وہ بازار کے نرخ سے چالیس فی صدی تک کم ہوتا ہے۔ ریشم کا تنے والے بے شمار کاریگروں نے اس مصیبت سے تنگ آ کر انگوٹھے کٹوا لیے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ۱۸۱۳ء کی ایک رپورٹ سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان کے ریشمی اور سوتی کپڑے انگلستان

کے بازاروں میں انگلستان کے کپڑوں سے پچاس ساٹھ فی صدی کم قیمت پر بکتے ہیں۔ چنانچہ ۱۸۱۳ء میں ہندوستان کے دھاری دار کپڑوں پر تقریباً پچاس فی صد محصول لگایا گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۱۳ء تک باوجود پابندیوں کے ہندوستان کی صنعتِ پارچہ بافی زندہ تھی اور اسے ختم کرنے کے لیے پارلیمنٹ کو ہنوز زیادہ سے زیادہ ٹیکس لگانے کی ضرورت پیش آتی تھی۔ لیکن جب انگلستان کی اپنے مال کی کھپت کی ضرورت پیش آئی تو انگلستان نے آزاد تجارت کی پالیسی اختیار کر لی۔ جوں جوں ہندوستانی صنعت تباہ ہوتی گئی اسی نسبت سے انگلستان میں ہندوستانی مال کی درآمد پر محصول کم ہوتا گیا۔ چنانچہ ۱۸۲۳ء کے ایک بیان کے مطابق نہ صرف ہندوستان کا سوتی کپڑا انگلستان میں درآمد ہونے سے رک گیا بلکہ الٹا انگلستان سے سوتی کپڑا ہندوستان جانے لگا تھا۔ یہ محصول اسی وقت منسوخ کیے گئے جب ہندوستان کی تجارت تباہ ہو چکی تھی۔ ذیل کے نقشوں سے معلوم ہو سکتا ہے کہ انگلستان میں ہندوستان کے کپڑے کی درآمد کس طرح بتدریج کم ہوئی۔

۱۷۹۳ء میں ۳۲۴۵۷۴۵ پونڈ کپڑا درآمد ہوا۔

۱۷۹۸ء میں ۱۷۹۷۳۴۵ پونڈ کپڑا درآمد ہوا۔

۱۸۰۵ء میں ۹۷۸۳۱۷ پونڈ کپڑا درآمد ہوا۔

۱۸۱۰ء میں ۱۸۱۲۷۳ پونڈ کپڑا درآمد ہوا۔

۱۸۱۴ء میں ۵۳۴۴۵۹۰ تھان انگلستان میں درآمد ہوئے۔

۱۸۲۱ء میں ۱۲۶۶۰۸ تھان انگلستان میں درآمد ہوئے۔

۱۸۲۸ء میں ۴۲۲۵۰۴ تھان انگلستان میں درآمد ہوئے۔

۱۸۳۵ء میں ۳۶۶۰۸۶ تھان انگلستان میں درآمد ہوئے۔

۱۸۴۳ء میں ۱۸۱۲۲۴ تھان انگلستان میں درآمد ہوئے۔

۱۸۴۹ء میں ۳۶۱۵۱ تھان انگلستان میں درآمد ہوئے۔

جب ہندوستانی مال دوسرے ملکوں میں بھیجا جاتا تھا تو ہندوستان کی صنعتِ جہاز سازی بھی عروج پر تھی۔ جب ہندوستان کا مالِ تجارت ہندوستان کے بنے جہازوں پر بندرگاہ میں پہنچا تو وہاں کے کارخانہ داروں پر اتنی وحشت طاری ہوگئی گویا کسی دشمن ملک نے انگلستان پر حملہ کر دیا ہے۔ لندن کے تمام جہاز

سازوں نے چلانا شروع کر دیا کہ اگر ہندوستان کے جہازوں کو بار برداری میں اس طرح استعمال کیا جانے لگا تو انگلستان کے جہاز ساز بھوکے مر جائیں گے۔ ہندوستانی صنعت کے زوال پذیر ہونے پر اس صنعت کا تباہ ہونا یقینی تھا۔

## شمالی ہندوستان

آک لینڈ کے عہدِ حکومت (۱۸۳۶ء تا ۱۸۴۲ء) میں دریائے سندھ کا آبی سفر رنگ لایا۔ افغانستان کے کوہستان پر خون و آتش کا ایک ایسا کھیل کھیلا گیا جس کی یاد سے روح لرز جاتی ہے۔

افغانستان پر کیوں حملہ کیا گیا؟ اس حملہ کا مقصد سرحدی استحکام نہیں ہوسکتا۔ برطانوی ہندوستان اور افغانستان کے درمیان پانچ دریاؤں کی سرزمین، راجپوتانہ کے صحرا، سندھ کا ریگستان اور بلوچستان کی چٹانیں تھیں۔ کمپنی نہایت آسانی سے امیرانِ سندھ اور تاجدارِ لاہور سے اس قسم کا معاملہ طے کر سکتی تھی۔ آخر اس جنگ کا سبب کیا تھا؟

''روس آیا ! دوڑنا!''افغانستان کی جنگ کا بہانہ تھا۔۔سبب نہیں۔ ایک دیانتدار مؤرخ افغانستان کی جنگ کے سبب تلاش نہیں کرسکتا۔ہوسِ ملک گیری سب سے بڑا سبب تھی۔

شاہ شجاع لدھیانہ میں کمپنی کے رحم وکرم پر اپنے ایامِ زیست بسر کر رہا تھا۔افغانستان کے تخت پر دوست محمد قابض تھا۔آک لینڈ نے برنز کو ایک تجارتی وفد کا امیر بنا کر دوست محمد کے پاس بھیجا۔شاہ افغانستان نے مشرقی مہمان نوازی کے پیشِ نظر اس کی بہت عزت کی۔برنز نے تجارتی گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے دوست محمد سے برطانوی افغانی اتحاد کا ذکر کیا۔دوست محمد نے اپنا مطالبہ پیش کیا جسے اس نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔برنز نے دوست محمد کی ترنوالہ سمجھنے میں غلطی کی۔کوہستان کے اس آہنی شخص نے برنز تجارتی وفد کو تاجرانہ جواب دیا۔وہ مایوس ہو کر واپس ہوا۔

برنز جون ۱۸۳۷ء میں شملہ پہنچا۔اس کے واپس ہوتے ہی روسی سفیر ویکوفیسن کا اثر دربارِ افغانستان میں قدرتی طور پر زیادہ ہو گیا۔

شاہ شجاع کے دامن سے آتشِ جنگ کی ہوا دی گئی۔کمپنی،شاہ شجاع اور رنجیت سنگھ کے اتحادِ ثلاثہ نے جنگِ افغانستان کی جائز قرار دیا۔اس اتحاد سے ایران اور سندھ کی تقدیر کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔انہیں غیر اہم قرار دیتے ہوئے اس اتحاد میں شریک ہونے کی دعوت نہ دی گئی۔

انگریزی فوجیں سندھ اور پنجاب میں سے افغانستان داخل ہوئیں۔قندھار،غزنی اور کابل کو فتح کرنے کے بعد شاہ شجاع کو تخت پر بٹھا دیا۔ڈیورنڈ اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے کہتا ہے کہ برطانوی فوجوں کی تکمیلِ کار کے بعد واپس ہو جانا چاہیے۔میک ناٹن کا یہ بیان کہ شاہ شجاع کی تخت نشینی رعایا کے خلوص کی ترجمانی تھی حقائق کے خلاف ہے۔شاہ شجاع کو برطانوی سنگینوں کے زیرِ سایہ تخت پر بٹھایا گیا۔لیکن اس کی ذات محفوظ و معمون نہ تھی۔قندھار،غزنی اور کابل نے برائے نام اسے اپنا تاج دار تسلیم کر لیا تھا۔ہرات کی آزاد حکومت میں اس کا ذرہ بھر دخل نہ تھا۔کوہستان کی ہر وادی سے شاہ شجاع کے خلاف آواز بلند ہو کر افغانی چٹانوں سے ٹکرا رہی تھی۔اگر شاہ شجاع کی تخت نشینی رعایا کے خلوص کا مظاہرہ تھی تو انگریزی فوجوں کو چاہیے تھا کہ وہ شاہ شجاع کو اسی خلوص کے سپرد کر کے واپس چلی جاتیں۔آک لینڈ کی افغان حکمتِ عملی ایک بہت بڑی حماقت تھی۔

افغان رعایا کے خلوص کے باوجود انگریزی فوجیں شاہ شجاع کی حفاظت کے لیے قندھار،کابل اور

بامیان میں مقیم رہیں۔اس فوجوں کے قیام سے برطانوی عزائم کا پتہ لگایا جاسکتا ہے۔تمام اختیارات میک ناٹن کے قبضے میں تھے شاہ شجاع افغانستان کا میر جعفر اور میک ناٹن کو ہستان کا کلائیو تھا۔خارجہ پالیسی سے شاہ شجاع کو کوئی تعلق نہیں تھا۔

رعایا کا ہر ذی ہوش فرد افغانستان کے میر جعفر کی حکومت سے نالاں تھا۔اپریل ۱۸۴۰ء میں شاہ شجاع جلال آباد سے کابل پہنچا۔اس کی آمد کے چند دن بعد برطانوی فوجوں نے بالا حصار خالی کر دیا۔فوجیوں کی ایک چھاؤنی کابل کے شمالی میدان میں قائم تھی۔فوجی افسروں نے اپنی بیویوں کو افغانستان بلوا لیا۔اس نیم شہری ،نیم بدوی زندگی کو پُر لطف بنانے کے لیے ہر قسم کے سامان مہیا کیے گئے۔طوفان کی آمد سے قبل یہ لوگ خورد ونوش میں مصروف تھے۔طوفان ان کی مسرتوں اور لطف اندوزیوں کی تنکوں کی طرح بہالے گیا۔

ہندوستان کی طرح افغانستان میں بھی انگریزوں نے 'نفاق ڈالو اور حکومت کرو' پر عمل کرنا چاہا۔میک ناٹن کے معاون منشی موہن لال نے افغانستان میں افغانی ایندھن سے خانہ جنگی کی آگ لگانا چاہی لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہوسکا۔

میک ناٹن نے افغان سرادروں کو قتل کرنے کی ایک سازش کی لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔افغان وفد کے پیش کردہ معاہدے کو میک ناٹن نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔اس انکار کے بعد افغانستان میں سکوت طاری ہوگیا۔یہ خاموشی تموج سے قبل سکون کے مانند تھی۔میک ناٹن اس سکون سے خلافِ امید توقعات وابستہ کیے ہوئے تھا۔تباہ کن ایامِ سرما کو آتے دیکھ کر افغان سردار بھی خاموش ہو گئے۔انگریز سپاہیوں پر خوف وہراس طاری ہو چکا تھا وہ افغانستان چھوڑنا چاہتے تھے۔

میک ناٹن کاغذاتِ صلح ہاتھ میں لیے ہوئے افغان سرداروں سے گفت وشنید کے لیے آگے بڑھا۔کابل اور برطانوی معسکر کے درمیانی مقام پر فریقین شرائطِ صلح پر بحث کرنے کے لیے جمع ہوئے۔یہ امر متفقہ طور پر طے پایا کہ تین دن کے اندر برطانوی فوجیں کابل خالی کر دیں گی۔مقررہ وقت گزر گیا۔برطانوی سپاہی اپنے معسکر میں قیام پذیر تھے۔معاہدہ کی یہ خلاف ورزی افغانوں کی ناگوار گزری۔اکبر خان نے میک ناٹن کی عیاریوں کی داد اس کے اپنے سکوں میں دینی چاہی۔چنانچہ میک ناٹن کو از سرِ نو گفت وشنید کی دعوت دی گئی۔میک ناٹن نے اس دعوت کی قبول کرنے میں ذرہ بھر تامل نہ

کیا۔

میک ناٹن اپنے تین ساتھیوں سمیت رودِ کابل کے کنارے اکبر خان سے ملنے کے لیے روانہ ہوا۔ جب اس کی روانگی کا مقصد اس کے ایک ساتھی کو معلوم ہوا تو اس نے کہا 'سازش'۔

''مجھے تنہا اس سازش کا شکار ہونے دو۔'' میک ناٹن نے جواب دیا۔ ایک آزمودہ کار برطانوی افسر نے جب میک ناٹن کو اس کے عزائم سے باز رکھنا چاہا تو اس نے جواب دیا ''میں تمھاری نسبت بہتر جانتا ہوں۔ مجھے مرنے دو ! موت بہتر ہے اس زندگی سے جو پچھلے چالیس دنوں سے کاٹ رہا ہوں۔'' برطانوی وفد رودِ کابل کی طرف روانہ ہوا۔ مقررہ مقام پر یہ وفد رک گیا۔ اکبر خان بھی پہنچ گیا۔ رسمی گفت وشنید کے بعد اکبر خان 'بگیر، بگیر' پکار رہا تھا۔ برہنہ تلواریں میک ناٹن کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ موت اور تحفظ حیات کی اس آخری کشمکش میں میک ناٹن کی زبان سے 'از برائے خدا' کے الفاظ نکلے ۔ تسخیر سے حادثۂ قتل تک کے واقعات کو باسوان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

> ''اہل افغانستان نے بیگمات پر حملہ ہوتے دیکھا۔ ان کے ملک کو لوٹ لیا گیا۔ ہر اس چیز کو تباہ و برباد کر دیا گیا جو ان کی نظر میں مقدس و متبرک تھی۔ ان مناظر نے ان کی رگوں میں خونِ انتقام دوڑا دیا۔ آزاد افغانستان کے باشندے ان بد اعمالیوں کو بر داشت نہیں کر سکتے تھے۔ اس کی نگاہوں میں انگریز ذلیل ہو چکے تھے۔ ان کے نزدیک انگریزوں کا وجود انسانیت، شرافت اور اور اخلاق سے عاری ہو چکا تھا۔''
>
> ''افغانوں نے انگریزوں کی بداعمالیوں کے پیشِ نظر اس امر کا فیصلہ کر لیا کہ وہ اپنے وطن کو ان کے وجود سے پاک کریں گے۔ ان کے طرزِ تفکر میں شاہ شجاع تمام مصائب کا سر چشمہ تھا۔ وہ اسے اپنے وطن سے نکالنا چاہتے تھے۔ برطانوی سنگینوں کی مدد سے حاصل شدہ تختِ افغانستان شاہ شجاع کے لیے کانٹوں کا بچھونا تھا۔ شاہ شجاع کو اس تخت کے لیے جان سے ہاتھ

دھونے پڑے۔''

''جب شاہ شجاع اپنے وطن کی خیر باد کہتے ہوئے کابل سے روانہ ہوا تو راستے میں گولی کا نشانہ بنا دیا گیا۔''

''برنز کے خلاف بھی افغانستان میں نفرت وحقارت کے جذبات پیدا ہو چکے تھے۔ان کے نزدیک برنز ایک ذلیل اور ناشکر گزار انسان تھا۔وہ ایک غدار تھا جس نے افغانوں کے لیے مصائب کے دروازے کھول رکھے تھے۔وہ غدار کی موت کا مستحق تھا۔ایسا ہی ہوا۔دن کی روشنی میں وہ کابل میں قتل کر دیا گیا۔میک ناٹن افغانستان میں کلائیو کا کھیل نہیں کھیل سکتا تھا۔چونکہ انگریزوں کی سلامتی افغانستان کی خیر باد کہنے میں تھی اس لیے انہوں نے دوست محمد کی تخت نشین کرنے کا وعدہ کیا۔اس سلسلہ میں دوست محمد کے فرزند اکبر خان سے ایک معاہدہ کیا گیا۔لیکن اس معاہدہ کی خلاف ورزی میں انگریزوں نے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔میک ناٹن اپنے وحشیانہ اور غیر انسانی طرزِ عمل سے بہت بدنام ہو چکا تھا۔انگریزوں پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا تھا۔میک ناٹن کا طرزِ عمل اس کی موت کا سبب بنا۔جب میک ناٹن اور اکبر علی معاہدہ سے متعلق کفت وشنید کر رہے تھے تو میک ناٹن کی قتل کر دیا گیا۔''

سید دفدا حسین اپنی کتاب 'نیرنگِ افغانستان' میں لکھتا ہے:

''میک ناٹن نے اکبر خان کو اپنی دوستی کا یقین دلانے کے لیے ایک خط لکھا۔اس خط میں میک ناٹن نے اکبر خان کو بعض افغان غداروں سے خبردار رہنے کا مشورہ دیا۔لیکن ساتھ ہی میک ناٹن نے ان سرداروں کو اکبر خان سے خائف ہونے کے متعلق خط لکھے۔اکبر خان نے ایک جرگہ میں اپنے سرداروں کو بلا کر انہیں

میک ناٹن کا خط دکھایا۔اس پر سرداروں نے بھی وہ خطوط ظاہر کر دیے جو میک ناٹن نے انہیں لکھے تھے۔میک ناٹن جب اکبر خان سے ملنے گیا تو اس نے انگریزی سپاہیوں کو آس پاس کے مقامات پر چھپا دیا اور اشارہ کا منتظر رہنے کا حکم دیا۔اکبر خان نے میک ناٹن سے ان خطوط کا مقصد دریافت کیا۔میک ناٹن جواب میں اپنے ہونٹوں کو جنبش دینا چاہتا تھا کہ ایک افغان سپاہی نے اکبر خان کی برطانوی سپاہیوں کی نقل وحرکت سے آگاہ کر دیا۔اکبر خاں اور میک ناٹن آمدۂ پیکار تھے۔میک ناٹن نے اپنا پستول اکبر خان پر چلایا،مگر خود مارا گیا۔''

اس حربی تمثیل کے تین کردار۔۔۔شاہ شجاع ،برنز اور میک ناٹن۔۔۔سٹیج سے غائب ہو تے ہیں۔کوہسان کی وادیوں میں ایک نیا کھیل ہونے والا ہے۔ایک ایسا کھیل جس میں سولہ ہزار انسان شریک تھے۔اور جس کے سین بیان کرنے کے لیے صرف ایک زبان باقی رہی۔

متعدد آلام کا شکار ہونے کے بعد سولہ ہزار افراد کا قافلہ ٦ جنوری ١٨٤٢ء کابل سے جلال آباد روانہ ہوا۔پہاڑ برف کی سفید ٹوپیاں اوڑھے کھڑے تھے۔میدانوں پر برف کی سفید چادریں بچھی تھیں۔سرما کی تند و تیز ہوا چل رہی تھی۔سپاہی اپنی تلواروں کو بھولے ہوئے اور افسر اپنی وردیوں سے غافل جلال آباد کی طرف جا رہے تھے کہ اچانک کسی نے ایک برطانوی افسر کے کان میں کہا:''اکبر خان قسم کھا چکا ہے کہ وہ انگریزی فوج کا صرف ایک آدمی زندہ رہنے دے گا۔'' سپاہی جی چھوڑ چکے تھے۔افسر منہ موڑ چکے تھے۔موت سولہ ہزار انسانوں کو لقمہ بنانے کے لیے آگے بڑھ رہی تھی۔دریا کے کنارے اس قافلے کو رکنا پڑا۔برف اور بارش سے گھبرایا ہوا قافلہ دوپہر کے وقت دریا کے دوسرے کنارے پہنچا۔

لوٹ مار کے دلدادہ افغانی معسکر پر جمع ہو چکے تھے۔ہر وہ چیز جو ان کے سامنے آتی تھی اٹھالی جاتی تھی۔لوٹ مار سے زیادہ خون ریزی کو عزیز جاننے والے افغان اپنی بندوقوں کو تھامے ہوئے راستہ کی دونوں طرف موت کے فرشتوں کی صورت میں کھڑے تھے۔شدتِ سرما نے اہل کارواں کے کئی جانیں ضائع کر دیں۔تند و تیز سرمائی ہواؤں سے بچنے والے گولیوں کا شکار ہو جاتے تھے۔وہ موت کے منتظر

تھے۔انہیں اس امر کا خیال نہ تھا کہ تلوار ان کا گلا کاٹے یا شدتِ سرما ان کی حرکتِ قلب بند کر دے۔وہ وادیٔ موت میں آہستہ آہستہ بڑھ رہے تھے۔چھوٹے بچے موت کے سرد ہاتھوں میں فنا ہو رہے تھے۔پاس ہی ان کی مائیں زندگی کی آخری سانس توڑ رہی تھیں۔تاریکیٔ شب نے اہلِ کارواں کے مصائب کو بڑھا دیا۔بے سروسامان قافلہ کی مصیبتوں کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

موت! ہر سو موت!

وادیٔ موت کے سپاہیوں پر صبح نمودار ہوئی۔لیکن بے آواز، کوئی بگل تیاریٔ سفر کے لیے نہ بجایا گیا۔سردی، بھوک اور تھکاوٹ نے اس قافلے کو موت کے سپرد کر دیا۔اکبر خان نے اپنا قول پورا کر دکھایا۔سولہ ہزار انسانوں کی تباہی کی داستان بیان کرنے کے لیے ڈاکٹر برائڈن جلال آباد کے برطانوی قلعہ میں داخل ہو سکا۔اس کے تعارفی الفاظ نے اہلِ قلعہ کو کس قدر مایوس کیا ہوگا؟

جلال آباد میں بھی ہیجان ہیدا ہو گیا۔انگریزی فوجوں کا خوف اس قدر کم ہو چکا تھا کہ قلعہ کی دیوار سے سو گز کے فاصلہ پر افغان چرواہے اپنی بھیڑوں کو چراتے اور مزے سے گیت گاتے:

جنرل سیل کمک کی امید میں قلعہ میں ہی مقیم رہا۔

اسی اثناء میں آک لینڈ کی جگہ ایلن برا (۱۸۴۲ء تا ۱۸۴۴ء) گورنر جنرل مقرر ہو چکا تھا۔ایلن برا نے جنرل پالک کو گزشتہ ہزیمت کا انتقام لینے کے لیے کابل روانہ کیا۔اپریل ۱۸۴۲ء میں وہ علی مسجد کے قلعہ پر قابض ہو گیا۔انہی ایام میں شاہ شجاع بھی قتل ہو چکا تھا۔جنرل پالک، جنرل سیل اور جنرل ناٹ تینوں کابل روانہ ہوئے۔کابل کے بازار کو آگ لگا کر انگریزی فوجوں نے افغانستان کی خالی کر دیا۔

افغانستان کی پہلی جنگ نے انگریزوں کے حربی تدبر اور عسکری برتری کو بہت بری طرح مجروح کیا۔ہندوستانی اس شکست کو بڑے مزے سے بیان کرتی۔انگریزوں نے ہندوستانیوں کو مرعوب اور اپنے عزائم کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے امیرانِ سندھ کو تختۂ مشق بنایا۔

### سندھ پر قبضہ

برطانیہ اور سندھ کے تجارتی تعلقات کی ابتداء ۱۶۱۳ء سے ہوتی ہے۔انگریزوں کے اس تجارتی وفد کی ناکامی کے بعد ۱۸۰۹ء تک سندھ اور برطانیہ تقریباً دو سو سال تک ایک دوسرے سے دور رہے۔

سندھ اس سرزمین کا نام ہے جو پنجاب کے جنوب میں دریائے سندھ کے دونوں طرف ساحلِ

سمندر تک پھیلی ہوئی ہے۔ دریائے سندھ اپنے ہم نام صوبہ کی زرخیزی اور زندگی کا سب سے بڑا سبب ہے۔ اس دریا کے مشرق و مغرب میں ایک وسیع ریگستان ہے۔ تہذیب و تمدن کی تاریخ کے پیشِ نظر ہندوستان میں سندھ سے زیادہ قدیم آثار کا حامل اور کوئی صوبہ نہیں۔ سیاسی طور پر ایرانیوں، عربوں اور مغلوں کا صدیوں تک غلام رہا۔ اٹھارہویں صدی کے آخر میں سندھ بلوچی امیروں کے قبضہ میں تھا۔ خیر پور، میر پور اور حیدر آباد کے امیر عملاً تمام سندھ پر قابض تھے۔ خیر پور کا اثر و رسوخ دوسرے امیروں سے بہت زیادہ تھا۔

مدتوں سے انگریزی نگاہیں دریائے سندھ پر لگی ہوئی تھیں۔ چنانچہ ۱۸۰۹ء میں امیرانِ سندھ اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے درمیان ایک معاہدہ ہوا جس کی رو سے:

۱۔ سندھ اور برطانوی حکومت میں ابدی رفاقت قائم ہوگئی۔

۲۔ دونوں ملکوں کے درمیان کبھی جذبۂ عناد پیدا نہیں ہوگا۔

۳۔ دونوں حکومتوں میں سفارت بدستور جاری رہے گی۔

۴۔ حکومتِ سندھ 'فرانس کے قبیلہ' کو سندھ میں داخل نہیں ہونے دے گی۔

انگریزوں نے سندھ کے آبی سفر میں اس معاہدہ کی خلاف ورزی کی۔ یہ سفر امیرانِ سندھ کی مرضی کے بغیر اختیار کیا گیا تھا۔ اس دریائی سفر سے ایک حکایت وابستہ ہے۔

جب برنز اپنے دیارئی سفر میں مصروف تھا تو ایک سیدزادہ ساحلِ دریا پر وضو کر رہا تھا۔ سیدزادے نے جب آنکھ اٹھائی تو اسے برنز دکھائی دیا۔ 'سندھ کی آزادی ختم ہوگئی۔ انگریزوں نے دریائی راستہ معلوم کرلیا۔'' سیدزادہ چلایا۔

۱۸۳۱ء میں رنجیت سنگھ نے تقسیمِ سندھ کی ایک تجویز ولیم نبٹنگ کو پیش کی۔ ولیم نبٹنگ نے اس تجویز پر غور کرنا اپنی توہین خیال کیا۔ ۱۸۳۲ء میں کمپنی اور سندھ میں ایک نیا معاہدہ ہوا جس کی رو سے 'ہندوستان' کے تاجروں کو دریائے سندھ سے گزرنے کی اجازت مل گئی۔ اس معاہدہ کی رو سے کوئی جنگی جہاز یا سامانِ حرب دریائے سندھ کے راستہ سے نہیں گزر سکتا تھا۔ اسی معاہدہ کی رو سے امیرانِ سندھ یا کمپنی ایک دوسرے کے علاقہ کو للچائی ہوئی نظروں سے نہیں دیکھ سکتے تھے۔

۱۸۳۴ء میں رنجیت سنگھ کو از سرِ نو سندھ کی تسخیر کا خیال آیا۔ لیکن کمپنی کو امیرانِ سندھ کی پشت پر

دیکھتے ہوئے وہ اپنے ارادوں کی عملی شکل نہ دے سکا۔کمپنی نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ۱۸۳۸ء میں حیدرآباد میں ایک برطانوی ریزیڈنٹ مقرر کر دیا۔ برطانوی حکمتِ عملی نے ریزیڈنسی کے قیام پر اکتفاء نہ کیا بلکہ آک لینڈ نے سندھ پر قبضہ جمانے کی تگ و دو شروع کر دی۔افغانستان کی پہلی جنگ کے دوران میں برطانوی فوجیں معاہدہ کے خلاف سندھ میں سے گزریں۔ ہندوستان کی برطانوی حکومت نے خیال کیا ہوگا کہ طاقت ور فریق کی تنسیخ میثاق کا حق ہے۔شاہ شجاع رنجیت سنگھ اور کمپنی کے اتحادِ ثلاثہ میں امیرانِ سندھ کے حصول رضا کو بے معنی خیال کیا گیا۔اس اتحادِ ثلاثہ کے قیام نے سندھ کی سیاست ختم کر دی۔پنجاب اور افغانستان کی دوستی کے لیے سندھ کی قدیم رفاقت کو پسِ پشت ڈال دیا گیا۔انگریزوں نے امیرانِ سندھ کو بتا دیا کے طاقت وراور کمزور میں کبھی اتحاد نہیں ہوسکتا اور قوت اپنے زورِ بازو سے ناتوانی کے خلاف سیکڑوں الزام تراشتی ہے۔

''روایتی گرگ نے برہ کے خلاف الزام لگاتے وقت اتنی
ہشیاری کا ثبوت نہیں دیا تھا جتنا کے انگریزوں نے سندھ پر قبضہ
جماتے وقت۔''

جنگِ افغانستان کے دوران بڑی بے دردی سے امیرانِ سندھ سے روپیہ وصول کیا گیا۔قبل ازیں اودھ کے روپیہ سے نیپال کی جنگ لڑی گئی تھی۔فروری ۱۸۳۹ء میں جدید معاہدہ کی رو سے امیرانِ سندھ کو برطانوی امدادی فوج کے لیے تین لاکھ روپیہ سالانہ ادا کرنا قرار پایا۔نیز امیرانِ سندھ کی صاف انداز میں بتلا دیا گیا کہ ہندوستان کی برطانوی حکومت یا سرحد کے لیے ان کی آزادیاں سلب کی جاسکتی ہیں۔

جنگِ افغانستان کے دوران امیرانِ سندھ نے معاہدہ کی حرف بحرف پیروی کی۔ان کا طرزِ عمل انتہا درجہ دیانتدارانہ تھا۔کمپنی نے اپنی روایت کے مطابق امیرانِ سندھ پر سازش کا الزام لگایا۔اس موقع پر امین برانے کہا تھا کہ اسے یقین نہیں آ سکتا کہ امیرانِ سندھ کمپنی سے وہ دوستانہ تعلقات قائم رکھ سکتے ہیں۔

سندھ پر حملہ کے جواز کے اسباب:

ا۔امیرانِ سندھ کی دولت کی شہرت کمپنی کے برطانوی کانوں تک پہنچ چکی تھی۔طامع نصرانی چاہتے تھے کہ امیرانِ سندھ کی دولت پر قبضہ جمانے کے لیے سندھ کو فتح کر لیا جائے۔انگریزوں کی اس

حرص و آز پر قلم اٹھاتے ہوئے سر چارلس لکھتا ہے کہ 'صدیوں کی تعلیم و تربیت بھی انگریزوں کی رہزنانہ فطرت کو بدل نہیں سکی۔' ہندوستان میں جب کبھی کوئی انگریز کسی دولت مند ہندی یا کسی عالیشان عمارت کو دیکھتا تو بے ساختہ کہہ اٹھتا:

''کیسا اچھا شکار ہے، مارنے کے لیے
کیسا اچھا محل ہے، جلانے کے لیے''

۲۔شمال مغربی سرحد کا استحکام

۳۔فرانسیسی حملہ کا خطرہ

۴۔افغانستان کی جنگوں کا انتقام لینے کے لیے امیرانِ سندھ پر حملہ کیا گیا۔ برطانوی مصنوعات کے لیے ایک نئی منڈی کی تلاش اور برطانوی کارخانوں کے لیے ارزاں کپاس کی ضرورت نے سندھ کی آزادی کو چھین لیا۔

ستمبر ۱۸۴۴ء میں سر چارلس نیپئر کو سندھ کی تسخیر کے لیے بھیجا گیا۔ سر چارلس نیپئر ایک ضدی اور جنگ جو افسر تھا۔ اس نے امیرانِ سندھ کو مجبور کر دیا کہ وہ ایک ایسا معاہدہ قبول کر لیں جو کی رو سے:

۱۔ برطانوی امدادی فوجوں کے اخراجات کے لیے بجائے تین لاکھ روپیہ سالانہ کے امیرانِ سندھ کو اپنی مملکت کا ایک حصہ کمپنی کے حوالے کرنا پڑا۔

۲۔امیرانِ سندھ کو برطانوی جہازوں کے لیے ایندھن فراہم کرنا پڑا۔

۳۔امیرانِ سندھ کو اپنے نام کا سکہ بند کرنا پڑا۔

آخری شرط نے امیرانِ سندھ کو مشتعل کر دیا۔ سر چارلس نیپئر اعلانِ جنگ کے بغیر امام گڑھ کی طرف روانہ ہو گیا۔ امام گڑھ کے صحرائی قلعہ کو اس نے سطح زمین کے ساتھ ہموار کر دیا۔ برطانوی ریزیڈنٹ آؤٹ رم نے امیرانِ سندھ کو جدید معاہدہ قبول کرنے کے لیے کہا۔ امیرانِ سندھ نے معاہدہ قبول کرتے ہوئے اوٹ رم سے حیدر آباد خالی کرنے کو کہا کیونکہ وہ مشتعل رعایا کے افعال کے ذمہ دار نہیں ہونا چاہتے تھے۔ چنانچہ تین دن کے بعد مشتعل عوام نے ریزیڈنسی پر حملہ کر دیا۔ اوٹ رم بڑی مشکل سے جان بچا کر ایک برطانوی جہاز تک پہنچا۔ جنگ کا اعلان ہو چکا تھا۔ ۱۷ فروری ۱۸۴۱ء کو سر چارلس نیپئر نے میانی کے مقام پر سندھی فوجوں کی شکست دی۔ حیدر آباد پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ ایک ماہ بعد امیر خیر پور کو بھی

شکست کھانا پڑی۔

سندھ کی برطانوی حکمتِ عملی اخلاقی طور پر قابلِ نفرین تھی۔ایک آزاد ملک کو غلام بنانے کے لیے سازشوں کی فرضی داستان بنائی گئی۔محض ایک فوجی افسر کی چند خواہشات کی تکمیل نے لاکھوں انسانوں کو نانِ جویں سے محروم کر دیا۔حیدر آباد کے شاہی محلات کو جس بے جگری سے لوٹا گیا اس کی مثال چنگیزی کارناموں کی یاد تازہ کر دیتی ہے۔شاہی بیگمات کے جوہرات کا لوٹا جان ایک لازمی امر تھا۔لیکن محض کپڑوں کے لیے بیگمات کو برہنہ کر دینا انسانی ذلت کی انتہا تھی۔حیدر آباد کی لوٹ سے سر چارلس نیپئر کو نو لاکھ روپے ملے۔سر چارلس نیپئر نے امیرانِ سندھ پر محض اس لیے حملہ کیا کہ وہ کمزور تھے اور 'مرضِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات ہے'۔ سر چارلس نیپئر نے امیرانِ سندھ کی کمزوری سے اپنی قوت میں اضافہ کیا۔اگست ۱۸۴۳ء میں سندھ پر قبضہ کر لیا گیا۔امیرانِ سندھ جلاوطن ہو گئے۔

سر چارلس نیپئر سندھ کی تسخیر پر قلم اٹھاتے ہوئے لکھتا ہے:

''ہمیں کوئی حق حاصل نہیں کہ ہم سندھ پر قابض ہوں۔لیکن
اس کے باوجود ہم ایسا ہی کریں گے۔''

## پنجاب پر قبضہ

لاہور اور گوالیار کے اتحاد کو ناکام کرنے کے لیے سر ہیوگف نے گوالیار کی مرہٹہ فوجوں کو شکست دے کر رانی تارا بائی سے ایک موافقانہ معاہدہ تسلیم کر لیا۔ایلن برا، نظام دکن کی قوت کو ختم کرنے کی فکر میں تھا کہ اسے واپس بلا لیا گیا۔

۱۸۳۹ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے وفات پائی۔اس کی وفات پر پنجاب کی وہی حالت ہوئی جو اس کی پیدائش کے وقت تھی۔ملک میں بدامنی اور نراج کا دور دورہ ہو گیا۔انگریز ان حالات سے واقف ہو چکے تھے۔کیونکہ یہ بدامنی اور نراج ان ہی کی حکمتِ عملی کا نتیجہ تھے۔''ہندوستان کا برطانوی دوست'' اور مکتوباتِ ولنگٹن کے مطالعہ سے ان سازشوں کا اچھی طرح سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔۱۸۴۴ء میں پیل کی وزارت نے لارڈ ہارڈنگ کو ہندوستان کا گورنر جنرل بنا کر بھیجا۔ہارڈنگ چونکہ پنجاب پر قبضہ کرنا چاہتا تھا اس لیے اس نے لدھیانہ اور فیروز پور میں اپنی فوجی طاقت کو مضبوط کرنا شروع کر دیا۔دربارِ پنجاب میں سازشوں کا جال بچھایا جا چکا تھا۔خالصہ راج کا وزیرِ اعظم لال سنگھ اپنی ذمہ داریوں سے غافل تھا۔خالصہ

فوج کا کماندارِ اعلیٰ تیج سنگھ زر و دولت کے لیے اپنی تلوار کو نیام میں کرنے کے لیے ہر وقت تیار تھا۔ پہاڑی علاقوں کے راجپوت سردار خالصہ راج کو ختم کرنے میں کوشاں تھے۔ وزیرِ اعظم کی غفلت، کماندار کی زر پرستی اور پہاڑی راجپوتوں کی غداریاں خالصہ راج کے خاتمہ کا سبب ہیں۔

کمپنی نے معاہدہ کی خلاف ورزی میں کوئی کسر اٹھا رکھی۔ کمپنی کے طرزِ عمل نے خالصہ دربار کو مجبور کر دیا کہ اس کی فوجیں دریائے ستلج کو عبور کریں۔ کمپنی نے حاکم رائے اور اس کے سواروں سے بدسلوکی کی، لال سنگھ عدالتی کو ستلج پار جانے کی اجازت نہ دی گئی اور نہ ہی کمپنی نے سچیت سنگھ کا سونا خالصہ دربار کو واپس کیا۔ ان اسباب نے خالصہ فوج کو مجبور کر دیا کہ وہ ستلج کو عبور کرے۔ خالصہ دربار کمپنی کے اس طرزِ عمل پر حیران تھا۔ خالصہ دربار کی مدد سے کمپنی دو مرتبہ افغانستان پر حملہ کر چکی تھی۔ کمپنی اب اسی دربار کو تباہ و برباد کرنے پر آمادہ تھی جس کی مدد سے اس نے کلاہِ افتخار کو بلند کیا تھا۔

انگریز نہ صرف اعلیٰ پیمانے پر جنگی تیاریوں میں مصروف تھے بلکہ انہوں نے دربارِ لاہور میں شازشوں کا جال بھی بچھا رکھا تھا۔ اس جال میں پھنسنے والے راجہ گلاب سنگھ نے والیٔ کشمیر، راجہ لال سنگھ وزیر دربار اور کماندارِ اعلیٰ سر تیج سنگھ تھے۔

اکتوبر ۱۸۴۵ء میں گورنر جنرل کلکتہ سے سرحد کی طرف روانہ ہوا۔ گورنر جنرل کی روانگی کا مقصد جہلا کی دانست میں نہ آئے تو خیر لیکن واقعات اور حالات پر غور کرنے والا دماغ ٹھیک نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے۔

خالصہ فوج دریائے ستلج عبور کرنے پر مجبور ہو چکی تھی۔ چنانچہ خالصہ فوج نے ستلج عبور کیا۔ انگریز فوراً جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔ گورنر جنرل نے سکھوں کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ مدکی کے مقام پر فوجیں متصادم ہوئیں۔ انگریزی فوجوں کا افسرِ اعلیٰ سر ہیوگف اور خالصہ فوج کا کماندارِ اعلیٰ سردار لال سنگھ تھا۔ سکھ سپاہی جان توڑ کر لڑے۔ لیکن سردار لال سنگھ کے ہوتے ہوئے ان کا کامیاب ہونا ممکنات سے بعید تھا۔ اس جنگ میں انگریزوں کی بہت نقصان اٹھانا پڑا۔ سکھ سپاہی میدانِ جنگ میں شیروں کی طرح لڑ رہے تھے کہ بارود ختم ہو گیا۔ سکھ سپاہیوں کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب انہوں نے دیکھا کہ بارود کی جگہ انہیں سرسوں کی بیج روانہ کیے گئے ہیں۔ آتش گیر مادہ کا مقابلہ سرسوں کے بیج کیسے کر سکتے تھے؟ خالصہ فوج فیروز شاہ کی طرف روانہ ہوئی۔ اس لڑائی میں انگریزوں کو بہت زیادہ نقصان اٹھانا پڑا۔ دو دن تک خالصہ فوج نے انگریزوں کا جم کر مقابلہ کیا۔ انگریزوں کی شکست کے آثار دکھائی دینے لگے تھے۔ بعض انگریز

افسروں نے میدانِ جنگ چھوڑ کر بھاگ جانے کا فیصلہ کیا۔لیکن غداری نے یہاں بھی اپنا کام کیا۔لال سنگھ کا وجود خالصہ راج کے لیے زہر قاتل ثابت ہوا۔فیروز شاہ کی شکست کی خبر سارے ہندوستان میں آگ کی طرح پھیل گئی۔انگریزوں کو خطرہ ہوا کہ کہیں ستلج پار کی ریاستیں خالصہ فوج کی اعانت پر کمر بستہ نہ ہوں جائیں۔چنانچہ ریاست پٹیالہ سے ساز باز کی گئی۔انگریزی فوج کو خالصہ ریاست میں داخل ہونے کے علاوہ ابھی دوبارہ جنگ آزما ہونا تھا۔فیروز زشاہ سے ہٹ کر خالصہ فوج نے علی وال کی مقام پر مورچے لگا لیے۔لیکن سر ہیری سمتھ نے انہیں اس مقام پر شکست دے دی۔اب خالصہ فوج نے پیچھے ہٹ کر آخری بار سبراؤں کے مقام پر لڑنا چاہا۔اس میدان پر سردار شام سنگھ اٹاری والے نے جرأت اور شجاعت کے حیرت انگیز کارہائے نمایاں کئے۔سردار شام سنگھ اٹاری والا مہاراجہ کی وزارت کے بعد اٹاری میں گوشہ نشین ہو چکا تھا۔جب کمپنی کے ارادوں کا پتہ چلا تو وہ میدانِ جنگ کی طرف روانہ ہوا۔سبراؤں کی جنگ میں وہ نہایت جواں مردی سے لڑا۔جب تیج سنگھ میدانِ جنگ سے بھاگنے لگا تو اس نے سردار شام سنگھ کو بھی ہمراہ لینا چاہا۔لیکن جوان ہمت بوڑھے سپہ سالار کے مشورے پر عمل کرنے سے انکار کر دیا۔بوڑھا جانباز، جوان شیر کی طرح لڑ رہا تھا۔جنگ کے بعد اس کی نعش ابدی نیند سوئے ہوئے سپاہیوں کے انبار میں ملی۔

شام کے بعد تاریکیِ شب

گورنر جنرل ہارڈنگ ۱۸۴۶ء میں لاہور پہنچا۔پنجاب کی پہلی جنگ کا خاتمہ ایک جدید معاہدہ سے ہوا۔اس معاہدہ کی رو سے دلیپ سنگھ کو راجہ، رانی جنداں کو سرپرست اور لال سنگھ کو وزیر تسلیم کیا گیا۔لاہور میں انگریزی فوج رکھی گئی۔ستلج اور بیاس کے درمیانی حصہ پر انگریز قابض ہو گئے خالصہ فوج کی تعداد محدود کر دی گئی۔خالصہ دربار نے ڈیڑھ کروڑ روپیہ بطور تاوانِ جنگ ادا کرنے کا وعدہ کیا۔

پنجاب کی دوسری جنگ لارڈ ڈلہوزی کے عہدِ حکومت (۱۸۴۸ء تا ۱۸۵۶ء) میں ہوئی۔بعض سیاسی اور اقتصادی امور نے لارڈ ہارڈنگ کو الحاقِ پنجاب سے باز رکھا۔تاہم اس عہد میں خالصہ سلطنت کے ایک بہت بڑے حصے پر کمپنی کا قبضہ ہو گیا۔انگریزوں نے دلیپ سنگھ کو آزاد تاجدار ماننے سے انکار کر دیا۔وہ پنجاب پر قابض ہونا چاہتے تھے۔لیکن کچھ مدت بعد پنجاب کی حالت اس سمندر کی تھی جو سینہ میں طوفان چھپائے اپنی سطح کو پُرسکون ظاہر کرتا ہے۔

جدید معاہدہ کا مقصد پنجاب میں بے چینی پیدا کرنا اور پھر اس بے چینی سے فائدہ اٹھانا تھا۔ حوادث ملتان نے اس بے چینی کو تحریکِ انتقام میں تبدیل کر دیا۔ ہمارے زمانے میں ملتان گرد، گرما، گدا اور گورستان کے لیے مشہور ہے۔ لیکن ابنِ آدم کی تہذیبی داستان میں ملتان کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ قدامت کے لحاظ سے یہ صحرائی بستی دمشق کا جواب ہے۔ صدیوں سے اس شہر پر ایرانی تاجداروں کی حکومت رہی۔ یونانی فاتح اسکندر کو زخمی کرنے والا بھی ایک ملتانی تھا۔ ملتان دینی اور سیاسی تحریکوں کا صدیوں تک مرکز رہا۔ ۱۸۱۸ء میں رنجیت سنگھ نے اسے فتح کر کے دیوان مل کو اس کا حاکمِ اعلیٰ مقرر کیا۔ دیوان کی وفات پر اس کا بیٹا مولراج ملتان کا صوبہ دار مقرر ہوا۔ دیوان مول راج کی حیثیت ایک نیم آزاد تاجدار سے زیادہ نہ تھی۔ دیوان مول راج کی تقرری کے موقع لال سنگھ نے اسے اٹھارہ لاکھ روپیہ نقد بطور نذرانہ پیش کرنے کا حکم دیا۔ مول راج نے لاہور دربار کی بدنظمی کے پیشِ نظر رقم بھیجنے سے انکار کر دیا۔ پنجاب کی پہلی جنگ کے اختتام پر لال سنگھ نے اپنے مطالبے کی تکمیل کے لیے اپنے بھائی بھگوان سنگھ کو ملتان پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا۔ لیکن مول راج کی حکومت نے اسے شکست دے دی۔ لاہور کے انگریز ریزیڈنٹ نے مول راج کی مصیبتوں میں اضافہ کر دیا۔ ریزیڈنٹ نے ملتان میں اٹھارہ انگریزی افسروں کو مقرر کیے جانے کی تجویز پیش کی۔ جسے مول راج نے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ ان حالات کے پیشِ نظر مول راج اپنے فرائض کی بطریقِ احسن سرانجام نہیں دے سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے استعفیٰ داخل کر دیا۔ لاہور دربار نے مول راج کو اس عہدے سے سبک دوش کرتے ہوئے کاہن سنگھ مان کو اس عہدے کا چارج لینے کے لیے ملتان روانہ کیا۔ اس کے ہمراہ دو انگریز افسر تھے۔ حقیقت میں یہی دو افسر ملتان کے حکمران تھے۔ دیوان مول راج سے چارج لینے کے بعد جب یہ دونوں انگریز افسر کاہن سنگھ اور اس کے محافظ دستے کے ساتھ قلعے سے باہر آ رہے تھے تو ملتانیوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ عیدگاہ میں تصادم ہوا۔ دونوں انگریز افسر قتل کر دیے گئے۔ کاہن سنگھ بھی بُری طرح زخمی ہوا۔ لاہور کے انگریز زیزیڈنٹ کو اس کشمکش میں رانی جندان کا ہاتھ دکھائی دیا۔ مائی جنداں پر بے پناہ مظالم توڑے گئے۔ ان مظالم نے فرزندانِ خالصہ کے دلوں میں آگ لگا دی۔ اس واقعہ پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے شیر سنگھ کہتا ہے۔

''اہلِ پنجاب ان مظالم سے اچھی طرح آگاہ ہیں۔ جو فرنگیوں
نے مرحوم راجہ رنجیت سنگھ کی بیوہ پر توڑے۔ ان مظالم سے نہ

صرف سکھ آشنا ہیں بلکہ تمام دنیا ان سے باخبر ہے۔انگریزوں نے
رانی کو جلاوطن کر کے معاہدہ کی خلاف ورزی کی ہے۔''

امیر دوست محمد خاں اس واقعہ کے متعلق کپتان ایبٹ کو لکھتا ہے:

''اس میں کوئی شک نہیں کہ سکھ روز بروز غیر مطمئن ہو رہے
ہیں۔ان میں سے بعض ملازمت سے علاحدہ ہو چکے ہیں اور بعض
جلاوطن کر کے ہندوستان بھیج دیے گئے ہیں۔خاص طور پر مہاراجہ
دلیپ سنگھ کی والدہ جسے قید کیا گیا، جس کے ساتھ بُرا برتاؤ کیا
گیا۔اس قسم کی بدسلوکی تمام مذاہب میں قابلِ اعتراض ہے۔ہر
مہتر و کہتر موت کی ترجیح دے رہا ہے۔''

انگریز ریزیڈنٹ کا فرض تھا کہ وہ دربارِ لاہور کی حفاظت کے لیے اپنی فوج کو حرکت میں لاتا۔لیکن اس نے دانستہ طور پر ایسا نہ کیا۔ریزیڈنٹ نے خالصہ دربار کی حکم دیا کہ وہ ملتان پر حملہ کرے۔حکم عدولی کی صورت میں الحاق کی دھمکی دی گئی۔راجہ شیر سنگھ ملتان روانہ ہوا۔وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔اس کی بیشتر سپاہی دیوان کی فوج میں شامل ہو گئے۔شیر سنگھ نے بھی دیوان مول راج سے اتحاد کرنا چاہا۔لیکن دیوان نے اس اتحاد کی ایک جنگی چال خیال کرتے ہوئے شیر دسنگھ سے متحد ہونے سے انکار کر دیا۔اسی اثناء میں شیر سنگھ کے والد سردار چتر سنگھ، حاکم ہزارہ نے اطلاع دی کہ دربارِ لاہور نے اسے معزول کر دیا ہے۔چنانچہ شیر سنگھ اپنے باپ کی حمایت کے لیے ہزارہ کی طرف روانہ ہوا۔ملتان کا محاصرہ اٹھا لیا گیا۔انگریز فوج نے بعد میں ملتان کا بھی محاصرہ کر لیا۔ایک طویل مدافعت کے بعد دیوان نے اپنے تئیں انگریزوں کے حوالے کر دیا۔دیوان مول راج کی جلا وطن کر دیا گیا۔

شیر سنگھ کی ملتان سے روانگی پنجاب کی دوسری جنگ کا پیش خیمہ بنی۔شیر سنگھ کی روانگی کو اس کا سبب قرار نہیں دیا جا سکتا۔اس جنگ کا سب سے بڑا سبب رانی جنداں کی جلاوطنی تھا۔

ہزارہ کے حاکم سردار چتر سنگھ کو اس کے ماتحت انگریز افسروں نے بہت تنگ کر رکھا تھا۔اس بے عزتی کے پیش نظر اس نے انگریزوں کو پنجاب سے نکالنے کا عزم کیا۔کپتان ایبٹ کی بدعنوانیوں سے سردار چتر سنگھ نے اپنے امریکی کماندار کرنل کنوار کو حکم دیا کہ وہ باغیوں پر گولے برستائے۔کرنل نے سردار

کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ اس کرنل کو دو پیادہ سپاہیوں نے اپنی گولیوں کا نشانہ بنا دیا۔

اسی اثناء میں شیر سنگھ ملتان سے روانہ ہو چکا تھا۔ سکھ سپاہی اس کے جھنڈے تلے جمع ہو رہے تھے۔ لارڈ گف لشکرِ جرار کے ساتھ شیر سنگھ کے مقابلہ کے لیے آگے بڑھا۔ جنوری ۱۸۴۹ء میں جلیا نوالہ کے مقام پر دونوں فوجیں متصادم ہوئیں۔ سکھ سپاہی اس جنگ میں بہادری سے لڑے۔ سکھ سپاہیوں نے انگریزی پھریروں کو سرنگوں کر دیا۔ انہوں نے بعض انگریزی توپوں پر قبضہ کر لیا۔ اس خون ریز جنگ میں انگریزوں کی شکست ہوئی۔ اس فتح کے بعد شیر سنگھ نے رسول کے مقام پر ڈیرے ڈال لیے۔ لیکن بہت جلد شیر سنگھ کو لاہور جانا پڑا۔ اس کی لاہور سے روانگی سب سے بڑی جنگی غلطی تھی۔ رسول کے مقام پر وہ انگریزوں کی بڑی سے بڑی فوج کی شکست دے سکتا تھا۔ شیر سنگھ کی فوجوں کو گجرات کے قریب روک لیا گیا۔ جنگِ گجرات میں شیر سنگھ کی شکست کے بعد پنجاب کی کمپنی کی سلطنت میں شامل کر لیا گیا۔

پنجاب کی پہلی جنگ لارڈ ہارڈنگ اور دوسری جنگ لارڈ ڈلہوزی کے عہدِ حکومت میں لڑی گئی۔

# الحاق

لارڈ ڈلہوزی نے جنگ اور فتوحات کے ذریعے پنجاب اور برما کو کمپنی کی مملکت میں شامل کر لیا۔ پنجاب کی دوسری جنگ کے بعد کمپنی پنجاب پر بھی قابض ہوگئی۔ تین سال تک پنجاب کی عنانِ حکومت ایک کونسل کے ہاتھ رہی۔ ۱۸۵۳ء میں کونسل توڑ کر پنجاب کو ایک علیٰحدہ صوبہ بنا دیا گیا۔ اس صوبے کا پہلا چیف کمشنر سر جان لارنس تھا۔

برما کی دوسری جنگ پر بحث کرتے ہوئے برطانوی مؤرخوں نے بہت تعصب سے کام لیا ہے۔ رنگون کے برمی حاکم کو برطانوی تجارت کا دشمن ظاہر کرنے میں انہوں نے واقعات کو اس انداز میں پیش کیا کہ پڑھنے والا کمپنی کو حق بجانب قرار دینے میں مجبور ہو جاتا ہے۔ فتوحات کے ذریعے لارڈ ڈلہوزی نے پنجاب اور برما کو کمپنی کی مملکت میں شامل کیا۔ لیکن ڈپلومیسی کو کام میں لا کر اس نے ستارہ، ناگپور، جھانسی، برار، سنبل پور، اودے پور اور اودھ پر قبضہ کیا۔

جن شہزادوں کی مدد سے کمپنی ہندوستان میں ایک وسیع سلطنت قائم کرنے کے قابل ہوئی ان کے لاولد مرنے پر ان کی ریاستوں پر قبضہ جمانے کا نام 'مسئلہ الحاق' ہے۔

کمپنی پرتاب سنگھ کو ستارا کا حکمران تسلیم کر چکی تھی۔ اس کے سنِ بلوغت تک کپتان گرانٹ ڈف ریاست کا ناظم مقرر ہوا۔ شہزادہ جوان ہوا۔ بلوغت کے ساتھ ذہانت بھی آئی۔ کپتان دیسی شہزادوں کی ذہانت کو کمپنی کے لیے آفت خیال کرتا تھا۔ پرتاب سنگھ کو جلاوطن کر کے بنارس بھیج دیا۔ ستارا کا نیا حکمران اس کا بھائی مقرر ہوا۔ دونوں بھائی ۱۸۴۸ء میں لاولد مر گئے۔ ان کے متبنوں کو وراثت کا حق دار تسلیم کرتے ہوئے ڈلہوزی ستارہ پر قابض ہوگیا۔

ناگپور کے راجہ گھوجی بھونسلہ ثالث نے ۱۱ دسمبر ۱۸۵۳ء کو وفات پائی۔ چونکہ وہ لاولد تھا اس لیے اس کی دادی نے اس کے بھائی کے بیٹے کو ریاست کا وارث تسلیم کر لیا۔ مرحوم کی رانیوں نے بھی اسے راجہ تسلیم کر لیا۔ لیکن ڈلہوزی نے یشونت راؤ کو ناگپور کا راجہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ لاولدیت کا بہانہ پیش کرتے ہوئے ڈلہوزی ناگپور پر قابض ہوگیا۔ ناگپور کے الحاق کے ساتھ متوفی راجہ کی رانیوں کے ساتھ

بُرا سلوک کیا گیا۔ان کے جواہرات اور سامانِ عیش کی نیلام کر دیا گیا۔

ناگپور کے الحاق کا سبب کمپنی کا اپنا پیدا کردہ تھا۔

جھانسی کے آخری راجہ نے ۲۱ نومبر ۱۸۵۳ء کی وفات پائی۔ڈلہوزی نے متوفی راجہ کے متبنہ وارث کی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔رانی کو پنشن دے کر ریاست کا الحاق کر دیا گیا۔جھانسی کے الحاق نے ۱۸۵۷ء میں رانی کو انگریزوں کے خلاف صف آراء ہونے پر مجبور کر دیا۔

لارڈ ڈلہوزی کے عہدِ حکومت میں ہندوستانی راجوں کی لاولد موت بہت بڑا معمہ ہے۔

ڈلہوزی نے اپنی نگاہِ حرص مملکتِ آصفیہ پر جمائی۔ڈلہوزی نے نظام کو توہین آمیز خط لکھا۔ڈلہوزی نے امدادی فوج کے اخراجات کے لیے نظام سے برار کا علاقہ چھین لیا۔وہ مملکتِ آصفیہ پر قابض ہو جاتا اگر سالار جنگ اس کے عزائم کو شکست نہ دیتا۔پچاس سال بعد لارڈ کرزن نے برار پر مکمل قبضہ کر لیا۔برار آج تک انگریزوں کے قبضہ میں ہے۔اگر چہ حال ہی میں سلطنتِ آصفیہ کے جانشین کو شہزادہ برار اور اعلیٰ حضرت کو نظام حیدرآباد و برار کے خطابات مل چکے ہیں۔

اودھ کا الحاق سیاسی اور اخلاقی طور پر ایک بہت بڑا گناہ تھا۔مؤرخوں نے اس الحاق کو ۱۸۵۷ء کے حادثہ کا سب سے بڑا سبب قرار دیا ہے۔اوودھ کا آزادانہ وجود مغلیہ سلطنت کے انحطاط سے شروع ہوتا ہے۔وہ اگر چہ آزاد تھے مگر انہیں مغل شہنشاہ کا وزیر تصور کیا جاتا تھا۔آہستہ آہستہ نواب وزیر مغلیہ دربار کے تاثرات سے آزاد ہوتے گئے۔یہاں تک کہ کمپنی نے انہیں دہلی کے حلقۂ اثر سے آزاد ہونے میں مدد دی۔مارکوئیس آف ہیسٹنگز نے اودھ کے نواب وزیر کو شاہ کا خطاب دیا۔وزارت سے شاہیت زیادہ غلامانہ ثابت ہوئی۔شاہانِ اودھ کمپنی کے زیرِ اثر آتے گئے۔کمپنی نے حسب منشا شاہانِ اودھ کی طاقت کم کرنے کی حکمتِ عملی اختیار۔۱۸۰۱ء کے معاہدے نے کمپنی کو اودھ کا محافظ بنا دیا۔اوودھ کی تمام مصیبتوں کا سبب یہی معاہدہ تھا۔کمپنی کی پنجاہ سالہ سرپرستی حالاتِ اودھ کی بہتر نہ بنا سکی۔لارڈ ڈلہوزی کے زمانے میں اودھ کے حالات بہت نازک ہو چکے تھے۔ڈلہوزی معاملاتِ اودھ میں مداخلت چاہتا تھا۔ڈلہوزی کی مداخلت کا مقصد اودھ کا خاتمہ تھا۔مدتوں سے انگریز اودھ پر آنکھ لگائے ہوئے تھے۔

اودھ کی برطانوی آبادی بھی ڈلہوزی کے الحاق کا مشورہ دے رہی تھی۔دربار ناصر الدین کے ایک درباری مصور نے شاہانِ اودھ کو بدنام کرنے کے لیے 'مشرقی بادشاہ کی خانگی زندگی' لکھی۔اس کتاب پر

تبصرہ کرتے ہوئے 'کلکتہ ریویو' کے ایک مدیر نے ایک مقالہ بعنوان 'کیا فتوحات کا زمانہ ختم ہو چکا ہے' لکھا۔اس مقالہ میں الحاقِ اودھ کا مشورہ دیا گیا۔

الحاقِ اودھ کے بعد ڈلہوزی ۱۸۵۶ء میں انگلستان چلا گیا۔

۱۸۵۳ء میں کمپنی کو جدید تجارتی فرمان ملا۔ پارلیمنٹ نے تجدیدِ فرمان کی میعاد مقرر نہ کی۔ بلکہ حقِ تجدید کو اپنے لیے مخصوص رکھا۔ جدید فرمان کی رو سے کمپنی کو سول سروس کے حقِ انتخاب سے مرحوم کر دیا گیا۔ گورنر جنرل کو بنگال کی حکومت سے علٰیحدہ کر دیا گیا۔ گورنر جنرل کی مجلسِ انتظامیہ کے علاوہ ایک مجلس قانون ساز قائم کی گئی۔

# یورپ کی صدی

مصر، ایران، روم اور عرب کے تمدنوں کے عروج کی طرح ہم یورپ کے تمدن کے لیے بھی ایک زمانہ مخصوص کر سکتے ہیں۔ اس خصوصیت کے پیشِ نظر ہم انیسویں صدی کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ یہ صدی نتیجہ تھی اپنے ماضی کا اور سبب بنے گی آنے والے حوادث کا۔ اس صدی میں مشینوں نے حیرت انگیز ترقی کی۔ ریل اور بجلی نے دنیا کی وسعتوں کے زمانی تصور کو بدل دیا۔ مہینوں کا سفر دنوں میں ہونے لگا۔

اس صدی میں امریکہ کے ماسوا باقی دنیا پر سیاسی اور تمدنی طور پر یورپ کا قبضہ تھا۔ ایشیا کی بڑی بڑی سلطنتیں مٹ چکی تھیں۔ بڑی بڑی قوتیں زوال پذیر تھیں۔ مشرق میں صرف جاپان قوت حاصل کر رہا تھا۔ یورپ سارے ایشیا پر غالب آ چکا تھا۔ شمالی ایشیا سلطنتِ روس میں شامل ہو چکا تھا۔ جنوبی ایشیا کے سب سے بڑے ملک ہندوستان پر انگریزوں کا پوری طرح تسلط ہو چکا تھا۔ عثمانیوں کے وسیع اور عریض سلطنت مٹ رہی تھی۔ ترکی کو یورپ نے 'مردِ بیمار' کا نام دے رکھا تھا۔ ایران کو روس اور برطانیہ نے اپنے

اپنے مفادات کے لیے تقسیم کر رکھا تھا۔ افغانستان اگرچہ آزاد تھا تاہم وہ برطانیہ کے ماتحت تھا۔ مشرقِ بعید کے ہر ملک پر یورپ کو اقتدار حاصل تھا۔ چین یورپ کو تجارتی مراعات دینے کے تنازعوں میں پھنسا ہوتھا۔ سارے ایشیا ملکوں میں تنہا جاپان اپنی ملکی آزادی کی برقرار رکھتے ہوئے ترقی کی طرف قدم اٹھا رہا تھا۔ افریقہ میں صرف ایک مصر ہی قابلِ ذکر ملک تھا۔ لیکن اسے بھی آزادی نصیب نہیں تھی۔ ہندوستان پر قبضہ رکھنے کے لیے ضروری تھا کہ برطانیہ مصر پر بھی قبضہ کر لے۔ یورپی قوموں سے پہلے دنیا کی بڑی بڑی قوموں کی بڑی بڑی سلطنتیں قائم ہوئیں۔ لیکن انیسویں صدی کی شہنشاہیت ان قوموں کی شہنشاہیت سے بالکل مختلف تھی۔ یورپ اپنی صنعتی پیداوار کی کھپت کے لیے منڈیاں اور ان منڈیوں سے خام پیداوار حاصل کرنا چاہتا تھا۔ صنعتی اور مشینی انقلاب نے یورپ میں سرمایہ دارانہ تہذیب پیدا کی۔

اس صدی میں سٹیم انجن ایجاد ہوا۔ ۱۸۲۵ء میں یورپ میں پہلی مرتبہ ریل گاڑی چلائی گئی۔ پچاس سال بعد یورپ کے سارے ملکوں میں ریلوے لائنوں کا جال بچھ گیا۔ سمندری جہاز بھی بھاپ سے چلائے جانے لگے۔ ۱۸۳۵ء میں ٹیلی گراف کام میں لایا گیا۔ ۱۸۵۱ء میں فرانس اور انگلستان کے درمیان پہلا تحت البحر تار بچھایا گیا۔ ۱۸۶۴ء میں ایک ایسی بھٹی ایجاد ہوئی جس نے لوہے کو پانی کی طرح مائع میں بدل دیا۔ زراعت اور زرعی کیمسٹری نے بھی اپنے شعبدوں سے حیران کیا۔ علمِ ادویہ نے بھی اپنا کمال دکھایا۔

انیسویں صدی کی ان ایجادوں اور معاشی سامراج نے سماج کے پرانے نظام کی یکسر بدل دیا۔ مزدوروں نے ایک طبقہ کی حیثیت اختیار کر لی۔ اس طبقے کے نئے نئے مسائل پیدا ہونے لگے۔ ان مسائل پر غور کیا جانے لگا۔ انیسویں صدی کے دوسرے نصف میں جرمنی نے سائنس میں بہت زیادہ ترقی کی۔ سائنس کے علاوہ دوسرے علوم کے انتہائی مطالعہ کے لیے جرمن زبان کا جانا انتہائی ضروری ہو گیا۔ کیمسٹری میں جرمنی دوسرے ملکوں سے آگے نکل گیا۔ تعلیمی اداروں میں بھی جرمنی نے نیا انداز اختیار کیا۔ فرانس اور برطانیہ کی مفکروں کی طرح جرمنی کے مفکروں نے بھی سماج کی معاشی تشکیل پر غور کیا۔ ان میں سے ایک کارل مارکس ہے جس کے اصول مارکسیت کہلاتے ہیں۔ اس صدی میں معاشی مسائل کے علاوہ انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر نئے نئے زاویوں سے غور کیا گیا۔

گوئٹے، شلر اور ہائینے نے جرمن زبان میں یونان کے کلاسیکی ادب کی زندہ کیا۔ ہیگل نے

جدلیات کا فلسفہ پیش کیا۔ کارل مارکس نے اسی جدلیات پر اپنے عمرانی اصول کے عمارت کھڑی کیا۔ روس کے ایک شاعر پشکن نے بھی اسی صدی میں روسیوں کو اپنا پیغام سنایا۔ فرانس میں وکٹر ہیوگو اور بالزاک نے ناول لکھے۔ ان کے ناولوں کا موضوع فرانس کی زندگی تھا۔ اس صدی کے آغاز میں کیٹس، شیلے اور بائرن نے انگلستان کے ادب میں اضافہ کیا۔ اس صدی کے نصف نے ڈارون نے 'اصل انواع' سے ہنگامہ بپا کر دیا۔ ہندوستان میں فارسی کی جگہ انگریزی نے لے لی۔ اردو نے بہت زیادہ ترقی کی۔ اردو کالج دہلی میں تمام علوم وفنون کی اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ اردو زبان تھی۔ ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان میں مغربی طرز کی یونیورسٹیاں قائم ہوئیں۔ اس صدی کے آخری سالوں میں ہندوستان نے اپنے سیاسی مسائل پر غور کرنا شروع کیا۔ اردو کے علاوہ دوسری صوبہ جاتی زبانوں نے بھی ترقی کی۔

انیسویں صدی میں مشینوں کی ایجاد اور مصنوعات کی کثرتِ پیداوار نے یورپ کے صنعتی ملکوں میں مزدوروں کا ایک نیا طبقہ پیدا کر دیا۔ یہ طبقہ کسانوں سے مختلف تھا۔ کسان اپنی خوشحالی یا بربادی کو مافوق البشری عناصر سے وابستہ کرتا تھا۔ لیکن مزدوروں کے سامنے ایسے عناصر موجود تھے جو ان کے افلاس کا سبب بن رہے تھے۔ مافوق البشری عناصر کسانوں کی پہنچ سے باہر تھے۔ لیکن مزدور انسانی عناصر کو دیکھ رہے تھے جو ان کی تباہی کے اسباب بن رہے تھے۔ چنانچہ مزدوروں کی تنظیم شروع ہوئی۔ ابتداء میں انگلستان کے مزدوروں نے مشینوں کی اپنا دشمن خیال کرتے ہوئے انہیں توڑنے پھوڑنے کی تحریک چلائی۔ انیسویں صدی کے نصف میں کارل مارکس نے سرمایہ اور محنت کے مسائل کو علمی صورت میں پیش کیا۔

## کارل مارکس

مارکس نے اپنا پیغام ایک ادیب یا شاعر کی حیثیت سے نہیں دیا۔ اس نے جذبات اور احساسات کی رو میں بہ کر انقلابی شاعروں اور باغی ادیبوں کی طرح 'انقلاب وانقلاب' کے راگ نہیں الاپے۔ بلکہ اس نے پرولتاریہ کے سامنے ایک واضح اور صاف پروگرام پیش کیا۔ مارکس نے سرمایہ دارانہ نظام کی ناپائدار بتاتے ہوئے اس کا انجام پرولتاری آمریت بتایا۔

مارکس کے ذہن میں جرمنی کے کلاسیکی فلسفہ برطانیہ کی کلاسیکی معاشیات اور فرانس کی انقلابی اور اشتراکی تعلیمات کا اثر تھا۔ روسو کی طرح مارکس نے بھی اپنی موت کے بعد ایک انقلاب کی رہنمائی

کی۔مجلسی افکار کی تاریخ میں مارکس کی اہمیت کی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔مجلسی افکار میں جن رجحانات کی مارکس نمائندگی کرتا ہے سڑاس اور فیور باخ، برونو بار اور ہائنے بھی ان کے ترجمان ہیں۔وہ رجعت پسندی کے خلاف بغاوت کرنے والوں کے رہنما ہیں۔وہ مارکس سے صرف اسی قدر مختلف ہیں کہ وہ جن سیاسی پیچیدگیوں کی سمجھ نہ سکے مارکس نے ابتداء میں ہی انہیں سمجھ لیا تھا۔چنانچہ ہیگل کی جدلیات مارکس کے ہاتھ میں مروجہ مجلسی نظام کو درہم برہم کرنے کا ایک آلہ بن گئی۔'

مارکس ایک مفکر ہے جس نے تاجرانہ تہذیب کی اخلاقی خامیوں اور کوتاہیوں کی طشت از بام کیا۔اس نے ثابت کیا کہ جس سماج کی بنیاد منفعت پر ہو اس میں انسانی صفات اپنی پوری قوت سے نمایاں نہیں ہوسکتیں۔مارکس نے قوموں کی تجارت کو ان کی فلاح و بہبود کا معیار مقرر نہیں کیا۔اس نے مجلسی مباحث میں لوگوں کی معاشی حالت کی سب سے آگے پیش کیا۔دنیا میں ہر ملک میں جہاں مجلسی فلاح کا کام شروع ہوگا وہاں مارکس کا نام ہمت افزائی کے لیے کافی ہے۔مارکس نے اس امر کا اعلان کر دیا کیا کہ ایسا کوئی سماجی نظام مفید نہیں ہوسکتا جس میں انسانوں کی اجتماعی قوتیں مشترکہ مفاد کے لیے صرف نہیں ہوتیں۔

مارکس کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کے عوام کو اس بوجھ سے نجات دلائی جائے جس کے نیچے وہ دبے ہوئے ہیں۔اس کے نزدیک یہ اسباب اتفاقی یا سطحی نہیں تھے۔

ہم مارکس کے فلسفۂ تمدن کا سپنگلر کے تمدنی تصورات سے مقابلہ کر سکتے ہیں۔اسپنگلر اور مارکس دونوں ہیگل کے شاگرد ہیں۔اول الذکر کا ہیگل کے شاگردانِ دستِ راست سے تعلق ہے۔اور آخر الذکر ہیگل کے تلامذۂ دستِ چپ سے منسوب ہے۔اسپنگلر کے نزدیک 'ہر تمدن ادرادوں، عادات، تصورات اور اساطیر کا ترکیبی نظام ہوتا ہے۔ہر تمدن دوسرے تمدن سے اسی قدر مختلف ہوتا ہے جتنا فرد دوسرے فرد سے۔اگرچہ ہر تمدن کا اپنا دورِ حیات ہوتا ہے لیکن تمام تمدنوں کے دورِ حیات کا فارمولہ یکساں ہے۔یہ ایک تحریک ہے، تمدن سے تہذیب کی جانب۔جب ایک تمدن پرانا ہو جاتا ہے تو احساسات کی جگہ خیالات لے لیتے ہیں۔ہر تمدن دوسرے تمدنوں سے آزاد ہو کر اپنا سفر طے کرتا ہے۔

مارکس کا فلسفۂ تمدن اس سے بالکل مختلف ہے۔اس کے نزدیک تمدن کے سارے اجزا ایک دوسرے سے تعلق رکھتے ہیں۔اس کے نزدیک تمدن کا ایک جزکل کو ظاہر نہیں کر سکتا۔وہ تمدنی تبدیلیوں کو

مابعدالطبعیاتی اسباب سے منسوب نہیں کرتا بلکہ مجلسی دائرہ کی مختلف حرکات سے منسوب کرتا ہے۔

مارکس کے نزدیک ''مروجہ سماجی نظام کی خامیوں کی تمام تر ذمہ داری اس ذاتی ملکیت پر ہے جو نفع اندوزی کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔اس نوعیت کی ذاتی ملکیت سے سماج دو حصوں میں بٹ جاتا ہے، ایک ذاتی ملکیت رکھنے والے اور دوسرے اس سے محروم۔ذاتی ملکیت رکھنے والی جماعت اپنے مفاد کے لیے تہذیب کو تراشتی ہے۔حکومت پر قابض ہوتی ہے۔قانون بناتی ہے۔ایسے مجلسی ادارے قائم کرتی ہے جو اس کی خواہش کے مطابق ہوتے ہیں۔غلام اور آزاد، بندہ اور آقا انسانی تاریخ کے نتائج ہیں۔سرمایہ داری کی آمد سے یہ کشمکش بہت شدید اور سمجھنے میں آسان ہوگئی۔اس وقت سے طبقاتی کشمکش نے آخری صورت اختیار کر رکھی ہے۔ہر پیش رو مجلسی نظام اپنے اندر وارث نظام کے جراثیم لیے ہوتا ہے۔''

''سرمایہ داری اپنے گورکنوں کو پیدا کر رہی ہے۔'' مارکس نے کہا۔

مارکس کے نزدیک ذاتی ملکیت سے انسانی تاریخ میں کشمکش کا آغاز ہوا۔طبقاتی کشمکش سے اس کی مراد یہ ہے کہ 'ایک مخصوص سماج میں چند افراد کی مساعی دوسرے افراد کی مساعی سے متصادم ہوتی ہے۔اور یہ کہ مجلسی زندگی تضادات سے بھری ہوتی ہے۔'' اس نے تاریخ سے مختلف قوموں اور سماجوں کی باہمی کشمکش کا پتہ چلایا۔جس سے مختلف زمانوں میں مختلف قسم کے تغیرات رونما ہوتے رہے۔

> ''آغاز سے تاحال موجودہ سماج کی تاریخ طبقاتی کشمکش کی تاریخ ہے۔بندہ آقا، غریب اور امیر، عوامیہ اور اشرافیہ، ظالم اور مظلوم ہمیشہ سے ایک دوسرے کے خلاف چلے آتے ہیں۔یہ باہمی کشمکش جاری و ساری ہے۔کبھی پنہاں اور کبھی ظاہر۔اس کشمکش کا نتیجہ ہر سماج کی جدید انقلابی تشکیل یا دونوں متصادم جماعتوں کی مشترکہ تباہی رہا ہے۔تاریخ کے ابتدائی ادوار میں ہم ہر مقام پر سماج کو الجھنوں میں پھنسا ہوا پاتے ہیں۔جس میں مجلسی مراتب کے پیشِ نظر بہت سے طبقات ہیں۔قدیم روم میں ہم اشرافیہ، عوامیہ اور غلام پاتے ہیں۔ازمنۂ وسطیٰ میں جاگیردار، لردان، پٹیل، کسان اور غلام نظر آتے ہیں۔یہ تمام جماعتیں بھی مختلف درجوں میں

منقسم ہوتی ہیں۔''

ہمارا بوژوا عہد اس امتیازی خصوصیت کو برقرار رکھے ہوئے ہے۔اس عہد نے طبقاتی کشمکش کو بہت واضح کر دیا ہے۔سماج بتدریج دو مخالف جماعتوں میں بٹ رہا ہے۔ان دو جماعتوں میں جو ایک دوسرے سے مختلف سمت پر ہیں۔''

مارکس کے نزدیک ہر حادثہ تاریخی حیثیت نہیں رکھتا۔کسی سیارے کی تخلیق یا کسی حیوانی نوع کا خاتمہ اس کی نزدیک تاریخ نہیں ہے۔مجلسی زندگی کے واقعات کو بھی مارکس تاریخ تسلیم نہیں کرتا۔کیونکہ وہ تاریخ کے نتائج ہیں۔مارکس سے قبل تاریخ کے ابتدائی نظریوں میں دو بڑے نقائص دکھائی دیتے ہیں۔اولاً یہ کہ تاریخ کے نظریوں نے تاریخی سرگرمیوں کی تصوراتی تحریکات کے پیشِ کرتے وقت ان تحریکات کی ابتداء کو نظر انداز کر دیا اور مجلسی تعلقات میں مادی پیدائش کے ارتقاء کو فراموش کر دیا۔ثانیاً ابتدائی مؤرخوں نے عوام کی سرگرمیوں کو پسِ پشت ڈال دیا۔

کارل مارکس اپنے والدین کی طرف سے یہودی تھا۔جب مارکس کی عمر چھ برس تھی اس کے خاندان کے افراد نے عیسائیت قبول کر لی۔مارکس نے اپنے آبائی گاؤں کے سکول میں تعلیم حاصل کی۔

مارکس ایک سال تک بون میں قانون کی تعلیم پاتا رہا۔لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس مدت میں مارکس یونیورسٹی کی رنگین محفلوں میں کھویا رہا۔۱۸۳۶ء میں مارکس برلن گیا۔اب مارکس کی ذہنی سرگرمیوں کا آغاز ہوا۔اس زمانہ میں برلن اپنی شہرت کے معراج کمال پر تھا۔برلن کے علمی حلقوں پر ہیگل کا اثر و اقتدار چھایا ہوا تھا۔

## مارکس کے فلسفے پر ہیگل کے اثرات

مارکس کی سمجھنے کے لیے ان تمام مفکروں کے افکار و آراء اور فلسفیانہ تصورات کا سمجھنا ضروری ہے جو اس کے پیش رو تھے۔لیکن اس ضمن میں ہم ایک فلسفی کی نظر انداز نہیں کر سکتے۔مارکس نے ہیگل سے نہ صرف نظریات اخذ کیے بلکہ ایک مکمل فلسفیانہ نظام بھی۔مارکس کی سمجھنے کے لیے ہیگل سے باخبر ہونا ضروری ہے۔

ہیگل ۱۷۷۰ء میں سٹٹ گارٹ کے مقام پر پیدا ہوا۔ٹوبنجن میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد اس نے

کافی زمانہ درس و تدریس میں صرف کیا۔ جب نپولین نے جینا کو فتح کیا تو وہ یونیورسٹی کا پروفیسر نہ رہ سکا۔ ہیگل کئی سال تک ایک اخبار کا ایڈیٹر رہا۔ اس نے ۱۸۳۱ء میں وفات پائی۔ ہیگل کے فلسفہ کے اسرار ورموز سے قطع نظر ہم ہیگل کے ان تصورات کا اجمالی تذکرہ کرتے ہیں جن کے بغیر مارکیست کا مفہوم سمجھ نہیں آ سکتا۔

ہیگل کے نزدیک روح اصل فطرت کی کل ہے۔ روح یا تصور ازلی صداقت ہے۔ تصور ہر چیز نے واقف ہے اور ہر چیز اس سے آگاہ ہوسکتی ہے۔ تصور کی منزلِ مقصود و معرفت کل ہے اور چونکہ وہ خود کل ہے اس لیے اس کی منزل مقصود معرفتِ کل ہے۔ تاریخ محض ایک ایسا تسلسل ہے جس سے تصور (روح یا عقل) عدم معرفت سے معرفتِ ذات کی طرف سفر کرتا ہے۔ پس تمام کائنات کا خلاصہ تصور ہے اور کائنات کا ارتقاء اس تصور کی وہ حرکت ہے جو اسے معرفتِ ذات کے لیے کرنی پڑتی ہے۔ اصولِ ارتقاء کیا؟ وہ کیا ہے جس سے ایک وجود دوسرے وجود میں بدل جاتا ہے اور ایک چیز کی حقیقت دوسری میں منتقل ہوجاتی ہے۔

برلن میں مارکس نے تاریخ، فلسفہ اور جغرافیہ، قانون ادب اور جمالیات کا ایک ذہین اور طباع یونیورسٹی طالب علم کی طرح مطالعہ کیا۔ کانٹ کے فلسفہ کی ترک کر کے اس نے ہیگل کے فلسفۂ جدلیات کی قبول کرلیا۔ مارکس کے ذہن کو مقامِ کانٹ سے منزلِ ہیگل کی طرف سفر کرنے میں بہت سی اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ان ایام میں مارکس نے اپنے باپ کے نام خط میں ''سمندروں کی گہرائیوں میں غوطہ لگا کر چمکتے ہوئے موتیوں کو حاصل کرنے کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔ وہ ذہنی اذیت اور روحانی کرب کا شکار تھا۔ اس نے اپنی نظموں اور افسانوں کی جلا دیا۔ اس نے ان مباحث سے دور رہنے کی کوشش کی جو ہیگل کی فلسفہ کی متعلق ہوتے رہتے تھے۔ لیکن مارکس نے ہیگل سے دور رہنے کی جس قدر کوشش کی اتنا زیادہ وہ ہیگل کے فلسفیانہ نظام میں محصور ہوتا گیا۔

قدرتی طور پر اس سے مارکس کے باپ کو تکلیف پہنچی۔ وہ اپنے کارل کو وکیل یا سرکاری ملازم دیکھنا چاہتا تھا۔ ''کارل دوسرے طالب علموں کی طرح محنت کیوں نہیں کرتا؟ اسے اپنے مستقبل کا خیال کیوں نہیں؟'' مارکس کا باپ رات کی تنہائیوں میں اپنے بیٹے کے متعلق اسی قسم کے الفاظ پر غور کرتا ہوگا۔ باپ اپنے بیٹے کی ذہنی اذیتوں کو اس سے زیادہ نہ سمجھ سکا کہ اس کی صحت خراب ہوچکی ہے اور وہ ایسی کتابوں کا

مطالعہ کرتا ہے جن کا قانون سے کوئی تعلق نہیں۔لیکن مارکس کے افکار میں حیرت انگیز تبدیلی رونما ہو چکی تھی۔چنانچہ مارکس کا باپ اپنے بیٹے کی نئی خواہشات کی جانب مائل ہو گیا۔مارکس نے یونیورسٹی کے اسٹاف میں شامل ہونے کا عزم کیا۔اس مقصد کے حصول کے لیے اس نے شبانہ روز فلسفۂ قانون کا مطالعہ شروع کر دیا۔مارکس نے ۱۸۴۱ء میں دیموکرتیس اور اپی کیورس کے فلسفوں پر ایک ڈاکٹورل لکھا اور اسی سال جینا یونیورسٹی میں اسے ڈاکٹر کی ڈگری ملی۔وہ یونیورسٹی میں کسی ملازمت کا منتظر تھا۔اس زمانہ میں پروشیا کا نظامِ تعلیم ان نوجوانوں کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتا تھا جن کے خیالات میں کسی قسم کی جدت ہوتی۔چنانچہ مارکس نے صحافت کو ذریعہ معاش بنانا چاہا۔

'رینش زیٹنگ' کا پہلا شمارہ یکم جنوری ۱۸۴۲ء کو شائع ہوا۔اس اخبار کا ایڈیٹر مارکس کا گہرا دوست تھا۔اس نے مارکس سے قلمی معاونت طلب کیا۔چنانچہ مارکس نے اس اخبار میں چند ایک ایسے مقالے لکھے جس کی وجہ سے اس کی شہرت علمی حلقوں میں پھیل گئی۔فیور باخ اور موزز ہس سے اس کے تعلقات بہت گہرے ہو گئے۔اکتوبر میں پہلے ایڈیٹر کے چلے جانے کے بعد مارکس نے اس اخبار کی عنانِ ادارت کو سنبھالا۔مارکس کو پہلی مرتبہ سیاسیاتِ حاضرہ پر قلم اٹھانے کا موقع ملا۔اس نے جرمن اور فرانسیسی سوشلزم کا مطالعہ کیا۔صوبہ رائن کے زرعی مسائل نے اسے معاشی حالات کی طرف متوجہ کیا۔اس اخبار میں فرانس کے سوشلسٹوں کے افکار شائع ہوتے تھے۔

ایک ماہر معاشیات کی حیثیت سے پردوہن کا مارکس سے موازنہ کوئی معنی نہیں رکھتا۔پردوہن ایک رنگ ساز تھا۔شب و روز کے عمیق مطالعہ نے اسے ہیگل کی جدلیات کو معاشی نظام پر منطبق کرنے کی جرأت بخشی۔لیکن وہ اپنے فلسفیانہ نقوش میں پوری طرح رنگ نہ بھر سکا۔مارکس اور پرودہن کے افکار ایک دوسرے سے متضاد ہیں۔

> ''پرودہن کے خیالات کسان سوشلزم کی طرف مائل تھے۔جس میں ریاست کے مرکز کو بہت کم اختیار ارد یے گئے تھے۔وہ ایک مصلح تھا۔اس کے معاشی نظریات اخلاقی نظریوں کے ماتحت تھے۔مارکس جدید انڈسٹریل ازم کا نمائندہ تھا۔وہ پرودہن کے مقابلہ پر ایک تربیت یافتہ فاضل تھا۔مارکس نے نہایت آسانی

سے اس امر کو ثابت کر دیا تھا کہ پرودہن نظریۂ قدر اور عملِ پیدائش سے بالکل بے بہرہ ہے۔ پرودہن اتنا ضرور جانتا تھا کہ معاشی عدم مساوات کے اسباب نظامِ پیدائش میں پنہاں ہیں۔لیکن وہ ان اسباب کو نہ دریافت کر سکا اور نہ ہی آشکار۔ مارکس نے پرودہن کے چھکے چھڑا دیے اور حقیقت یہ ہے کہ ایک معاشیاتی کے نزدیک صداقت مارکس کا ساتھ دیتی ہے۔''

مارکس نے پرودہن کی کتاب ''فلسفۂ افلاس'' کا جواب ''افلاس فلسفہ'' میں دیا۔ یہ کتاب اپنے ہم عصر ماحول کی بہترین ترجمان ہے۔اس میں مارکس نے ثابت کیا ہے کہ مجلسی ارتقاء سے معاشی انقلاب پیدا ہوتا ہے۔ یہ ایک انقلابی کتاب ہے۔اس کتاب نے یورپی سوشلزم کی تاریخ میں نئے تصورات پیش کیے۔

بروسیلز میں مارکس نے وہاں کے جرمن سوشلسٹوں سے راہ ورسم پیدا کر لی تھی۔انجمن عدل (لیگ آف جسٹ) میں شریک ہو گیا۔ یہ جرمن مزدوروں کی ایک جماعت تھی جس کی شاخیں یورپ کی تمام بڑے بڑے شہروں میں تھیں۔ یہ لیگ ۱۸۳۶ء میں قائم ہوئی تھی۔ ۱۸۴۰ء میں اس کا مرکزی دفتر لندن میں منتقل کر دیا گیا تھا۔اس لیگ کے ان ارکان نے جو پیرس اور برسیلز میں تھے مرکزی دفتر کی توجہ مارکس کی طرف مبذول کرائی۔ دسمبر ۱۸۴۷ء میں مارکس نے اس لیگ کے اجلاس میں شرکت کی۔اب یہ لیگ کمیونسٹ لیگ بن چکی تھی۔کمیونسٹ لیگ کی دوسری کانفرنس میں مارکس اور اینگلز کے سپرد پروگرام مرتب کرنے کا کام کیا گیا۔ دونوں نے مل کو ایک منشور تیار کیا جو کمیونسٹ مینی فسٹو کے نام سے شائع ہوا۔

مارکس کا قیامِ لندن، جو اس کی زندگی کا اہم ترین حصہ ہے، معاشی مشکلات اور مالی پریشانیوں کی ایک دل ہلا دینے والی داستان ہے۔ مارکس نے لندن میں ہمت نہ ہاری۔لندنی زندگی کے ابتدائی دس سالوں میں اس کے افرادِ خاندان کو دو وقت روٹی بھی میسر نہ آتی تھی۔اپنے بال بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے مارکس کو اپنے کپڑے تک رہن رکھنے پڑے۔ ۱۸۵۱ء سے ۱۸۶۰ء تک اس کا ذریعہ معاش 'نیویارک ٹریبون' کی نامہ نگاری تھا۔ ۱۸۶۰ء کے بعد ولہیلم وولف اور اینگلز کی اعانت نے مارکس کی مالی پریشانی کی

رفع کر دیا۔ مارکس دن بھر برٹش میوزیم میں اشترا کی معاشایت مرتب کرنے میں مصروف رہتا۔ 'سرمایہ ' کی ترتیب وتدوین میں شبانہ روز مصروف رہتا۔ وہ میوزیم کھلنے پر داخل ہوتا اور اس وقت مصروفِ مطالعہ رہتا جب تک میوزیم کے ملازم اسے باہر نہ نکال دیتے۔ بسمارک نے مارکس کو جرمنی میں ایک بہت بڑے عہدے کی پیش کش کی لیکن مارکس اپنے کام میں مصروف رہا۔

لندن کے علمی حلقوں سے مارکس کی مصروفیات کے متعلق بہت کچھ معلومات مل سکتی ہیں۔ جان اسٹورٹ مل سے اس نے ایک مرتبہ بھی ملاقات نہیں کی۔ انگلستان کی ٹریڈ یونین کی تاریخ میں مارکس کا نام اس لیے قابلِ ذکر نہیں ہوتا کہ اس نے انقلابی پروگرام میں سرمایہ اور محنت کی مفاہمت کرانے کی جدوجہد کی بہت بڑی حماقت خیال کیا تھا۔۔۔۔ اس کا زیادہ وقت اینگلز اور دوسرے جلاوطنوں کے ساتھ گزرتا۔

۱۸۶۷ء میں سرمایہ کی پہلی جلد جرمن میں شائع ہوئی۔ بہت جلد اس کے فرانسیسی اور روسی تراجم شائع ہوئے۔ روس میں اس کتاب کو امٹ مقبولیت حاصل ہوئی۔ پانچ سال میں 'سرمایہ' جرمن سوشلسٹ ادب کی کتاب بن گئی۔ 'سرمایہ' کو تکمیل تک پہنچانا مارکس کی تقدیر میں نہیں تھا۔ افلاس اور تنگ دستی نے مارکس کی صحت کی خراب کر دیا۔ اس کی زندگی کے آخری بارہ برس طرح طرح کی بیماریوں میں کٹے۔ اس نے اس زمانہ میں روسی زبان کا مطالعہ شروع کر دیا تھا تاکہ وہ روس کے زرعی اور معاشی مسائل پر اچھی طرح سے اظہارِ خیال کر سکے۔ ۱۸۷۸ء میں اس نے سرمایہ کو دوسری جلد شائع کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اس کی صحت خراب ہو چکی تھی۔

طالب علمی کی زمانے میں مارکس نے ہیگل کے فلسفے کو تسلیم کر لیا تھا۔ لیکن اس نے ہیگل کی جدلیات کو اس انداز میں اپنایا کہ دریا کو سرچشمہ سے کوئی تعلق نہ رہا۔

جدلیات ایک ایسا عمل ہے جس سے متضاد اشیاء کی کشمکش ارتقائی مراحل پیدا کرے۔ ہیگل کہتا ہے کہ ہر چیز نہ صرف اپنا وجود ہے بلکہ اپنی ضد بھی ہے۔ اشیاء کو سمجھنے کے لیے ان کا سمجھ لینا کافی نہیں بلکہ ان کی ضد کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔ یہ آخری صورت صرف ہمارے ذہن کا نتیجہ نہیں بلکہ اس وجود کا بھی قانونِ عمل ہے۔ ہیگل اپنے فلسفہ کو دعویٰ، تضاد اور ترکیب کی صورت میں پیش کرتا ہے یہ ترکیب آخری اور قطعی نہیں۔

''کوئی چیز ختم نہیں ہوتی۔ ہر چیز اپنی ضد میں مدغم ہو جاتی ہے۔' ہیگل نے جدلیات کا اطلاق افراد

،اشیاء، معاشیات اور سائنس کے اصولوں پر کیا۔ مارکس نے ان اصولوں پر عالمگیر تاریخ کا خاکہ تیار کیا۔

''ہیگل کے فلسفہ میں کسی چیز کا وجود اس کی ضد کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ تاریکی، جھوٹ اور پستی کا تصور روشنی سچائی اور بلندی کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ اگر کسی ایک تصور کو دعویٰ کہیں تو اس کی ضد کی تضاد کہا جائے گا۔ چنانچہ اس کائنات میں بے شمار دعوے اور تضاد پائے جاتے ہیں۔ اس کائنات میں کشمکش ایک ابدی حقیقت ہے۔ دعویٰ اور تضاد میں کشمکش، اس قسم کی کشمکش میں دعویٰ اور تضاد ایک دوسرے سے بار ہا متاثر ہوتے ہیں اور اس کشمکش میں ایک نیا مظہر پیدا ہوتا ہے۔ ہیگل کے نزدیک اس کائنات کی ہر تبدیلی دعویٰ ،تضاد اور ترکیب سے عبارت ہے۔ اور یہ تصور کی دنیا میں ہوتا ہے۔''

متصادم قوتوں کے دعویٰ اور تضاد میں سے ترکیب کے پیدا ہونے کے اصول کو مارکس نے فلسفیانہ صداقت تسلیم کر لیا۔ اس کے باوجود مارکس نے ہیگل کے اس نظریہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کہ ان متصادم قوتوں کا وجود صرف انسانی ذہن میں ہوتا ہے۔ چنانچہ مارکس نے ہیگل کے ایک حصہ کو مان لیا اور دوسرے سے انکار کر دیا۔ مارکس کے نزدیک ذہن جس شے کا تصور کرتا ہے وہ بذاتِ خود ایک حقیقت ہوتی ہے۔ ذہن میں خارجی اشیاء کا وجود باہر سے پیدا ہوتا ہے اور تصورات اس بیرونی مظہر کا عکس ہوتے ہیں۔ ہم کسی حد تک کہہ سکتے ہیں کہ مارکس نے ہیگل کی تصور پسندی کو مادیت میں بدل دیا۔ مارکس کے دعوے اور اس کے ارتقاء کا وجود کائنات میں موجود ہے اور جس کا خارجی مظہر ترکیب کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جو اپنے وقت پر دعوے اور تضاد کی صورت اختیار کرنے کے بعد ایک نئی ترکیب بن جاتا ہے۔

کیا مارکس ایک ماہر معاشیات ہے؟ کیا وہ ماہر معاشیات کہلائے جانے کا مستحق ہے؟ مارکس کے نظریوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک ماہر معاشیات تھا۔ قدر، قیمت اور منافع کے متعلق اس کے خیالات ایک راسخ ماہر معاشیات کی مانند ہیں۔ جب مارکس معاشی مظہر پر بحث کرتا ہے تو کسی جہت سے بھی غیر علمی رویہ اختیار نہیں کرتا۔ جہاں تک قیمت، اجرت اور منافع کے پیش کرنے کا تعلق ہے مارکس کے نظریات معاشیات کے جدید ترین نظریات سے ملتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مارکس نے بورژوا معاشیات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ مارکس نے معاشیات میں نظریہ قدر بہت زور دیا۔ اور اسے وضاحت سے پیش کیا۔ نظریۂ قدر سے مراد یہ ہے کہ کسی جنس کی قدر کا انحصار اس محنت پر ہوتا ہے جو اس جنس کی تکمیل پر صرف ہوتی ہے۔

## ۱۸۵۷ء

لارڈ ڈلہوزی نے ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی فتوحات کو مکمل کر دیا تھا۔ انیسویں صدی کے ابتدائی سالوں میں فورٹ ولیم میں ہندوستان کی تسخیر کا جو خاکہ تیار ہوا تھا اس میں ڈلہوزی نے سرخ رنگ بھر دیا۔ ہندوستان ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایسٹ انڈیا کمپنی کے قبضہ میں آ گیا۔ ایک ایک کر کے سارے تخت ٹوٹ گئے۔ جو سلامت رہے وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کا دم بھرنے لگے۔ لارڈ ڈلہوزی نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی فہرست میں اودھ، صوبہ جاتِ متوسط اور پنجاب کے علاوہ ہندوستان کی کئی ایک چھوٹی ریاستوں اور برما کے ایک حصے کا اضافہ کیا۔ ان فتوحات نے ہندوستانیوں کے ذہن میں بدگمانی اور شک پیدا کر دیا۔ کمپنی کی ملازمت میں جو دیسی سپاہی تھے وہ بھی آہستہ آہستہ اپنے انگریز افسروں سے بگڑ رہے تھے۔ بدگمانی، شک اور بگاڑ کی فضا سے وہ شہزادے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے جن کے اپنے یا ان کے باپ دادا کے تخت چھن گئے تھے۔

ہندوستان میں مغلوں کی سلطنت جاگیرداری نظام کا عروج تھی۔ جاگیرداری عہد کی تاریخ میں اتنی

بڑی سلطنت کسی دوسری جگہ دکھائی نہیں دیتی۔ سترھویں صدی کے آخری سالوں میں مغل حکومت نے دکن کی ریاستوں کی ختم کرنا چاہا۔ چنانچہ لمبی لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ ان لڑائیوں نے مفتوح کو بہت کمزور اور فاتح کو کمزور تر کر دیا۔ چند سال بعد مغل سلطنت کی مرکزیت ختم ہوگئی۔ دہلی ہی کے نمونے پر ہندوستان میں کئی ایک جاگیرداری ریاستیں قائم ہوگئیں۔ یہ ریاستیں دہلی سے کٹ چکی تھیں۔ لیکن عملی طور پر اسی نظام کی پیروی کر رہی تھیں جو صدیوں سے دہلی میں رائج ہو چکا تھا۔ اس ریاستوں نے پیدائش کی نئی نئی قوتوں کو دبائے رکھا۔ اس دباؤ سے ان ریاستوں کا جاگرداری نظام بھی ٹوٹنے لگا۔ جب یہ جاگیرداری نظام ٹوٹ رہا تھا تب انگریزوں نے ہندوستان کی سیاست میں دخل دیا۔ انگلستان میں جاگیرداری نظام ختم ہو چکا تھا۔ وہاں پیدائش کے نئے عناصر کارفرما تھے۔ انسانی تہذیب کی تاریخ میں ان عناصر نے خواہ کتنے ہی اہم نتائج پیدا کیے ہوں وہ ہندوستان کی تسخیر میں سب سے زیادہ مؤثر ثابت ہوئے۔ انگریزوں نے ہندوستان میں جن حکمرانوں کو آسانی سے شکستیں دیں وہ پرانے اور مٹے ہوئے جاگیراداری نظام کے علم بردار تھے۔ نئی معاشی قوتوں نے نہ صرف یورپ میں بلکہ ہندوستان میں بھی جاگیرداری نظام کو شکست دی۔ یورپی ملکوں میں اس نظام کو وہاں کے دیسی لوگوں نے ختم کر دیا۔ لیکن ہندوستان میں یہ نظام اجنبی ہاتھوں سے مٹا۔ اجنبی ہاتھوں سے اس نظام کو جہاں چاہا مٹا دیا اور جہاں چاہا اسے زندہ رکھا۔ اس مٹتی ہوئی جاگیرداری نے ۱۸۵۷ء میں انگڑائی لی۔

لارڈ ڈلہوزی کے مستعفی ہونے کے بعد لارڈ کیننگ (۱۸۵۶ء تا ۱۸۶۲ء) کو ہندوستان کا گورنر جنرل مقرر کیا گیا۔ کمپنی کی مجلسِ نظامت نے لندن میں لارڈ کیننگ کو الوداعی پارٹی دی۔ اس پارٹی میں تقریر کرتے ہوئے لارڈ کیننگ نے کہا 'میری خواہش ہے کہ میرا عہدِ حکومت پُرامن رہے۔ لیکن میں اس بات کو بھول نہیں سکتا کہ ہندوستان کی فضا میں بادل کا ایک چھوٹا ٹکڑا دکھائی دے رہا گا۔ اتنا چھوٹا جتنا کہ انسانی ہاتھ۔ لیکن یہ ٹکڑا اتنا بڑا ہو جائے گا کہ خود ہمارا وجود خطرے میں پڑ جائے گا۔'' اگلے سال بنگال آرمی کے فوجیوں نے بغاوت کر دی۔ انسانی ہاتھ جتنا بڑا بادل میرٹھ سے اٹھا۔ بادل بڑا ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ وہ شمالی ہندوستان پر پھیل گیا۔

کلائیو سے کیننگ تک کی درمیانی مدت میں جو سیاسی اور معاشی واقعات رونما ہوئے ان کی اہمیت اور نتائج سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ذمہ دار افسر ہمیشہ غافل رہے۔ انہوں نے لوٹ گھسوٹ میں اپنے آپ

کو اتنا مصروف کر دیا کہ انہیں اتنا بھی یاد نہ رہا کہ وہ ایک مہذب اور متمدن ملک کے جذبات سے کھیل رہے ہیں۔ سیاسی فتوحات حاصل کرنے کے بعد کمپنی نے ہندوستان سے رسوا کن سلوک شروع کر دیا۔ ہندوستانی صوبوں کے عوام کمپنی سے بدظن ہو گئے۔ راجوں اور نوابوں کے علاوہ صرف ایک جماعت کمپنی کے حق میں تھی۔ یہ جماعت ان لوگوں پر مشتمل تھی جنہوں نے ہندوستان کے شہروں میں انگریزی مال کی کھپت کے لیے دکانیں کھول رکھی تھیں۔ پڑھے لکھے لوگوں کے لیے ترقی کی تمام راہیں بند ہو چکی تھیں۔ یہاں تک کہ فوج میں بھی ہندوستانیوں کو ترقی کا کوئی موقع نہ دیا جاتا تھا۔ بغاوت کے نشان ہر طرف موجود تھے۔ لیکن کمپنی کی آنکھیں انہیں دیکھ نہیں سکتی تھیں۔

اودھ کے الحاق سے بنگال آرمی کے دیسی سپاہی بگڑ گئے۔ لارڈ ڈلہوزی ہی کے زمانہ میں دیسی سپاہیوں کی بیزاری اور بے چینی ظاہر ہو چکی تھی۔ دیسی سپاہیوں نے اپنے انگریز افسروں کا حکم ماننا ترک کر دیا۔ بنگال اور ملحقہ صوبوں میں دیسی سپاہیوں کی وفاداری میں فرق آ رہا تھا۔ کلکتہ کے بازاروں کی دیسی آبادی ہر لحہ کسی بڑے حادثے کی منتظر تھی۔ حکومت کو آنے والے طوفان سے آگاہ کیا گیا۔ لیکن اس کے سول اور ملٹری حکام نے پتوں کی کھڑکھڑاہٹ پر کان دھرنے سے انکار کر دیا۔ انہیں اس وقت ہوش آیا جب طوفان نے درختوں کو اکھاڑنا شروع کر دیا۔ جب بغاوت کی یہ آندھی چلی تو حکومت اس کے مقابلہ کے لیے تیار نہ تھی۔ تباہی اور خرابی کی خبروں نے اسے حیران کر دیا۔'' یہ بے چینی سب سے پہلے ۲۲ جنوری ۱۸۵۷ء کو ڈم ڈم میں ظاہر ہوئی۔ ڈم ڈم میں مقیم دیسی سپاہیوں نے اپنے انگریز افسر سے شکایت کی انفیلڈ رائفلوں کے لیے جو کارتوس بنائے جاتے ہیں ان میں گائے اور سور کی چربی ہے۔ اس افسر نے حکومتِ ہند کو اس بات سے آگاہ کر دیا۔ حکومت نے بعض چھاؤنیوں میں دیسی سپاہیوں کو یقین دلایا کہ کارتوسوں میں ممنوعات استعمال نہیں کی جا رہیں۔ لیکن یہ افواہ بارود کے ڈھیر میں چنگاری کا کام کر چکی تھی۔ بیرک پور کے فوجیوں نے بہرام پور کی انیسویں رجمنٹ میں بے چینی کا بیج بو دیا۔ ۱۹ جنوری کی رات کی اس رجمنٹ نے مظاہرہ شروع کر دیا۔ کرنل مچل نے سپاہیوں سے اس مظاہرے کا سبب پوچھا۔ ''سرکار ہمارے دین میں دخل دے رہی ہے۔'' فوجیوں نے کہا۔ کرنل نے اپنے تقریر سے فوجیوں کو مطمئن کر دیا۔ جب لارڈ کیننگ کو برہام پور کے واقعہ کا پتہ چلا تو اس نے دوسری رجمنٹ کو بیرک پور پہنچ جانے کا حکم دیا۔ نیز برہام پور کی انیسویں رجمنٹ کو حکم ملا کہ وہ بھی بیرک پور پہنچ جائے۔ اسی اثناء میں بیرک پور کی ۳۴

ویں رجمنٹ کے ایک فوجی نے 'دین دین' کا نعرہ لگاتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو 'فرنگیوں' کے خلاف لڑنے پر اکسایا۔ سرجنٹ میجر موقع پر پہنچ گیا۔ منگل پانڈے نے اس پر گولی چلادی۔ سرجنٹ میجر بچ گیا۔ بغاوت کے آثار پا کر جنرل ہرسی موقع پر پہنچ گیا۔ حالات پر قابو پالیا گیا۔ اگلے دن انیسویں رجمنٹ بھی بیرک پور پہنچ گئی۔ اسی شام انگریزی سپاہی بھی بیرک پور آ گئے تھے۔ اگلے دن پریڈ میں جرنیل نے گورنر جنرل کا فرمان سنایا جس میں انیسویں رجمنٹ کو توڑ دیے جانے کا حکم تھا۔ ۳۴ ویں رجمنٹ کے منگل پانڈے کو پھانسی کی سزا دی گئی۔ چھ ہفتے بعد اسی رجمنٹ کی سات کمپنیوں سے ہتھیار چھین کر انہیں الگ کر دیا گیا۔ حکومت مطمئن تھی کہ بغاوت ختم ہوگئی ہے۔

بغاوت تو ابھی ہونے والی ہے۔ بیرک پور کی خبریں مبالغہ آمیزی کے ساتھ شمالی ہند تک جا پہنچیں۔ اپریل ۱۸۵۷ء کے آخری ہفتہ میں میرٹھ میں ہندوستانی سپاہیوں نے مختلف صورتوں میں بے چینی کا اظہار کیا۔ چونکہ میرٹھ میں دیسی سپاہیوں کی نسبت انگریز سپاہیوں کی تعداد زیادہ تھی اس لیے وہاں کے فوجی حکام مطمئن تھے۔ ۲۳ اپریل کو دیسی سپاہیوں کی وفاداری کا امتحان کیا گیا۔ دیسی سپاہیوں نے پریڈ کی۔ پریڈ کے بعد حوالدار میجر اور اس کے اردلی نے ان کارتوسوں کی چلایا جن کے متعلق یہ خیال تھا کہ انہیں چلانے سے پہلے دانتوں سے کاٹنا پڑتا ہے۔ دیسی سپاہی اپنی بارکوں میں چلے گئے۔ اسی رات اردلی کے خیمہ کو آگ لگا دی گئی۔ اگلے دن سپاہیوں نے کارتوس لینے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ ۲۵ اپریل کو ڈپٹی جج کے سامنے اس معاملہ کی پڑتال کی گئی۔ سپاہیوں نے کارتوسوں کو ناپاک بتایا۔ انہیں بتایا گیا کہ کارتوسوں میں ممنوعات استعمال نہیں کی گئیں۔ سپاہیوں نے وعدہ کر لیا کہ وہ ان کارتوسوں کو استعمال کریں گے۔ ۶ مئی کو پھر پریڈ ہوئی۔ اس موقع پر ۸۵ سواروں نے کارتوس لینے سے انکار کر دیا۔ جرنیل نے ان کی گرفتاری کا حکم دیا۔ بغاوت کے جرم میں ان پر فوجی عدالت میں مقدمہ چلایا گیا۔ عدالت نے بعض کو چھ سال اور بعض کو دس سال قیدِ با مشقت کی سزا سنائی۔ ساری فوج کے سامنے ان کی وردیاں اتاری گئیں اور انہیں بیڑیاں پہنائی گئیں۔ انہیں میرٹھ شہر کی جیل میں پیدل لے جایا گیا۔ یہ حادثہ ۹ مئی کو ہوا ایک انگریز مؤرخ کے الفاظ کی ایڈورڈ ٹامسن اپنی کتاب 'تصویر کا دوسرا رخ' میں پیش کرتا ہے۔

''بندوقوں اور سنگینوں کے پہرے میں ۸۵ سپاہیوں کو فوجی
لباس میں فوجی عدالت میں پیش کیا گیا۔ ان احکام کا مقصد

سپاہیوں کو مجرموں کی صف کھڑا کرنا تھا۔ان سپاہیوں سے فوجی نشان چھین لیے گئے۔ان کی وردیوں کو پشت کی طرف سے پھاڑ دیا گیا۔لوہار آگے بڑھے۔چند لمحوں میں یہ سپاہی بیڑیوں اور ہتھکڑیوں میں نظر آئے۔یہ نظارہ دردناک اور ذلت آفرین تھا جس ے دوسرے سپاہی بہت متاثر ہوئے۔۔۔۔بیڑیوں میں جھکڑے ہوئے سپاہیوں نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور اس ذلت کو خاموشی سے برداشت کرنے پر انہیں اشاروں ہی اشاروں میں شرمندہ کیا۔اس وقت ہر سپاہی نے نفرت اور رنج کے جذبات کی محسوس کیا۔لیکن بھری ہوئی توپوں اور بندوقوں کی موجودگی میں حملہ کرنے کا خیال پیدا نہیں ہوسکتا تھا۔''

جب دیسی سپاہی اپنی بارکوں میں لوٹے تو ان پر جوش کا غلبہ ہو چکا تھا۔ان سپاہیوں نے بغاوت کا ارادہ کرلیا۔اگلے دن (۱۰ مئی ۱۸۵۷ء کو) دیسی سپاہیوں نے اپنی بارکوں میں آگ لگا کر بغاوت کا اعلان کیا۔کرنل فینی باغی سپاہیوں کو ان کے فرائض کا احساس دلانے کے لیے آگے بڑھا۔ایک سنسناتی ہوئی گولی نے کرنل کا کام تمام کر دیا۔کرنل فینی پہلا انگریز تھا جو باغی سپاہیوں کے ہاتھوں مارا گیا۔دوسرے فوجی افسر اس بغاوت کی فرو کرنے کے لیے آگے بڑھے۔انہیں بھی مار دیا گیا۔باغیوں نے ان انگریز عورتوں اور بچوں کو بھی قتل کر دیا جو گرجا گھر سے واپس آ رہے تھے۔باغی سپاہیوں کا ایک حصہ چھاؤنی کو آگ لگانے میں مصروف ہو گیا۔دوسرا حصہ میرٹھ جیل میں جا پہنچا۔جیل کے دروازے توڑ دیے گئے۔ ۸۵ سواروں کو جیل سے نکالا گیا۔ان سواروں کے علاوہ بارہ سو قیدی بھی باغیوں میں شامل ہو کر میرٹھ سے چھاؤنی کی طرف بڑھے۔چھاؤنی میں پہنچ کر انہوں نے کئی انگریزوں کی قتل کر دیا۔لوٹ مچائی اور دہلی کی طرف چل دیے۔میرٹھ سے دہلی جانے والی سڑک صاف تھی۔چاندنی میں باغی سپاہیوں کی یہ فوج جمنا کی طرف بڑھی۔انگریز سپاہیوں نے اس کا تعاقب نہ کیا۔اگلے دن ان باغیوں کو جو زخمی ہونے کے سبب دلی نہیں جا سکے تھے گرفتار کیا گیا اور انہیں گولی مار دی گئی۔

جب لاہور میں میرٹھ کے دیسی سپاہیوں کی خبر پہنچی تو اس وقت لاہور میں مقیم دیسی سپاہیوں میں

جوش وخروش پیدا ہو گیا۔اس وقت سر جان لارنس لاہور میں موجود تھا۔لاہور میں موجود انگریز حکام نے پنجاب کو بغاوت سے دور رکھنے یا بغاوت ہونے کی صورت میں اس پر فوری قابو پا لینے کے لیے ایک اجلاس کیا۔اس اجلاس میں یہ فیصلہ ہوا کہ میاں میر (لاہور چھاؤنی) کے دیسی سپاہیوں سے ہتھیار چھین لیے جائیں۔اور لاہور کے قلعہ کو مزید مضبوط کرنے کے لیے وہاں انگریز سپاہیوں کو بھیج دیا گیا۔دیسی سپاہیوں سے ہتھیار چھین لیے گئے اور ان کی نقل وحرکت کی نگرانی ہونے لگی۔

تیس جولائی کو پرکاش سنگھ اپنی تلوار لے کر نکلا اور ساتھی سپاہیوں کو کہنے لگا کہ وہ فرنگیوں کو قتل کر دیں۔سب سے پہلے اس نے میجر سپینسر کو قتل کیا۔اسی اثناء میں آندھی چلنے لگی۔باغی سپاہی میاں میر سے بھاگ نکلے۔گرفتار ہونے والوں کی توپ دم کر دیا گیا۔اب باغی سپاہیوں کا تعاقب شروع ہوا۔باغیوں کی ایک بہت بڑی فوج راوی پار ہو کر ایک ٹاپو پر اتر پڑی تھی۔انگریز فوج کا ایک دستہ کشتیوں میں سوار ہو کر ٹاپو کی طرف بڑھا۔باغیوں نے ہاتھ اٹھا دیے۔انہیں کنارے کی طرف لایا گیا۔باغی سپاہیوں کے ہاتھ باندھ کر انہیں اجنالہ کے تھانہ میں پہنچا دیا گیا۔فریڈرک کوپر کے الفاظ میں 'آدھی رات تک سارے باغیوں کو اجنالہ کے تھانے میں پہنچا دیا گیا۔بارش ان سپاہیوں کی موت میں حائل ہوگئی۔سپاہیوں کے قتل کو اگلے دن کے لیے اٹھا رکھا گیا۔پھانسیوں کے لیے رسے بھی تھے اور باغیوں کو ایک ساتھ قتل کرنے کے لیے پچاس سکھوں کا ایک دستہ بھی موجود تھا۔گرفتار ہونے والے فوجیوں کی تعداد ۲۸۲ تھی۔چونکہ یکم اگست کو عید الضحیٰ تھی اس لیے انگریزی فوج کے مسلمان سواروں کو امرتسر بھیج دیا گیا تا کہ ہو عید منائیں۔اس بہانہ سے مسلمان سواروں کی اجنالہ سے امرتسر بھیج دیا گیا۔'ایک عیسائی افسر اپنے وفادار سکھوں کی امداد سے اگلی صبح ایک مختلف قسم کی قربانی کرنے کے لیے وہاں رہ گیا۔

اگلی صبح سنتریوں نے لوگوں کے ہجوم کو اس طرف آنے سے روکے رکھا۔افسروں کی جمع کر کے انہیں اس منظر کے اسباب سے آگاہ کیا گیا جو بہت جلد ان کے سامنے پیش کیا جانے والا تھا۔باغیوں کو دس دس کو ٹولیوں میں تھانہ کے باہر نکالا جاتا۔پشت کی طرف ایک ہی رسی سے ان کے ہاتھ باندھ دیے جاتے۔فائرنگ پارٹی انہیں اپنی گولیوں کا نشانہ بنا لیتی۔جب ایک سو پچاس باغی مارے گئے تو ایک جلاد غش کھا کر گر پڑا۔لہذا جلادوں کو آرام کرنے کا تھوڑا سا وقفہ دیا گیا۔آرام کے بعد پھر قتل کا سلسلہ شروع ہوا۔جب ۲۳۷ سپاہی مارے جا چکے تو اطلاع دی گئی کہ باقی سپاہی برج سے باہر نکلنے سے انکاری

ہیں۔دروازے کھولے گئے۔وہ سب کے سب تقریباً مر چکے تھے۔غیر شعوری طور پر بلیک ہول کے حادثہ کا اعادہ ہو چکا تھا۔۴۵ نعشوں کو کھینچ کر باہر نکالا گیا اور دوسرے باغیوں کی نعشوں کے ساتھ ایک مشترکہ گڑھے میں دفنا دیا گیا۔

جب اس قتلِ عام کو اطلاع لندن میں پہنچی تو اس پر افسوس اور رنج کا اظہار کیا گیا۔ایوانِ عام میں گلپن نے رابرٹ مونٹ گمری اور سر جان لارنس کے وہ خطوط پڑھ کر سنائے جو انہوں نے فریڈرک کوپر کی اس حرکت کی تائید میں لکھے تھے۔جنرل تھامپسن نے کوپر کے اس فعل کو ظالمانہ بتایا۔گلپن نے ایوانِ عام میں جس بحث کا آغاز کای اس پر تقریر کرتے ہوئے لارڈ سٹینلے (وزیرِ ہند) نے کہا تھا:

''یہ ناممکن ہے کہ ان واقعات کو رنج کے بغیر پڑھا یا سنا جائے۔یہ رنج زیادہ ہو جاتا ہے جب ان واقعات سے متعلقہ اندازِ بیاں اور اسپرٹ کو سامنے رکھا جاتا ہے۔انسانی جانوں کو کسی قانونی چارہ جوئی کے بغیر تلف کر دیا گیا۔صورتِ حال کے پیشِ نظر کمی بیشی کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے یہ ناممکن ہے کہ مسٹر کوپر کے فعل کی مذمت نہ کی جائے۔ایوان کو مسٹر کوپر کے طرز بیان پر غور نہیں کرنا چاہیے بلکہ ان واقعات پر غور کرنا چاہیے جو میاں میر میں رونما ہوئے۔واقعات کیا تھے؟ ۲۲ ویں رجمنٹ کے متعلق یہ شک تھا کہ وہ باغیوں کے ساتھ مل جائے گی۔اس رجمنٹ کو تقریباً چھے ہفتے نگرانی میں رکھا گیا۔میرے خیال میں ۲۸ جولائی کو بغاوت کے لیے پہلی کوشش ہوئی جبکہ دلی پر باغیوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ان میں ہر شخص دلی پہنچ کر باغیوں کی قوت بڑھانے کا سبب ہوتا۔سپاہیوں کے اس فعل کو غدر اور بغاوت کے علاوہ کسی دوسرے نام سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔۳۰ جولائی کو ان سپاہیوں نے ایک انگریز افسر کو قتل کر دیا۔سات سو باغی سپاہیوں میں سے تقریباً پانچ سو کو قتل کر دیا گیا۔لارڈ کیننگ نے سر جان لارنس کو جو

دستاویز بھیجی اس میں لکھا ہوا ہے کہ مسٹر کوپر نے قابلِ تعریف کام کیا ہے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ قوت کے استعمال سے سرجان لارنس نے پنجاب کو بچا لیا اور اگر پنجاب ہاتھ سے نکل جاتا تو پھر سارا ہندوستان ہمارے قبضہ سے باہر چلا جاتا۔ سرجان لارنس یہ اعلان کر چکا ہے کہ یہ طرزِ عمل ٹھیک تھا۔ گورنر جنرل بھی اس کی تائید کر چکا ہے۔ ان تمام باتوں کا خیال رکھتے ہوئے اور اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہ ہم زمان اور مکان کے لحاظ سے دور ہوتے ہوئے ان لوگوں کے جذبات کے متعلق فیصلہ نہیں کر سکتے جو اس معرکہ میں شامل ہیں۔''

فریڈرک کوپر کے اپنے الفاظ میں وہ ''واقعات جن کا بیان میں نے خود کیا ہے میرے ہم وطنوں کو یقیناً حیرت میں ڈال دیں گے۔ وہ حیران ہوں گے کس طرح ایک انگریز نے تھوڑے سے دیسی سپاہیوں کی مدد سے اتنی خطرناک ذمہ داری لیتے ہوئے اس قسم کے قتلِ عام کو پتھر کا دل لیے ہوئے کیونکر دیکھا، جبکہ دوسرے فریق کی طرف سے نہ تو کھلی لڑائی لڑی گئی جس سے جذبات میں جوش آتا۔ اس قسم کے لوگوں پر واضح ہونا چاہیے کہ پنجاب کا گورنر انگریزی سیرت رکھتے ہوئے لارڈ نیلسن کی طرح اپنے اسٹاف سے متوقع ہے کہ ہر شخص اپنے فرائض کو پوری طرح سے ادا کرے گا۔''

سرجان لارنس نے فریڈرک کوپر کے افعال کی تائید کرتے ہوئے اسے ۱۲ اگست ۱۸۵۷ء کو لاہور سے ایک خط لکھا۔ ''ہندوستانی پیادوں کی ۲۶ ویں پلٹن پر تم نے جو فتح حاصل کی اس پر میں تمہیں مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ تم نے اور تمہاری پولیس سے بڑی بہادری سے باغیوں کی سرکوبی میں حصہ لیا۔ حکومت تمہاری بہت ممنون ہے۔ مجھے یقین ہے کہ باغیوں کی یہ سزا دوسروں کے لیے ذریعہ عبرت ہوگی۔ میں امید کرتا ہوں کہ تمام ایسے لوگوں کو قابو میں لانے کی تدبیروں پر عمل کیا جائے گا جو اس وقت مفرور ہیں۔'' رابرٹ مونٹ گری نے بھی اپنے ایک خط میں اسی قسم کے جذبات کا اظہار کیا ہے کہ ''تم نے جو درست قدم اٹھایا اس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ ایسے نازک وقت میں سوچنا، ویرنا یا لوٹنا فائدہ مند نہیں ہوتا۔ جب تک تم لوگ زندہ رہو گے تمہاری کامیابی تمہارے اعزاز کی ٹوپی پر ایک قیمتی موتی کی طرح

چمکتی رہے گی۔ یہاں کی باقی تین پلٹنیں بھی مذبذب تھیں۔لیکن اب مجھے یقین ہے کہ وہ کوئی ایسی ویسی حرکت نہیں کریں گی۔حالانکہ کہ میری دلی خواہش ہے کہ وہ اس طرح کی کوئی حماقت کریں تا کہ ان میں سے ایک سپاہی کو بھی زندہ نہ چھوٹا جائے۔''

میاں میر کے علاوہ پنجاب (جس میں موجودہ سرحدی صوبہ بھی شامل تھا) کے بعض دوسرے مقامات پر بھی دیسی سپاہیوں نے بغاوت کی۔لیکن انگریزوں نے اس پر بہت جلد قابو پالیا۔دلی اور فیروز پور کا درمیانی علاقہ میرٹھ اور دلی کے واقعات سے زیادہ متاثر ہوا۔سرسہ، حصار، ہانسی اور رہتک میں دیسی سپاہیوں نے بغاوت کر دی۔انگریزی سپاہ نے سب سے پہلے سرسہ پر قبضہ کیا۔باغیوں کو دو مقامات پر شکست دی گئی۔سرسی کے بعد حصار اور ہانسی میں باغیوں کو شکست ہوئی۔جمال پور کو باغیوں نے اپنا فوجی اڈا بنالیا تھا۔جنرل کورٹ لینڈ نے باغیوں کو جمال پور سے نکال دیا۔رہتک پر بھی اس نے بہت جلد قبضہ کر لیا۔سرسہ سے دلی تک کے علاقہ کی فوجی اہمیت بہت زیادہ تھی۔پنجاب اور دلی کے درمیان واقع ہونے کے سبب انگریزوں نے اس پر قبضہ رکھنے کے لیے پورا زور صرف کر دیا۔اس میں انہیں کامیابی ہوئی۔اس طرح پنجاب اور دلی کے درمیان انگریزوں کے ذرائع رسل ورسائل محفوظ ہو گئے اور دلی کی زیادہ سے زیادہ کمک بھیجی گئی۔

چودہ گھنٹوں کے بعد باغی سپاہی میرٹھ سے دلی پہنچ گئے۔دلی نے باغیوں پر اپنے دروازے کھول دیے۔دلی، ایشیا کا قدیم ترین شہر، وہ شہر جس کی آنکھیں سیکڑوں تبدیلیاں دیکھ چکی ہیں۔اب نئی تبدیلی کو دیکھ رہی ہے۔دلی اپنے شہنشاہوں کی شہنشاہیت اوج کمال پر دیکھ چکی ہے۔مغلِ اعظم! قوموں اور ملکوں پر کپکپی پیدا کرنے کے لیے یہ نام کافی تھا۔دلی کے شہنشاہ بادشاہ بن گئے۔جب بادشاہت بھی چھن گئی تو لال قلعہ میں قیدیوں کی زندگی بسر کرنے لگے۔شاہ عالم بھی اسی قسم کا ایک قیدی تھا۔جسے ایسٹ انڈیا کمپنی نے مرہٹوں کی قید سے چھڑا کر اپنا قیدی بنالیا تھا۔کمپنی یہ چاہتی تھی شاہ عالم کو لال قلعے سے جلاوطن کر کے مانگیز بھیج دیا جائے۔لیکن اس حرکت کے نتائج کے پیش نظر کمپنی ایسا نہ کر سکی۔شاہ عالم کی وفات پر ۱۸۰۶ء میں اکبر شاہ ثانی اس کا جانشین بنا۔اس کے متعلق کمپنی کی یہ پالیسی تھی کہ 'خواب میں بھی اسے بادشاہت کا خیال نہ آنے پائے۔' ۱۸۳۷ء میں بہادر شاہ ثانی لال قلعے کے تخت پر بیٹھا۔کمپنی کی طرف سے بہادر شاہ کو بارہ لاکھ سالانہ پنشن ملتی تھی۔ ۱۸۳۹ء میں ولی عہد دارا بخت کی وفات پر نئے ولی عہد کا مسئلہ پیش

ہوا۔ زینت محل کی خواہش تھی کہ اس کا بیٹا جواں بخت ولی عہد مقرر ہو۔ بہادر شاہ بھی ملکہ کی اس خواہش کو پورا کرنا چاہتا تھا۔ ڈلہوزی لال قلعہ کی بادشاہت کی ختم کرنے پر تلا ہوا تھا۔ ڈلہوزی نے اپنے منصوبوں کی تکمیل کے لیے بہادر شاہ کی بیٹے مرزا فخرو کو موزوں پایا۔ چنانچہ اس نے مرزا فخرو کی بہادر شاہ کا جانشین تسلیم کرلیا اور مرزا فخرو نے لال قلعہ چھوڑ دینے کا وعدہ کرلیا۔ بہادر شاہ نے گورنر جنرل کے اس فیصلے کے خلاف آواز اٹھائی مگر بے سود۔ ۱۸۵۴ء میں مرزا فخرو کی موت کے بعد پھر جانشینی کا مسئلہ پیدا ہوا۔ اس موقع پر گورنر جنرل نے مرزا قوباش کی جانشینی کو تسلیم کرلیا اور اس کے ساتھ ہی جانشین سے کہ دیا گیا کہ اسے بادشاہ نہیں کہا جائے گا۔ اسے قلعہ چھوڑنا پڑے گا۔ اور اسے صرف پندرہ ہزار روپے ماہانہ دیے جائیں گے۔ گورنر جنرل کے اس فیصلہ سے بہادر شاہ متفق نہیں تھا۔ بہادر شاہ دلی کے لال قلعہ میں زندگی بسر کررہا تھا۔ اس کا زیادہ وقت شعروشاعری میں گزرتا تھا۔ وہ ایسے پرندے کی طرح تھا جو قید ہو کر صرف نالہ وفریاد ہی کرسکتا ہے۔ اس کے دربار میں ملکی اور غیر ملکی مسائل پر بحث کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ دربار کی ساری کوششیں اردو کے فروغ پر صرف ہونے لگیں۔ ہندوستان کی تہذیب میں بہادر شاہ کے دربار کی یہ بہت بڑی اعانت تھی۔

۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کی صبح کو باغی سپاہیوں نے دربار کو دیکھتے ہی ''جمنا مائی کی جے'' کا نعرہ لگایا۔ راج گھاٹ کا دروازہ ان پر کھل گیا۔ باغی شہر میں داخل ہو گئے۔ دلی میں مقیم انگریزی فوج کے ہندوستانی سپاہیوں نے جب باغیوں کے آنے کی خبر سنی تو ان میں سے کئی ایک پلٹنوں نے اپنے انگریز افسروں کو قتل کر دیا۔ باغی سپاہیوں نے لال قلعے کا رخ کیا قلعہ میں داخل ہو کر انہوں نے انگریز افسروں کو قتل کر دیا۔ اور بہادر شاہ کی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ بہادر شاہ نہ بادشاہت کی صلاحیت رکھتا تھا اور نہ باغیوں کی مخالفت کی قوت رکھتا تھا۔ روایت ہے کہ جب بہادر شاہ نے اس نئی بادشاہت کی قبول کرنے میں پس و پیش کی تو باغیوں نے بے پروا ہو کر کہا۔ 'اگر یہ بڈھا نہیں مانتا تو نہ مانے، ہم جس کے سر پر جوتا رکھ دیں گے وہی بادشاہ ہوگا۔''

دلی اور میرٹھ کے باغی سپاہی شہر میں داخل ہوئے۔ بنکوں اور دکانوں کو لوٹ لیا گیا۔ انگریزوں کو قتل کر دیا گیا۔ بچوں اور عورتوں تک کو نہ چھوڑا گیا۔ چند انگریزوں نے بھاگ کر جان بچائی۔ میجر ایبٹ دلی سے بھاگ کر میرٹھ چلا گیا۔ کشمیری دروازہ کے قریب انگریزوں کا ایک بہت بڑا میگزین تھا۔ باغی

سپاہی اس میگزین پر قبضہ کرنے کے لیے بڑھے۔ میگزین کو انگریز افسر نے آگ لگا دی۔ اتنا برا دھماکہ اٹھا کہ کشمیری دروازے کی دیسی فوج جو اس وقت اپنے افسروں کے ساتھ تھی باغیوں میں جا ملی۔ انگریزوں کے علاوہ دیسی عیسائی بھی باغیوں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ سیٹھ بدری چند کو صرف اس بناء پر عیسائی سمجھ کر قتل کر دیا گیا کہ وہ کوٹ پتلون پہنے ہوئے تھا۔ جب باغیوں سے یہ کہا جاتا کہ فلاں مکان میں فرنگی چھپا ہوا ہے تو باغی بغیر تصدیق کے اس مکان کا مال اسباب لوٹ لیتے اور بعض حالات میں مکینوں کو قتل کر دیتے۔ ہر اس شخص کو قتل کر دیا جاتا جس کے متعلق یہ شبہ ہوتا کہ وہ انگریزوں کی جاسوسی کر رہا ہے۔

۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کی صبح کو باغی سپاہی دلی میں داخل ہوئے اور شام تک وہ ساری دلی پر قابض ہو گئے۔ دلی پر باغیوں کا قبضہ ۱۴ ستمبر ۱۸۵۷ء تک رہا۔ اس مدت میں دلی کو امن و امان نصیب نہ ہو سکا۔ باغیوں کے دلی کا اگر انقلاب پسند پیرس سے مقابلہ کیا جائے تو حیرت انگیز تضاد دکھائی دیتا ہے۔ پیرس میں (۱۷۸۹ء) میں پورے طور پر امن و امان قائم رکھا گیا۔ لوگوں کو انقلاب کے مقصد سے آگاہ کیا جاتا۔ لوٹ مار کا وجود تک باقی نہیں تھا۔ ہر شخص دوسرے کو 'شہری' کہ کو پکارتا تھا۔ اسلحہ سازی کے کارخانے کھولے گئے۔ ان کارخانوں میں رضا کاروں کی ٹولیاں بھرتی کی گئیں۔ قومی فوج تیار کی گئی۔ لیکن دلی میں باغی فوجیوں نے لوٹ مار سے دلی کے تجارت پیشہ لوگوں کی ہمدردیاں کھو دیں۔ شہر کے بازار بند ہو رہے تھے۔ کھاری باؤلی اور دریبہ میں دکانوں کو دن دہارے لوٹ لیا جاتا۔ لوٹ مار کی اس گرم بازاری میں باغیوں سے ہمدردی کے جذبات کیونکر پنپ سکتے تھے۔ بہادر شاہ کی بادشاہت برائے نام تھی اس کے احکام بے اثر اور بے معنی تھے۔ باغی فوج کی کمان مرزا مغل اور بخت خاں کے ہاتھ میں تھی۔ مرزا مغل اور بخت خان فوجی امور میں ہمیشہ غیر متفق رہتے تھے۔ شہر کی بیشتر آبادی اس حادثہ کو باغی سپاہیوں اور کمپنی کا قضیہ خیال کرتی تھی۔

۷ جون ۱۸۵۷ء کو جنرل سر برنارڈ اپنی فوج سمیت دلی کے باہر نمودار ہوا۔ دلی پہنچ کر اسے معلوم ہوا کے توپوں کے بغیر وہ دلی فتح نہیں کر سکتا۔ جب اس کے پاس توپیں پہنچ گئیں تو اس کے پاس توپچی نہیں تھے۔ وہ توپچیوں کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔ جنرل برنارڈ ایک ہلہ بول کے دلی فتح کرنا چاہتا تھا۔ لیکن ایک جھڑپ میں اسے معلوم ہو گیا کہ یہ کام اتنا سہل نہیں ہے۔ جنرل سر برنارڈ کی فوج دلی کے شمال میں فصیل سے دو میل کے فاصلے ایک ماہی پشت سطح پر مقیم تھی۔ اسی اثناء میں دلی میں مختلف شہروں سے باغی

فوجیں جمع ہو رہی تھیں۔انگریزی فوج کو آہستہ آہستہ تھوڑی بہت کمک مل رہی تھی۔دونوں فوجوں میں لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ان لڑائیوں میں کبھی باغیوں اور کبھی انگریزوں کا زیادہ نقصان ہوتا۔۳۲ جون کو جنگِ پلاسی کی برسی منائی گئی۔اس دن باغیوں کی فوج کے حملوں نے شدت اختیار کر لی۔باغیوں نے دلی کی فصیل پر توپیں چڑھا دیں۔ان توپوں کے دہانے آگ اگلتے رہے۔اس دن لڑائی کا فیصلہ نہ ہو سکا۔

پنجاب میں سپاہیوں کی بغاوت فرو کرنے کے بعد سر جان لارنس اس قابل ہو گیا تھا کہ محاصرین کو زیادہ سے زیادہ کمک اور رسد بھیج سکے۔سکھ، گورکھے اور پنجابی مسلمان (دو ہزار کی تعداد میں) محاصرین کی امداد کے لیے پہنچ گئے۔ان کی آمد سے انگریزی فوج کے حوصلے بڑھ گئے۔اگلی صبح بریلی، مرشد آباد اور شاہ جہاں پور سے باغی سپاہیوں کی رجمنٹیں دلی میں داخل ہو گئیں۔ان کی آمد سے باغیوں کو یقین ہو گیا کہ انگریز دلی میں داخل نہیں ہو سکیں گے۔اسی شام بریلی کی باغی رجمنٹ کے افسر نے علی پور پر قبضہ کر چاہا لیکن ناکام رہا۔۵ جولائی ۱۸۵۷ کو جنرل برنارڈ چل بسا۔اب انگریزی فوج کا کمانڈر جنرل ولسن تھا۔اس وقت انگریزی فوج میں کل آٹھ ہزار سپاہی تھے۔ان میں سے آدھے انگریز تھے اور آدھے دیسی۔۸ اگست کو جنرل نکلسن کمک لے کر پہنچا۔اس کی فوج میں گیارہ سو گورے اور پندرہ سو پنجابی سپاہی تھے۔اس کمک کی آمد کے علاوہ باغیوں کو اس بات کا بھی پتہ چل گیا تھا کہ محاصرین کی کمک کے لیے پنجاب سے ایک توپ خانہ آ رہا ہے۔چنانچہ باغیوں کی ایک فوج بخت خاں کی قیادت میں رات کے وقت بہادر گڑھ کی طرف روانہ ہوئی تا کہ توپ خانے کو تباہ کر دے۔اس روانگی کی اطلاع پا کر جنرل نکلسن توپ خانہ کے لیے نکل پڑا۔بہادر گڑھ کے قریب دونوں فوجوں میں تصادم ہوا۔بخت خاں شکست کھا کر واپس ہوا۔اسی اثناء میں جنرل نکلسن نے باغی فوجیوں کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انگریزی مورچوں پر شدید حملہ کر دیا۔جنرل ولسن نے اس حملے کو روک دیا اس حملے میں باغیوں کا زیادہ نقصان ہوا۔

ستمبر ۱۸۵۷ء کے ابتدائی دنوں میں توپ خانہ پہنچ گیا۔۷ ستمبر کو باغیوں نے اندازہ کر لیا کہ انگریزی فوج بڑی شدت سے شہر پر گولیاں برسانے کی تیاری کر رہی ہے۔۱۱ ستمبر تک انگریزی توپیں اہم مقامات پر نصب کر دی گئیں۔۱۱، ۱۲، ۱۳ اور ۱۴ ستمبر کو شہر میں گولے برستے رہے۔باغیوں نے اس موقع پر بڑی بہادری کا ثبوت دیا۔انہوں نے فصیل میں سوراخ کر کے ہر انگریزی فوج کے سامنے اپنی توپ لگا

دی۔ ۱۱ستمبر کو دونوں طرف سے گولہ باری شروع ہوگئی۔ ۱۳ستمبر کی شام کو کشمیری دروازے کے قریب فصیل میں سوراخ ہو گئے۔ چنانچہ فیصلہ کیا گیا کہ اگلے دن دلی پر حملہ کیا جائے۔ ۱۴ستمبر کی صبح جنرل نکلسن کشمیری دروازے کی فصیل کی طرف بڑھا۔ باغیوں نے آگ برسانہ شروع کر دی۔ لیکن اس پر بھی جنرل نکلسن سیڑھی پر چڑھ گیا۔ جب نکلسن کے حکم سے فوج کا ایک دستہ اجمیر دروازے کر طرف بڑھا اور دوسرے دستے کو کابلی دروازے سے جامع مسجد پہنچنے کا حکم ملا۔ سرتھیوفیلس مٹکاف فوج کے ایک دستہ سمیت جامع مسجد پہنچ کر دوسرے دستوں کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔ ان سپاہیوں کی آمد سے جامع مسجد کے نمازیوں میں یہ مشہور ہوگیا کہ انگریزی فوج جامع مسجد کو گرانے کے لیے جمع ہورہی ہے۔ ہجوم نے تلواروں سے مسلح ہوکر حملہ کرنا چاہا۔ انگریزی فوج نے ان پر گولی چلادی۔ دست بدست لڑائی ہونے لگی۔ انگریزی دستہ کشمیری دروازے کی طرف بھاگ گیا۔

انگریزی فوج اگرچہ ۱۴ستمبر کو شہر میں داخل ہو چکی تھی پھر بھی پورے شہر میں اس کا قبضہ نہیں ہوا تھا۔ چار دن مزید گلی کوچوں میں لڑائی ہوتی رہی۔ باغی آہستہ آہستہ شہر چھوڑ کر بھاگ رہے تھے۔ ۹ستمبر کو انگریزی فوج کا سارے شہر پر قبضہ ہوگیا۔ انگریزی سپاہیوں نے ہر اس شخص کو قتل کر دیا جو ان کے سامنے آیا۔ انتقام اپنی پوری شدت سے ظاہر ہونے والا تھا، لوٹ مار اور تباہی کے مناظر ایک ایک کر کے سامنے آنے والے تھے۔ باغیوں نے جو کچھ کیا اس کا اعادہ ہونے والا ہے مگر بڑے پیمانے پر۔

بخت خان کے کہنے پر بہادر شاہ لال وقلعہ چھوڑ کر ہمایوں کے مقبرہ میں جا پہنچا۔ بخت خان چاہتا تھا کہ بہادر شاہ کو کسی دوسرے شہر میں لے جائے اور وہاں اس کے گرد فوج جمع کر کے دلی پر حملہ کرے۔ انگریز چاہتے تھے کہ بہادر شاہ کو باغیوں سے الگ کر لیا جائے۔ جب بہادر شاہ ہمایوں کے مقبرہ میں پہنچ گیا تو مرزا الٰہی بخش نے ہڈسن کو اطلاع دی کہ اگلے دن ایک دستہ لے کر مقبرہ کے مغربی دروازے پر پہنچ جائے۔ ہڈسن نے مرزا الٰہی بخش کو رجب علی کے ذریعے اطلاع پہنچادی کے کسی نہ کسی طرح بہادر شاہ کو بخت خان کے ساتھ جانے سے روک لے۔ اگلے دن بخت خان نے بادشاہ سے ملاقات کی اور اسے اپنے ساتھ جانے پر رضامند کر لیا۔ لیکن مرزا الٰہی بخش نے مخالفت کی اور کہا کہ بخت خاں چونکہ پٹھانوں کی حکومت قائم کرنا چاہتا ہے اس لیے حضور کو اس کے ساتھ نہیں جانا چاہیے۔ بہادر شاہ نے جسمانی کمزوری کا عذر کرتے ہوئے بخت خاں کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ اس انکار کے بعد بخت خاں مقبرہ کے مشرقی

دروازے سے نکل کر اپنے فوج سمیت ایسا غائب ہوا کہ کسی کو پتہ نہ چل سکا۔ مرزا الٰہی بخش نے ہڈسن کو تمام حالات سے آگاہ کر دیا۔ میجر ہڈسن پچاس سوار لے کے مقبرے کے مغربی دروازے پر آن پہنچا۔ اور بادشاہ کو اطلاع دی گئی کہ وہ اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کر دے۔ میجر ہڈسن نے بادشاہ، زینت محل اور جواں بخت کی جان بخشی کا وعدہ کیا۔ اس پر بہادر شاہ نے خود کو میجر ہڈسن کے حوالہ کر دیا۔ لال قلعہ کے اندر زینت محل کے مکان میں بادشاہ کو قید کر دیا گیا۔

میجر ہڈسن کی بتایا گیا کہ بہادر شاہ کے دو بیٹے مرزا مغل اور مرزا خضر سلطان اور ایک پوتا مرزا ابوبکر جو باغی سپاہیوں کے لیڈر تھے ہنوز ہمایوں کے مقبرہ میں مقیم ہیں۔ چنانچہ اگلے دن میجر ہڈسن سو سواروں کو ساتھ لے کر مقبرہ پہنچا اور تینوں شہزادوں سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دیں۔ شہزادوں نے میجر سے جان بخشی کا وعدہ لینا چاہا۔ اس پر میجر نے کہا کہ جان بخشی کا اختیار صرف جنرل ولسن کو ہے۔ مرزا الٰہی بخش کے کہنے سننے پر شہزادوں نے اپنے آپ کو میجر ہڈسن کے حوالے کر دیا۔

میجر ہڈسن نے شہزادوں کی رتھوں پر سوار ہونے کا حکم دیا۔ سواروں کے محاصرہ میں رتھیں دلی کی طرف روانہ ہوئیں۔ جب دلی ایک میل رہ گئی تو رتھوں کو روک لیا گیا۔ شہزادوں کو حکم دیا کہ وہ رتھوں سے باہر نکل آئیں اور شاہی لباس اتار دیں۔ شہزادے رتھوں سے باہر نکلے۔ انہوں نے شاہی لباس (بالائی پوشش) اتار دیا۔ میجر ہڈسن نے ایک سوار سے بندوق لے کر تین فائر کیے۔ تینوں شہزادے زمین پر گرے، تڑپے اور مر گئے۔ میجر ہڈسن شہزادوں کی نعشیں لے کر دلی پہنچا اور ان نعشوں کو کوتوالی میں لٹکا دیا۔ دلی میں یہ بات مشہور ہو گئی کے میجر ہڈسن نے تین شہزادوں کو قتل کرنے کے بعد ان کا خون پیا ہے۔ خون پیتے ہوئے اس نے یہ کہا تھا ''ان شہزادوں نے میری قوم کی بے بس عورتوں اور بے کس بچوں کے قتل میں حصہ لیا تھا۔ انہیں دیکھ کو میرا خون کھولنے لگا تھا۔ اس لیے اگر میں ان کا خون نہ پیتا تو پاگل ہو جاتا۔'' شہزادوں کی نعشیں ۲۴ گھنٹے کوتوالی پر لٹکی رہیں۔ شہزادوں کے سر کاٹ کر میجر ہڈسن نے انہیں بہادر شاہ کے سامنے پیش کرتے ہوئے کہا 'یہ آپ کی نذر ہے جو بند ہو گئی ہے اور جسے دوبارہ حاصل کرنے کے لیے آپ نے باغی سپاہیوں کا ساتھ دیا۔'

انتقام کی تلوار نیام سے باہر نکل آئی۔ تلوار کی پیاس انسانی خون ہی سے بجھ سکتی تھی۔ اس لیے اسے جی بھر کر انسانی خون پلایا گیا۔ جنرل نکلسن نے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ 'انگریز عورتوں اور بچوں کے قاتلوں

کے خلاف ایک ایسا قانون بنانا چاہیے جس کی رو سے ہم انہیں زندہ جلا سکیں یا گرم سلاخوں سے اذیت دے کہ انہیں ہلاک کر سکیں۔ ایسے ظالموں کو صرف پھانسی سے ہلاک کر دینے کا خیال ہی مجھے دیوانہ کیے دیتا ہے۔ کاش میں دنیا کے کسی ایسے دور افتادہ گوشے میں جا سکوں جہاں مجھے یہ حق حاصل ہو کہ میں اپنی مرضی کے مطابق انتقام لے کر اپنی بھڑاس نکال سکوں۔'' جنرل نکلسن کی اس خواہش میں موت حائل ہو گئی۔ وہ اسے پورا نہ کر سکا۔ لیکن اس کے ساتھیوں نے یہ کام کر دکھایا۔ ۱۹ ستمبر ۱۸۵۷ء تک باغی سپاہی دلی چھوڑ کر بھاگ چکے تھے۔ پچھلے چار دن سے آبادی اپنا مال و اسباب چھوڑ کر اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ رہی تھی۔ جب دلی کے گلی کوچوں میں باغیوں کی مزاحمت ختم ہوئی تو انگریزی فوج کے سپاہیوں نے شہری آبادی کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ ہندو اور مسلمان ایک ہی تلوار سے کاٹے جاتے تھے۔ لیکن بہت جلد انگریزی فوج کے سکھ سپاہیوں نے فرقہ وارانہ اندازِ قتل اختیار کر لیا۔ انہوں نے دلی کی مسلم آبادی سے مغل شہنشاہوں کے ان مظالم کا انتقام لینا شروع کر دیا جو صدیوں پہلے کیے جا چکے تھے۔ انگریزی فوج کے سکھ سپاہی مسلمانوں کو قتل کرنے میں مصروف ہو گئے۔

کوچہ چیلاں میں انگریز سپاہی حکیم فتح اللہ خاں کے زنانہ میں داخل ہو گئے۔ ان کی نیت ظاہر ہے۔ حکیم فتح اللہ نے ایک انگریز سپاہی کو جو پیش پیش تھا قتل کر دیا۔ اس پر انگریزی فوج کے افسرِ اعلیٰ کے حکم سے کوچہ چیلاں کے تمام مردوں کو گولی سے اڑا دیا گیا۔ ان مقتولوں میں مولانا صہبائی اور اپنے زمانہ کے نامور خطاط سید محمد امیر بھی شامل تھے۔ تڑپ تڑپ کر مرنے والوں اور خاک و خون میں لپٹے ہوئے شہریوں کا نظارہ فاتح سپاہیوں کے لیے ایک کھیل تھا۔ لیفٹیننٹ (بعد میں لاڈر) رابرٹس اس نظارہ کو اس طرح پیش کرتا ہے۔

> ''ہم لاہوری دروازہ سے ہوتے ہوئے چاندنی چوک گئے تو ہمیں دلی مردوں کا شہر دکھائی دیا۔ چاروں طرف خاموشی تھی۔ ہمارے گھوڑوں کی ٹاپوں سے یہ خاموشی ٹوٹتی تھی۔ ہم کسی زندہ انسان کو صورت نہ دیکھ سکے۔ ہر طرف مردے ہی مردے تھے۔ زمین مردوں کا بچھونا بنی ہوئی تھی۔ چلتے وقت ہم آہستہ آہست باتیں کرتے۔ ڈر تھا کہ کہیں ہماری آواز سے مردے

چونک نہ پڑیں۔ایک طرف نعشوں کو کتے کھا رہے تھے اور
دوسری طرف گدھ انہیں نوچ رہے تھے۔بعض مردوں کے ہاتھ
اوپر اٹھے ہوئے تھے۔یوں معلوم ہو رہا تھا کہ وہ کسی کو اشارہ کر
رہے ہیں۔ہماری طرح ہمارے گھوڑے بھی انہیں دیکھ کر ڈرتے
تھے۔''

چاندنی چوک کی کوتوالی کے سامنے ایک حوض کے تین طرف پھانسیاں دی گئیں تھیں۔تیسرے پہر کو ادھر بینڈ بجتا ادھر لال قلعہ سے مجرموں کی قطار روانہ ہوتی۔ان کے ہاتھ پیٹھ کی طرف بندھے ہوتے۔ مجرموں کو ایک قطار میں کھڑا کیا جاتا۔ان میں سے آدھے پھانسی پر لٹکا دیے جاتے اور آدھے موت کے انتظار میں کھڑے رہتے۔

دلی پر قبضہ ہو جانے کے بعد فوجی سپاہیوں کو تین دن کے لیے لوٹ کی اجازت دی گئی۔لوٹ مار اس انداز میں کی گئی کہ گویا آثارِ قدیمہ کے ماہروں کے جماعت کسی مدفون شہر کی کھدائی کر رہی ہے۔دلی کی دولت کی شہرت ایک زمانہ سے چلی آ رہی تھی۔اسی شہرت کے سبب وہ کئی بار اجڑی اور بسی۔ویران ہوئی اور پھر آباد ہوئی۔انیسویں صدی سے ۱۸۵۷ء تک دلی کی دولت میں نمایاں اضافہ ہو چکا تھا۔پُر امن زندگی سے کاروبار میں فروغ ہو گیا تھا۔محاصرہ کے دنوں میں انگریزی فوج کے سپاہیوں میں دلی کی لوٹ کا خیال پیدا ہو چکا تھا۔جب دلی پر انگریزی فوج کا پوری طرح سے قبضہ ہو گیا تو چارلس گرفتھس کے الفاظ میں 'شہر میں کافی لوٹ مار ہوتی رہی۔ہمارے سپاہی (انگریز اور دیسی دونوں) لوٹ مار کی غرض سے مکانوں میں داخل ہو جاتے اور اپنے کپڑوں میں بہت سی قیمتی چیزیں چھپا لیتے۔میں یہ بات یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ انگریزی رجمنٹوں کو بہت سے جواہرات اور سونے کے زیور ملے تھے۔میری اپنی رجمنٹ کے سپاہی نے مجھے موتیوں کی لڑیاں اور وہ اشرفیاں دکھائیں جو انہوں نے لوٹ میں حاصل کی تھیں۔افسروں اور سپاہیوں کی ایک بڑی تعداد بعد میں بڑی بڑی رقمیں دے کر فوج سے علیحدگی حاصل کر لی۔

''شروع میں تو کئی ایک سپاہی لوٹ مار سے باز رہے لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ ان سے کہیں بلند درجہ کے سپاہی لوٹ مار میں شریک ہیں تو ان کی دیانت بھی ختم ہو گئی۔ہر شخص میں یہ خواہش پیدا ہو چکی تھی کہ وہ لوٹ گھسوٹ کے مال سے اپنے اپنے کو دولت مند بنا لے۔جب میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ

لوٹ مار کے ارادوں سے شہر میں جاتا تو میں دوسرے افسروں کو بھی لوٹ کی تلاش میں پاتا۔ یہ اتفاقی ملاقاتیں بہت دلچسپ ہوتی تھیں۔ دونوں طرف سے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی جاتی تھی کہ اس کا مقصد لوٹ مار نہیں بلکہ محض سیر و تفریح ہے۔''

''ایک دن ہم ایک چھوٹے سے مندر میں داخل ہوئے۔ یہ مندر چاندنی چوک سے زیادہ فاصلے پر نہ تھا۔ مندر کی عمارت کے درمیان ایک بہت بڑا بت تھا۔ جسے ہمارے ہتھوڑوں نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ بت نے جواہرات، ہیرے، لعل، زبرجد اور اشرفیاں اگل دیں۔ ہم نے بہت سی قیمتی چیزیں اپنے پاس رکھ لیں اور کچھ سامان پرائز ایجنسی میں بھیج دیا۔

''ان واقعات کو کئی سال گزر چکے ہیں۔ لیکن ان تین ہفتوں کی لوٹ مار کی یاد اب تک میرے ذہن میں باقی ہے۔ میری زندگی کے یہ واقعات پریوں کے قصے یا الف الیلہ کی کہانیوں سے زیادہ ملتے جلتے ہیں۔

''انگلستان کے جس شہر میں ہم رہتے تھے وہاں کے جوہریوں کی دکانیں مشرقی وضع کے زیوروں سے بھری پڑی تھیں۔ جوہریوں نے یہ سارا سامان ہمارے سپاہیوں سے خریدا تھا۔ ۱۸۵۸ء میں لندن میں دلی کے جواہرات اور زیورات کی بڑی مانگ تھی۔ لندن کے ایک صراف نے مجھے ان چیزوں کی زیادہ سے زیادہ قیمتیں پیش کیں۔ لیکن میں دلی کے مالِ غنیمت کو ہندوستان چھوڑنے سے پہلے بیچ چکا تھا۔ اگر میں لوٹ کا سارا مال لندن لے آتا تو مجھے انبالے کی نسبت اس کی بہت زیادہ قیمت ملتی۔''

تین دن کی عام لوٹ مار کے بعد پرائز ایجنسی کے نام سے ایک محکمہ قائم کر دیا گیا تا کہ لوٹ سے بچے ہوئے ہر قسم کے مال کو جمع کر کے اسے نیلام کرایا جائے۔ اس محکمہ میں مختلف قسم کے سامان کے لیے مختلف مقامات پر گودام کھول دیے تھے۔ ایک گودام میں کتابیں جمع ہو رہی تھیں تو دوسرے میں برتن۔ جب لوگوں کی شہر میں واپس آنے کی اجازت ملی تو اس سامان کو ان کے ہاتھ فروخت کر دیا گیا۔ سب سے پہلے ہندوؤں کو شہر میں آباد ہونے کی اجازت ملی۔ پرائز ایجنسی نے ان سے جرمانہ وصول کیا۔ مارچ ۱۸۵۸ء میں مسلمانوں کو بھی شہر میں آباد ہونے کی اجازت مل گئی۔

بہت سے انگریز چاہتے تھے کہ جامع مسجد کو گرا دیا جائے۔ لیکن سر جان لارنس نے ان کی بات نہ مانی۔ سر جان لارنس کی ہی کوششوں سے بہادر شاہ کی جان نہ لی گئی۔ اس پر مقدمہ چلایا گیا اور اسے جلاوطن

کر رنگون بھیج دیا گیا۔ زینت محل اور جواں بخت کے علاوہ بہادر شاہ کے ساتھ ضروری ملازم بھی تھے۔ بہادر شاہ ۱۸۶۲ء تک شاہی قیدی کی حیثیت سے زندہ رہا۔

میرٹھ اور دلی کے واقعات نے کئی ایک دوسرے مقامات پر بھی اثر کیا۔ یہ اثر بعض مقامات پر طوفان کی ایک آدھ لہر سے ملتا جلتا تھا۔ لیکن سر ولیم ہنٹر کے الفاظ میں 'فوجیوں کی یہ بغاوت اودھ میں پہنچ کر قومی جنگ کی صورت اختیار کر گئی۔

گورنر جنرل نے مدراس اور بمبئی کے گورنروں کو حالات سے آگاہ کرنے کے بعد ان سے کمک طلب کی۔ مئی ۱۸۵۷ء کے اختتام پر کرنل نیل مدراس سے فوج لے کر کلکتہ پہنچ گیا۔ کلکتہ سے ریل گاڑی پر سوار ہو کر یہ فوج رانی گنج پہنچی۔ کرنل نیل بنارس سے اس وقت پہنچا جب کہ وہاں کے دیسی سپاہی بغاوت پر تلے ہوئے تھے۔ ۴ جون ۱۸۵۷ء کو بنارس چھاؤنی کے دیسی سپاہیوں نے اپنے افسروں پر حملہ کر دیا۔ سکھ سپاہیوں نے انگریزوں پر گولیاں چلانی شروع کر دیں۔ انہوں نے تین مرتبہ ہلہ کیا مگر انگریز سپاہیوں نے انہیں ہر بار پسپا کر دیا۔ چند منٹ میں ایک سو باغی سپاہی مارے گئے اور دو سو کے قریب زخمی ہوئے۔ اس فساد میں بہت سے دیسی سپاہیوں نے انگریزوں کا ساتھ نہ چھوڑا۔ جب کرنل نیل بڑی جرأت سے بنارس میں باغیوں کا مقابلہ کر رہا تھا تو اسے گورنر جنرل کی طرف سے حکم ملا کہ وہ فوراً الٰہ آباد پہنچ جائے۔ ''ایسا نہیں ہوسکتا۔ میری یہاں ضرورت ہے۔'' کرنل نے جواب دیا۔

الٰہ آباد میں حالات نازک صورت اختیار کر رہے تھے۔ دیسی سپاہیوں نے ۶ جون ۱۸۵۷ء کو پریڈ میں اپنی وفاداری کا یقین دلایا۔ چار گھنٹے بعد ان سپاہیوں نے اپنے سترہ افسروں کو قتل کر دیا۔ انگریز بچوں اور عورتوں کی قتل کرنے کے بعد یہ سپاہی (چھٹی دیسی پیادہ فوج) بینڈ پر 'خدا ملکہ کو سلامت رکھے' بجاتے ہوئے چل دیے۔ انگریزوں کے بنگلوں کو آگ لگا دی۔ ریلوے سٹیشن کا بھی یہی حشر ہوا۔ ریل گاڑیوں کے انجنوں پر دور سے گولیاں چلائی گئیں۔ کئی میل تک ٹیلی گراف کے تار اور ریل کی پٹری تباہ کر دی گئی۔ ۱۱ جون کو کرنل نیل اپنے سپاہیوں سمیت الٰہ آباد پہنچا۔ وہ باغی سپاہیوں کو گولی سے اڑا دیتا اور باغی شہریوں کو پھانسی پر لٹکا دیتا۔ اس نے الٰہ آباد پر پوری طرح قبضہ کر لیا۔

مئی کے مہینے میں کانپور کی دیسی فوجیں بے چینی کا اظہار کرتی رہیں۔ ۵ جون ۱۸۵۷ء کو کانپور کے تمام دیسی سپاہیوں نے بغاوت کر دی۔ چھاؤنی کو آگ لگانے کے بعد باغی سپاہی خزانہ کی طرف

بڑھے۔اس خزانے کی حفاظت نانا صاحب کے سپاہی کر رہے تھے۔خزانہ کے محافظ بھی باغیوں کی صف میں کھڑے ہو گئے۔باغیوں نے ایک لاکھ ستر ہزار پونڈ ہاتھیوں اور چھکڑوں پر لاد کر دلی جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔اس وقت تک نانا صاحب جس کا محل کانپور کے قریب ہی تھا غیر جانب دار رہا۔لیکن اگلی صبح وہ باغیوں کا سردار بن گیا۔اس کے حکم سے کانپور میں قتل و غارت گری کا بازار گرم ہو گیا۔باغیوں نے شہر کو آگ لگا دی۔نانا صاحب نے اپنے پیشوا ہونے کا اعلان کر دیا۔باغیوں نے انگریزی فوج کی خندقوں کے سامنے مورچے لگا دیے۔اسی اثناء میں باغی سپاہی آس پاس کے علاقوں سے انگریز عورتوں اور بچوں کو پکڑ کر کانپور لاتے رہے جہاں انہیں بڑی اذیت سے قتل کیا جاتا۔خندقوں میں محصور انگریزی سپاہیوں کو نانا صاحب نے الٰہ آباد جانے کی اجازت دے دی۔لیکن یہ لوگ کشتیوں میں دریا عبور کر رہے تھے کہ ان پر گولیوں کی بارش کر دی گئی۔جب نانا صاحب کو پتہ چلا کے انگریزی فوج کانپور کی طرف بڑھ رہی ہے تو اس نے ان تمام بنگالی کلرکوں کے ہاتھ اور ناک کٹوا دیے جو تجارتی فرموں کا کام کر رہے تھے۔ہر اس شخص کو قتل کر دیا گیا جس کے متعلق یہ شبہ تھا کہ وہ انگریزی پڑھنا، بولنا یا سمجھنا جانتا ہے۔یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ خود نانا صاحب اچھی خاصی انگریزی جانتا تھا۔

یکم جولائی ۱۸۵۷ء کو کرنل نیل نے میجر ریناڈ کی کمان میں جنرل ویلر کو کانپور میں امداد بھیجی۔دو دن کے بعد کانپور کو مزید کمک بھیجی گئی۔میجر ریناڈ کو قدم قدم پر مشکلوں کا سامنا تھا۔اودھ کی ساری آبادی باغی ہو چکی تھی۔چند دن بعد جنرل ہیولاک اپنی فوج سمیت کانپور روانہ ہوا۔فتح پور میں اس نے باغیوں کو شکست دی۔جنرل ہیولاک کی آمد کی خبر پا کر نانا صاحب اسے روکنے کے لیے آگے بڑھا۔۱۷ جولائی کو ہیولاک کانپور میں داخل ہوا۔دس دنوں میں ہیولاک نے ایک سو چھبیس میل سفر طے کیا۔چار لڑائیاں جیتیں اور چوبیس توپوں پر قبضہ کیا۔نانا صاحب کے محل کو آگ لگا دی گئی۔اس کی توپوں پر قبضہ کر لیا گیا۔ہیولاک نے کرنل نیل کو لکھا کہ وہ جلد از جلد کانپور پہنچ جائے۔کرنل نیل کانپور پہنچ گیا۔کرنل نیل نے اب مقتول انگریزوں کا انتقام لیا۔ہیولاک اب لکھنؤ روانہ ہو گیا۔لیکن باغیوں کے بڑھتے ہوئے جوش کو دیکھ کر وہ چند دنوں بعد کانپور واپس آ گیا۔اسی اثنا میں نانا صاحب نے کانپور پر حملہ کرنے کی پھر تیاریاں کر لیں تھیں۔وہ دس ہزار سپاہیوں کی فوج لے کر کانپور کی طرف بڑھ رہا تھا۔ہیولاک کی فوج میں تیرہ سو سپاہی تھے۔ہیولاک نے اپنے لیے خطرہ محسوس کرتے ہوئے کمک طلب کی۔میجر جنرل آؤٹ رم الٰہ آباد سے کانپور

روانہ ہوا۔تا کہ وہاں حالات پر قابو پانے کے بعد ہیولاک اور نیل کو لے کر لکھنؤ کو طرف بڑھے۔۱۵ ستمبر کو میجر جنرل آؤٹ رم کانپور پہنچا۔کانپور پر پوری طرح سے قبضہ کر لینے کے بعد انگریزی فوج لکھنو کی طرف بڑھی۔

انیسویں صدی میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو جب کبھی مالی پریشانیوں کا سامنا ہوا تو شاہانِ اودھ نے اس کی دل کھول کر مدد کی۔لیکن لین دین کا یہ معاملہ ہمیشہ کے لیے نہیں ہوسکتا تھا۔ایسٹ انڈیا کمپنی اودھ کے زرخیز علاقہ پر قبضہ کرنا چاہتی تھی۔چنانچہ لارڈ ڈلہوزی نے اودھ پر اس طرح قبضہ کیا جس طرح لارڈ ایلن برا نے سندھ پر کیا تھا۔لارڈ ڈلہوزی کے عہد میں اودھ میں مقیم برطانوی ریزیڈنٹ حکومتِ اودھ کے ہر چھوٹے بڑے معاملہ میں دخل دیتے رہے۔یہ مداخلت بار ہا شاہِ اودھ کی توپوں کے درجہ تک پہنچ گئی۔۱۸۵۴ء میں شاہِ اودھ نے اپنے ایک منشی کو ایسٹ انڈیا کمپنی کا جاسوس ہونے کے جرم میں جلاوطن کر دیا۔ریزیڈنٹ کا مقصد حکومتِ اودھ کے ہر شعبہ میں بے چینی اور بدنظمی پیدا کر کے الحاق کے لیے آسانیاں پیدا کرنا تھا۔اس مداخلت سے اودھ کی حکومت ایک تماشا بن کر رہ گئی۔کرنل سلیمین کرتا دھرتا تھا ۔اس نے حکومتِ اودھ کے بارے میں جو رپورٹ مرتب کی اسے پرکھنے کے لیے جنرل آؤٹ رم ۵ دسمبر ۱۸۵۴ء کو لکھنو پہنچا۔جنرل نے کرنل کی رپورٹ کی تصدیق کر کے اپنی رپورٹ لارڈ ڈلہوزی کے پاس بھیج دی۔لارڈ ڈلہوزی نے اودھ پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔۳۰ جنوری ۱۸۵۶ء کو جنرل آؤٹ رم نے شاہِ اودھ کے وزیرِ اعظم کو اطلاع کہ ایسٹ انڈیا کمپنی اودھ پر قبضہ کرنا چاہتی ہے۔شاہِ اودھ سے یہ بھی کہا گیا کہ وہ ایک معاہدہ پر دستخط کر دے جس میں یہ مرقوم ہو کہ شاہِ اودھ اپنی مرضی سے اودھ کے تخت کو چھوڑ رہا ہے۔شاہِ اودھ نے اسے ماننے سے انکار کر دیا۔شاہِ اودھ کو سوچنے کے لیے تین دن کی مہلت دی گئی۔تین دن کے بعد بھی شاہِ اودھ کا انکار قائم رہا۔۷ فروری ۱۸۵۶ء کو میجر جنرل آؤٹ رم نے اعلان کر دیا کہ ''آج سے اودھ پر ایسٹ انڈیا کمپنی کا قبضہ ہے۔''اس اعلان کے بعد اس نے کلکتہ کو سپریم کونسل کی ہدایات کے مطابق اودھ کے نظم ونسق کی طرف توجہ دی۔حکومت کے کئی ایک شعبوں کے افسروں اور کارکنوں نے کمپنی کی ملازمت سے انکار کر دیا۔شاہِ اودھ کی منتشر شدہ فوج کے سپاہیوں نے نئی فوج میں بھرتی ہونے سے گریز کیا۔شاہی محل پارکوں اور خزانوں پر قبضہ کر لیا گیا۔شاہی میوزیم اور لائبریری (جس میں دو لاکھ کتابیں تھیں) کو ضبط کر لیا گیا۔شاہ اودھ کے تازی، ایرانی اور انگریزی گھوڑوں کو نیلام کر دیا

گیا۔ بیگماتِ اودھ سے بھی ناروا سلوک کیا گیا۔ ۳۲ اگست ۱۸۵۶ء کو جب بیگمات کو محل سے نکالا گیا تو اس وقت عام خوش خلقی کے اصولوں کو بھی نظر انداز کیا گیا۔ واجد علی کو ایک لاکھ بیس ہزار کی سالانہ پنشن دے کر کلکتہ میں جلا وطن کر دیا گیا۔ لارڈ ڈلہوزی سے بغیر جنگ کیے اودھ پر قبضہ کر لیا۔ لیکن اس قبضہ کو برقرار رکھنے کے لیے ایسٹ انڈیا کمپنی کو ایک سال بعد اودھ کے کونے کونے میں لڑنا پڑا۔

مئی ۱۸۵۷ء میں دیسی فوجوں نے بے چینی کے مظاہرے کیے۔ جون میں اودھ کے گورنر سر ہنری لارنس نے کرنل نیل کو، جو اس وقت الہ آباد تھا، اطلاع دی کے باغیوں نے سیتا پور، شاہ پور اور فیض آباد پر قبضہ کر لیا ہے اور یہ کہ باغی سپاہی لکھنؤ کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ جون کے ختم ہونے سے پہلے باغیوں اور باغی سپاہیوں نے لکھنؤ کو گھیر لیا۔ اسی اثنا میں سارا اودھ انگریزوں کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ ۳۰ جون کو سر ہنری لارنس نے باغیوں کی ایک فوج پر حملہ کر دیا۔ لیکن شکست کھا کر واپس ہوا۔ اب سر ہنری نے ریزیڈنسی میں چلے جانے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ اگلے دن قلعہ میں آگ لگا کر وہ ریزیڈنسی میں چلا گیا جہاں وہ زخمی ہوا اور ۴ جولائی کو چل بسا۔ بریگیڈیر جنرل انگلس باغیوں کا مقابلہ کرتا رہا۔ سر ہنری لارنس کی موت اور لکھنو ریزیڈنسی میں جنرل ہیولاک کی آمد کی درمیانی مدت میں باغیوں نے ریزیڈنسی پر شدید حملے کیے۔ جنرل ہیولاک کانپور سے دو ہزار سپاہی لے کے لکھنو آ رہا تھا۔ باغیوں کی تعداد اس سے بیس گنا زیادہ تھی۔ باغیوں نے فیصلہ کر رکھا تھا کہ ہیولاک کو ریزیڈنسی میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ ریزیڈنسی میں محصور انگریزوں نے توپوں کی آواز سنی۔ اگلے دن یہ آواز زیادہ قریب ہوگئی۔ جنرل ہیولاک کی فوج شہر میں داخل ہو چکی تھی۔ ہر گلی اور ہر بازار میں لڑائی شروع ہوگئی۔ جنرل ہیولاک اور سر آؤٹ رم کی فوجیں ریزیڈنسی میں داخل ہوگئیں۔ ان فوجوں میں اتنی قوت نہیں تھی کہ وہ باغیوں پر غلبہ پا سکیں۔ پھر بھی ان کی آمد پر ریزیڈنسی میں محصور انگریزوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ مزید کمک کا انتظار ہونے لگا۔ سر آؤٹ رم نے اب اپنے مورچے کو وسیع کیا۔ چنانچہ آس پاس کے محلوں، باغوں اور مکانوں پر قبضہ کرنے کے بعد وہاں قلعہ بندیاں قائم کر دی گئیں۔ جب انگریزی فوج نے ان مقامات پر قبضہ کیا تو سپاہیوں نے ہیروں، کپڑوں، شالوں، ٹوپیوں، کتابوں، قلمی نسخوں، پستولوں اور دوسری چیزوں کو اس کثرت سے لوٹا کہ ان سے لندن کے پچاس سوداگروں کی دکانیں بھر گئیں۔

مسجدوں، محلوں اور پبلک عمارتوں کو مسمار کرتا ہوا سر کولن ریزیڈنسی کی طرف بڑھا۔ سر کولن کا ارادہ تھا

کہ وہ ریزیڈنسی کی فوج کو کانپور پہنچا دے۔لیکن اس کے خیال میں اتنی تھوڑی فوج سے باغیوں کا مقابلہ کرنا مشکل تھا۔ باغیوں کی تعداد پچاس ہزار تک پہنچ چکی تھی۔لکھنو چھوڑنے کا حکم دیا گیا۔سب سے پہلے زخمیوں کو دلکشا میں پہنچایا گیا۔دوسرے دن عورتوں اور بچوں کو۔تیسرے دن ریزیڈنسی کو ایک ایسی فوجی چال سے خالی کیا گیا کہ اس کے خالی کیے جانے کے بعد بھی باغی اس پر گولے برساتے رہے۔انگریز فوج ایک سپاہی ضائع کیے بغیر ریزیڈنسی سے دلکشا پہنچ گئی۔جنرل ہیولاک کو تھکاوٹ محنت اور پریشانی نے موت کی نیند سلا دیا۔

سرکولن کو کانپور سے اطلاع ملی کہ وہاں باغیوں کا پلہ بھاری ہو رہا ہے۔چنانچہ ۲۸ نومبر ۱۸۵۷ء کو وہ کانپور روانہ ہوا۔جنرل آؤٹ رم عالم باغ میں رہا۔سرکولن کے کانپور پہنچنے سے حالات انگریزوں کے حق میں ہو گئے۔سرکولن انگریز عورتوں اور بچوں کو الٰہ آباد بھیج دیا جہاں سے وہ کلکتہ چلے گئے۔

اب سرکولن دوبارہ لکھنؤ کی طرف بڑھنا چاہتا تھا۔اسی اثنا میں انگلستان سے تیئس ہزار سپاہی مدراس، بمبئی اور کلکتہ میں اتر چکے تھے۔کانپور کے اردگرد سے باغیوں کو نکالنے کے بعد سرکولن ۱۱ فروری ۱۸۵۷ء کو لکھنؤ کی طرف بڑھا۔چونکہ سرکولن کے پاس بہت بڑا توپ خانہ تھا اس لیے وہ آہستہ آہستہ لکھنؤ کی طرف بڑھا۔راہ میں ناظم محمد حسین اور بندہ حسین نے مقابلہ کیا۔لیکن شکست کھائی۔لکھنؤ میں حفاظتی تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔یکم مارچ ۱۸۵۸ء کو سرکولن نے بنتارا میں لکھنؤ پر حملہ کرنے کی اسکیم تیار کی۔سب سے پہلے وہ دریا کو پار کرنا چاہتا تھا۔محافظوں نے کشتیوں کا پُل تیار کر دیا تھا۔سنگین اور آہنی پلوں پر توپیں چڑھا دی گئیں۔سرکولن نے دلکشا پہنچ کر اپنی فوجوں کی صف بندی کی اور اپنی توپوں کا منہ شہر کی طرف کر دیا۔اس کی فوج کے دائیں طرف گومتی تھا اور بائیں طرف اس کی فوج عالم باغ تک پھیلی ہوئی تھی۔دلکشا سرکولن کا ہیڈ کوارٹر تھا۔سرکولن کی فوج ۲۳ ہزار تک پہنچ چکی تھی۔۶ مارچ کو دوبارہ لڑائی شروع ہوئی۔۷ مارچ نے لڑائی میں مزید تیزی دیکھی۔۹ مارچ کو توپوں نے شہر پر گولے برسانے شروع کر دیے۔محافظوں نے شکست کھائی۔انگریزی فوج شاہی باغ کی طرف بڑھی۔یہاں نے انگریزوں نے قیصر باغ کی لائینوں پر گولے برسانے شروع کر دیے۔۱۰ مارچ کو انگریزی فوج نے آہنی دروازے کے ایک حصے پر قبضہ کر لیا۔لکھنو کو پہلی حفاظتی لائین ٹوٹ چکی تھی۔۱۴ مارچ کو امام بارگاہ پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔اسی دن انگریزی فوج قیصر باغ میں داخل ہوئی۔لوگوں نے شہر سے بھاگنا شروع کر دیا۔جن محلوں

پر انگریزوں کا قبضہ ہوتا اس میں لوٹ مار ہوتی۔ اگلے دن باغی سپاہیوں کی ایک بہت بڑی تعداد بالائی اودھ اور روہیل کھنڈ کی طرف گئی۔ ۱۷ مارچ کو شہر پر انگریزوں کا پورا پورا قبضہ ہو گیا۔ لکھنو انگریزوں کے قبضہ میں آ چکا تھا لیکن باغی فوج ابھی بھی میدان میں تھی۔

لکھنو سے باغیوں کے نکل جانے کی اطلاع پر کلکتہ اور لندن میں شدید نکتہ چینی ہوئی۔ سر جیمز آؤٹ رم کی جگہ مونٹ گمری کو سول کمشنر مقرر کیا گیا۔ سر جیمز آؤٹ رم گورنر جنرل کی کونسل کا فوجی ممبر مقرر ہو ا۔ روہیل کھنڈ میں بہادر خاں باغیوں کی نمائندگی کر رہا تھا۔ نانا صاحب بھی لکھنو سے بھاگ کر بریلی پہنچ گیا تھا۔ باغیوں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ اگر انہیں روہیل کھنڈ میں ناکامی ہوئی تو وہ وسطی ہندوستان کی طرف چلے جائیں گے۔ اس فیصلہ سے مطلع ہو کر سر کولن نے باغیوں کو روہیل کھنڈ میں محصور کرنے کی سکیم مرتب کی۔ اور وسطی ہندوستان کے باغیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے بمبئی اور مدراس کی حکومتوں کو لکھ دیا۔ انگریزی فوج کا مقابلہ کرنے کے لیے بہادر خان نے بریلی میں تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ انگریزی فوج نے چاروں طرف سے روہیل کھنڈ پر حملے کیے تھے۔ لیکن انہیں کامیابی نہ ہو سکی۔ اپریل ۱۸۵۸ء گزر گیا۔ ۲ مئی کو سر کولن شاہجہاں پور سے بریلی کی طرف بڑھا۔ ۷ مئی کو باغیوں نے شہر کو خالی کر دیا۔ سر کولن کی غیر حاضری میں باغیوں نے شاہ جہاں پور کو گھیر لیا۔ بیگم اودھ، نانا صاحب اور شہزدہ (فیروز شاہ) اپنے سپاہیوں سمیت شاہجہاں پور پہنچ گئے۔ اسی اثنا میں سر کولن بھی کمک لے کر آ گیا۔ باغی منتشر ہو گئے۔

میرٹھ، دلی، کانپور، لکھنو اور بریلی کے علاوہ ہندوستان کے جن گوشوں تک بغاوت کا اثر پہنچا تھا ان کا تذکرہ بہت طویل ہے۔ اس کتاب کا ایک باب اس کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ ان کے بیان کے لیے ایک دفتر درکار ہے۔ مختصر طور پر چند واقعات پیش کیے جاتے ہیں۔

اودھ اور بنگال کے درمیان دینا پور (بہار) میں بھی جولائی ۱۸۵۷ء میں دیسی سپاہیوں نے بغاوت کی۔ اگست میں سارا بہار بغاوت پر آمادہ ہو گیا۔ ہر طرف بے چینی پھیلی ہوئی تھی ستمبر تک مشرقی بنگال اور آسام بھی بغاوت سے متاثر ہوئے۔

چونکہ آگرہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے شمال مغربی صوبوں کا صدر مقام تھا اس لیے وسطی ہندوستان، بریلی ، اودھ اور دوسرے مقامات سے بھاگے ہوئے انگریز وہاں پہنچتے رہے۔ پناہ گزینوں کو قلعہ میں رکھا گیا۔

آگرہ میں بھی بغاوت ہوئی۔اس بغاوت میں سپاہی اور غیر سپاہی دونوں شریک تھے۔

ناگپور میں مقیم انگریزی فوج میں دیسی سپاہیوں کی کافی تعداد تھی۔لیکن انگریز کمشنر نے جسارت اور ہشیاری سے ان کے ہتھیار چھین لیے۔جن سپاہیوں سے ہتھیار چھینے گئے تھے وہ زیادہ تر شمالی ہندوستان کے رہنے والے تھے۔مدراسی سپاہیوں نے چونکہ اپنی وفاداری کا ثبوت دیا تھا اس لیے انہیں مسلح رہنے دیا گیا۔جون کے اختتام تک بغاوت کے سارے آثار مٹائے جا چکے تھے۔ناگپور کے شمالی علاقوں میں بھی انگریز افسر دیسی سپاہیوں کو غیر مسلح کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

بندھیل کھنڈ مین بغاوت کا زور تھا۔اس بغاوت کا زور جھانسی میں تھا۔۴ جون ۱۸۵۷ء کو دیسی سپاہیوں نے بغاوت کی اور چھاؤنی میں کئی ایک انگریز قتل کر دیے۔بہت سے انگریزوں نے شہر کے قلعہ میں پناہ لی۔کافی مدت تک باغیوں کے مقابلہ کے بعد انگریزوں نے ہتھیار ڈال دیے۔باغیوں نے انہیں گرفتار کر کے مردوں کو ایک قطار میں کھڑا کر دیا، بچوں اور عورتوں کی دوسری قطار میں۔پہلے مردوں کی قتل کیا گیا اور بچوں کو ان کی ماؤں کے سامنے ٹکڑے ٹکڑے کیا گیا۔آخر میں عورتوں کی بھی قتل کر دیا گیا۔

اگرچہ ہلکر اور سندھیا ایسٹ انڈیا کمپنی کے وفادار تھے پھر بھی بغاوت ان کی ریاست تک جا پہنچی۔ہلکر کی فوجوں نے بغاوت کی۔ابدور میں کئی ایکا انگریز قتل کر دیے گئے، جولائی میں ہلکر کی ساری ریاست میں بغاوت پھیل گئی۔سندھیا بھی انگریزوں کا وفادار تھا۔لیکن اس کی ریاست میں بھی بغاوت ہوئی۔گوالیار کی ساری دیسی فوج نے بغاوت کر دی۔لیکن جب انہیں یقین ہو گیا کہ مہاراجہ ان کا شریکِ کار نہیں ہو سکتا تو باغی سپاہی بغاوت کے دوسرے مرکزوں کی طرف چل پڑے۔

سر ہیوروز کی ان علاقوں کی بغاوت کی روک تھام کے لیے بھیجا گیا۔وہ سب سے پہلے جھانسی کی طرف بڑھا۔نانا صاحب کا بھائی باغیوں کا سرغنہ تھا۔کھلے میدان میں باغیوں اور انگریزوں میں کئی ایک لڑائیاں ہوئیں۔سر ہیوروز نے جھانسی کا محاصرہ کر لیا۔اپریل ۱۸۵۸ء میں تانتیا توپی محاصرہ اٹھانے کے لیے ہلہ بول دیا۔وہ بڑی بہادری سے لڑتا رہا یہاں تک کہ جنگلوں کی طرف نکل گیا۔جھانسی کی رانی لکشمی بائی فصیل کی دیواروں پر سے اپنی فوج کی شکست دیکھ رہی تھی۔وہ اسی رات اپنے ہمراہیوں سمیت جھانسی سے بھاگ گئی انگریزی فوج جھانسی میں داخل ہو گئی۔لوٹ مار اور قتلِ عام!

تانتیا توپی کالپی میں اپنی فوجوں کو جمع کر رہا تھا۔آس پاس کے علاقوں سے باغی سپاہی وہاں جمع ہو

رہے تھا۔تانتیا توپی کی فوج میں دس ہزار سپاہی شامل ہو گئے۔تین ہزار مرہٹے اور سات ہزار مسلمان۔لکشمی بائی بھی تانتیا توپی کے پاس پہنچ گئی۔دونوں نے مل کر سر ہیو روز کی کالپی پہنچنے سے روکا۔لیکن دونوں نے شکست کھائی ہیوروز کالپی کی طرف بڑھتا چلا گیا۔کالپی میں انگریزوں اور باغیوں میں شدید لڑائیاں ہوئیں۔باغیوں نے رات کی تاریکی میں شہر خالی کر دیا۔سر ہیوروز کالپی میں داخل ہو ا۔اگلے روز باغی سپاہی گوالیار میں داخل ہو گئے۔سندھیا کو گدی سے اتار دیا گیا۔اس نے آگرہ کی راہ لی۔نانا صاحب پیشوا کے اعلان کو دہرایا گیا۔باغیوں نے سندھیا کے خزانوں پر قبضہ کرلیا۔

جب سر ہیوروز کی اطلاع ملی کہ باغیوں نے گوالیار پر قبضہ کرلیا ہے تو وہ فوج لے کر سندھیا کی راج دھانی کی طرف بڑھا۔لکشمی بائی نے اس کمک کو روز تک نہ جانے کے لیے اس پر حملہ کر دیا۔شدید لڑائی ہو ئی۔لکشمی بائی زخمی ہو کر گھوڑے سے گر پڑی۔تانتیا توپی نے اس کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے لڑائی جاری رکھی۔لیکن شکست کھائی۔تانتیا توپی آٹھ ہزار فوجیوں کی لے کے جے پور کی طرف روانہ ہوا۔باغیو ں کی مرکزیت ٹوٹ چکی تھی۔ستمبر ۱۸۵۸ء کے بعد گوریلا لڑائیں ہوتی رہیں۔یہاں تک کہ نانا صاحب نیپال میں چلا گیا۔تانتیا توپی نے اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں۔یہاں تک کے اس نے گرفتار ہو کر موت کی سزا پائی۔منگل پانڈے نے جس بغاوت کو شروع کیا تھا اسے تانتیا بائی کی موت نے ختم کیا۔

تنگ نظر مورخوں نے ۱۸۵۷ء کی تصویر کا صرف ایک رخ دکھایا ہے۔باغی سپاہیوں کے مظالم کو تاریک ترین لفظوں میں بیان کی گیا۔ان مؤرخوں کی وقائع نگاری نے ساری انگریز قوم کے دل میں ہندوستانیوں کے خلاف نفرت پیدا کرنے کی کوشش کی۔جب تصویر کا صرف ایک رخ ہی سامنے ہو تو دوسرا رخ دیکھنے کی تڑپ ضرور پیدا ہوتی ہے۔دوسرا رخ دیکھتے ہی جذبات میں جوش پیدا ہوتا ہے۔جوش کے جذبہ سے متاثر ناظر تصویر کے پہلے رخ کی بھول جاتا ہے۔۱۸۵۷ء کی تصویر سے یہی سلوک ہوتا رہا۔دیکھنے والوں کو صرف ایک ہی رخ سے مشتعل کرنے کی کوشش ہوتی رہی۔ظاہر ہے کہ جب تک تصویر کے دونوں رخ پیش نہ کیے جائیں اس وقت تک اس واقعہ کے اسباب ونتائج مرتب نہیں ہو سکتے۔صرف ہندوستانیوں کے ظلم وستم پیش کرنے والے مؤرخوں نے اپنی جماعت کی ضد پیدا کی۔مؤرخوں کی اس دوسری جماعت نے صرف دوسری طرف کے مظالم کو اجاگر کیا۔جس سے اسباب ونتائج کی ترتیب میں وہی دقت حائل رہی۔وقائع نگاری کی دیانت کا یہی تقاضا ہے کہ تصویر کے دونوں رخ پیش کیے

جائیں۔جس ہندوستانی طالب علم کو نانا صاحب کے مظالم پڑھائے جاتے ہیں اسے یہ بھی بتایا جانا چاہیے کہ کرنل نیل الٰہ آباد سے کانپور پہنچا تو اپنے پیچھے سڑک کے دونوں کناروں کے درختوں پر ہندوستانیوں کی نعشوں کو لٹکتا ہوا چھوڑ گیا۔

میرٹھ کی فوجی بغاوت نے صوبجاتِ متحدہ، دلی، کسی حد تک صوبہ جاتِ متوسط اور بہار میں ایک عام بغاوت کی صورت اختیار کر لی۔ پنجاب کے کئی ایک مقامات میں سپاہیوں نے بغاوت کی۔ عام پنجابی اس بغاوت میں شریک نہ ہوئے۔ پنجاب کی کثیر آبادی پچھلے سو سال سے کچلی جا رہی تھی۔ اس میں نہ ملکی شعور تھا اور نہ قومی بیداری۔ سکھوں کی شکست سے سپاہی منتشر ہو چکے تھے۔ ان کا پیشہ سپہ گری تھا۔ ان سپاہیوں کا بھرتی ہو کر دوسرے صوبوں میں جانا کسی قسم کی حیرت پیدا نہیں کرتا۔ چند سال پہلے ان صوبوں کے سپاہی بھی تو انگریزی فوج میں بھرتی ہو کر پنجاب کو شکست دے چکے تھے۔ یہ کہنا کہ ۱۸۵۷ء کی بغاوت اس لیے ناکام رہی کہ پنجابی سپاہیوں نے دلی کے محاصرہ میں انگریزوں کی مدد کی تھی تاریخی واقعات کی نتائج کے اسباب کو جھٹلاتا ہے۔ ۱۸۵۷ء کی بغاوت کی ناکامی یقینی تھی۔ فوجیوں نے بغاوت کی۔ عوام ان کے ساتھ ہو لیے۔ انگریز دشمنی کے جذبات کو بھڑکایا گیا۔ جوش میں آ کر لوگوں نے ایسے کام کیے جو انقلاب پسندوں کے شایانِ شان نہیں ہوتے۔ **عوام کو ایسے نظام کو بچانے کے لیے لڑایا گیا جو اپنے طبعی سن تک پہنچ چکا تھا۔** ان باغیوں نے دلی پر قبضہ کرنے کے بعد بہادر شاہ کی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ شاید یہ بات بھی سکھوں کے لیے ناقابلِ قبول ہو۔ بوڑھا، کمزور اور شاعر بہادر شاہ بیاسی کے سن میں ہندوستانی عوام کے حقوق کے متعلق کیا اعلان کر سکتا تھا۔ ہندوستانیوں کی کون سی قوم تھی جو اس تخت پر کلہاڑے نہیں چلا چکی تھی؟ بہادر شاہ کے نام پر مغلوں، افغانوں، سکھوں، راجپوتوں، روہیلوں اور مرہٹوں کو ایک جا نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ان سب کو اکٹھا کرنے کے لیے 'انسانی حقوق کی آزادی کے اعلان' کی ضرورت تھی۔ باغی سپاہی اور عوام نہ انسانی حقوق سے واقف تھے اور نہ آزادی کے مفہوم سے آشنا۔

بغاوت کا نعرہ 'انگریزوں کو نکال دو' تھا۔ اس لیے اس بغاوت میں تمام ایسے عناصر شریک ہو گئے جنہیں انگریزوں سے نقصان پہنچا تھا۔ ان عناصر میں کوئی ہم رنگی نہیں تھی۔ وہ سب کے سب اپنے اپنے

خیال کے مطابق 'ہندوستان کی آزادی' کے لیے لڑ رہے تھے۔ آزادی کے متعلق ہر پارٹی کا اپنا اپنا خیال تھا۔ یہ خیالات اگرچہ ظاہر نہیں کیے گئے تھے لیکن ان کے وجود سے انکار نہیں ہوسکتا۔ ایک مشترکہ دشمن نے مخالف اور متضاد عناصر کو یکجا کر دیا۔ لیکن ان عناصر کے تحت الشعور میں اپنی اپنی عظمت اور اپنے اپنے راج کا جذبہ کارفرما تھا۔ جب بہادر قلعہ چھوڑ کر ہمایوں کے مقبرہ میں پناہ گزین ہوا تو اس وقت بخت خاں نے اسے کہا کہ وہ وہ باغیوں کے ساتھ دلی چھوٹ کر کسی دوسرے شہر چلا جائے۔ لیکن جب بہادی شاہ سے کہا گیا کہ ''بخت خاں پٹھان ہے اور وہ حضور کی مروا کر خود بادشاہ بننا چاہتا ہے'' تو بہادر شاہ نے اس کا مزید ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ اس ایک واقعہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ بغاوت کرنے والوں کے خیالات اور مقاصد کس قدر مختلف تھے۔

ایک ہنگامی مقصد نے جن مخالف اور متضاد عناصر کی اکٹھا کر دیا تھا ان کا زیادہ دیر ایک ساتھ رہنا ناممکن تھا۔ ہندستان وطنیت اور قومیت کے تصور سے نا آشنا تھا۔ ہندوستان جن عناصر سے عبارت تھا وہ ایک دوسرے مخالف تھے۔ ان عناصر کو انگریزوں سے لڑایا گیا۔ اگر یہ عناصر کامیاب ہو بھی جاتے تب بھی ان کا زیادہ دیر تک ایک دوسرے کے ساتھ رہنا ناممکن تھا۔ ان عناصر کے تصادم سے ایک طویل وہ خوف ناک خانہ جنگی شروع ہو جاتی۔

جب دلی میں بہادر شاہ کے بادشاہ ہونے کا اعلان کیا گیا تو اس وقت پنجابی مسلمان نے اس بغاوت میں کیوں شرکت نہ کی؟ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ''پنجابی مسلمان چونکہ کے غلامی پر قانع تھا، اس لیے وہ آزادی کی جنگ میں شریک نہیں ہوا'' پنجابی مسلمان کے متعلق اس قسم کی رائے تاریخی واقعات سے آنکھیں بند کر کے دی جاتی ہے۔ ایک ایسی جماعت جو پچاس ساٹھ سال تک دبائی جاتی رہی تھی جس کے ہر مذہبی، شہری اور تمدنی احساس کی کچلا جا چکا تھا، جس کے لیے کوئی پناہ نہ تھی، جس کے گھر بار ویران تھے اس سے یہ امید کرنا کے کہ اپنے اس آقا کے خلاف فوراً بغاوت کر دیتی جس نے اسے (اپنا محکوم بنانے کے لیے) ذلت و محرومی سے نکالا تھا۔

سکھ، جن کی قوت کو انگریزوں نے آٹھ سال پہلے توڑا تھا، اس بغاوت سے الگ رہے۔ اس کی علاحدگی کے اسباب مختلف تھے۔ سکھ کسی ایسی تحریک میں شامل نہیں ہونا چاہتے تھے جس سے انگریزوں کے علاوہ کوئی دوسری ہندوستانی قوم دلی کو پھر سے مرکز بنا کر سارے ہندوستان پر قابض ہو جاتی۔ ان کے

ذہن میں پرانے واقعات کی یاد تازہ تھی۔ وہ دلی کی پرانی شہنشاہیت سے انتقام لینے کے لیے انگریزی فوج میں بھرتی ہو گئے۔

۱۸۵۷ء کی بغاوت ناکام رہی۔ اس نے مغلیہ سلطنت اور کمپنی کی حکومت ختم کر دی۔ ہندوستان ایسٹ انڈیا کمپنی کے قبضہ سے نکل گیا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے سیاسی اقتدار کے ختم ہونے کے ساتھ ہی یہ کتاب بھی ختم ہوتی ہے۔ اگلے باب میں اس عہد کی کتابوں اور اخباروں پر ایک سرسری نگاہ دوڑائی گئی ہے۔ تاج برطانیہ کے ماتحت ہندوستان کی سیاسی اور تمدنی سرگرمیوں کو 'برطانوی ہندوستان' میں پیش کیا جائے گا۔

# اخبار اور کتابیں

کلائیو اور کیننگ کی درمیانی مدت میں ہندوستان کی معاشرت میں نمایاں تبدیلی ہوئی۔ اس صدی میں مغلوں کے جن صوبہ داروں نے اپنی خود مختار حکومتیں قائم کی تھیں ان میں سے چند ایک ہی اپنا وجود برقرار رکھ سکیں۔ مغلوں کی سلطنت مٹ گئی۔ مرہٹوں نے ہندوستان کی مرکزی سلطنت کی برقرار رکھنے اور اسے زیرِ نگیں کرنے کے لیے جدوجہد کی۔ لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ دکن میں ٹیپو سلطان اپنی سیاسی آزادی کی حفاظت میں لڑتا ہوا مارا گیا۔ مرہٹوں کا اقتدار ختم ہو گیا۔ اودھ کی مملکت مٹ گئی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی قائم کردہ سلطنتِ پنجاب بھی اسی دور میں ختم ہو گئی۔ اس دور میں اپنے پیش رو دور کی تمام علمی، ادبی اور صنعتی ترقیوں کو ختم کر دیا۔ طوائف الملوکی کے اس دور میں ہندوستان کا زندگی کے کسی شعبہ میں ترقی کرنا ناممکن تھا۔ ایک اجنبی قوم کے سیاسی تفوق نے ہندوستانی زندگی کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں۔ مغلوں کے زوال کے بعد اگر ہندوستان کی کوئی قوم مرکزیت قائم رکھنے میں کامیاب ہو جاتی تو ہندوستان بہت بڑے سیاسی اور صنعتی نقصان سے بچ جاتا۔ لیکن ایک اجنبی قوم کے سوداگروں کی ایک جماعت نے، جس کے پیش نظر محض نفع اندوزی تھی، ہندوستان کے بڑے سے بڑے نقصان کو اپنے مفاد کے لیے نظر انداز کر دیا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے اس سیاسی غلبہ نے ہندوستان کے مسلمانوں کو ہر لحاظ سے کمزور کر دیا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی سیاسی غلبہ کے عروج میں بھی نظم و نسق سے رعایا کے حقوق کی نگہداشت کا کام نہیں لے رہی تھی۔ ہندوستان کے بہت سے حصوں میں نراج کا دور دورہ تھا۔ کاشتکار کھیتی باڑی سے غافل تھا اور صناع کو بدحالی نے بے کار کر دیا تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے حصہ داروں کو اپنی رعایا کی تعلیم کا زیادہ خیال نہیں

تھا۔اس کے باوجود اس دور میں جن علمی کاوشوں کا آغاز ہوا وہ اب تک جاری ہیں۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہد میں ہندوستان کی معاشی حالت کیونکر بہتر رہ سکتی تھی۔ایک ایسے ملک کو کہ جس کی درآمد برآمد سے کئی گنا تھی، محض درآمد کے لیے مخصوص کر دیا گیا۔اس طرح ہندوستان کی معاشی حالت روز بروز خراب ہوتی گئی۔ ہندوستان کے دستکاروں نے انگلستان کی مشینوں کا حیرت انگیز طور پر مقابلہ کیا۔وہ اس مقابلے میں جیت جاتے اگر انہیں بھی کسی قومی حکومت کے تحفظات یا مراعات حاصل ہوتیں۔ایسٹ انڈیا کمپنی کو ہندوستان کی صنعت وحرفت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔لہٰذا زوال یقینی تھا۔زوال آیا، بیکاری سے جو لوگ بچ جاتے، انہیں قحط ختم کر دیتا۔اس پر بھی ایسٹ انڈیا کمپنی ہر سال اپنے حصہ داروں میں زیادہ سے زیادہ منافع تقسیم کرتی۔معیارِ زندگی بہت گر گیا۔افلاس نے ادب اور آرٹ کی تخلیق کے ساتھ ستائش کا جذبہ بھی چھین لیا۔

مغلوں کے زوال نے فنونِ لطیفہ کو سخت نقصان پہنچایا۔فنونِ لطیفہ کے سرپرست مٹ چکے تھے۔آرٹسٹ جاگیردار کی سرپرستی سے محروم ہو گیا۔اس کے لیے کوئی دربار باقی نہ رہا۔دلی کے آرٹسٹوں نے حیدرآباد اور لکھنو کی راہ لی۔کیونکہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو اپنے سول ملازموں کے لیے فارسی کی تعلیم دلانا ضروری تھا۔اس لیے کمپنی ابتداء میں ہر سال اپنے چند ملازموں کو دوسرے ملکوں میں بھیجتی تھی۔لیکن آخر کار کمپنی نے اپنی آسانی کے لیے بعض فارسی مدرسے اور اشاعتی ادارے قائم کیے۔مغلوں کے عہدِ حکومت میں اگرچہ دفتری زبان فارسی تھی لیکن انہوں نے دیسی زبانوں کی بھی سرپرستی کی۔کمپنی کے عہدِ حکومت میں بھی فارسی کو دفتری زبان کی حیثیت حاصل رہی۔یہاں تک کہ انیسویں صدی کے دوسرے ثلث میں اردو نے فارسی کی جگہ لے لی۔

جنگِ پلاسی سے پیشتر فارسی زبان شاہی سرپرستی سے محروم ہو چکی تھی۔لیکن اس کے باوجود ہندوستان بھر میں فارسی مدرسے موجود تھے۔اس قسم کے مدرسے انگریزوں کے آنے سے پیشتر پنجاب میں باقی تھے۔بعض مقامات میں آج بھی اس قسم کے مدرسے موجود ہیں۔اس مدرسوں میں ملک اور ملت سے قطع نظر ہندوستانی طالب علم تعلیم حاصل کرتے رہے۔لارڈ مٹکاف کے عہد تک اس قسم کے فارسی مدرسوں کا جال ہندوستان بھر میں بچھا ہوا تھا۔مغلوں نے فارسی کی ہر طرح سے حوصلہ افزائی کی۔لیکن ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔جب ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنی رعایا کی تعلیمی ضروریات کا احساس

کیا تو اس وقت ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستانیوں کو انگریزی زبان میں تعلیم دلانے پر آمادہ ہو چکی تھی۔

ابتداء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازم محض تاجر تھے۔اس لیے ان میں سے سوائے چند ایک کے دوسروں کو فارسی، اردو یا بنگالی پڑھنے کی ضرورت نہیں تھی۔فارسی وکیلوں اور فارسی منشیوں سے ان کا کام چل جاتا تھا۔لیکن جب کمپنی نے ملک گیری شروع کی اور اس کی سلطنت میں اضافہ ہوا تو اسے زبان کا مسئلہ درپیش ہوا۔چنانچہ فارسی کی طرف توجہ کی گئی۔کمپنی کے بعض ملازموں نے اس زبان پر پوری دسترس کے لیے فارسی کتابوں کے انگریزی میں ترجمے کیے۔علم وادب کی تاریخ میں یہ بات بڑی اہمیت رکھتی ہے۔انگریزوں کو فارسی زبان کی تعلیم دینے کے لیے وارن ہیسٹنگز نے کلکتہ میں ایک مدرسہ قائم کیا لیکن یہ مدرسہ زیادہ کامیاب نہ ہو سکا۔لارڈ ویلزلی نے کمپنی کے سول ملازموں کے لیے فورٹ ولیم کالج قائم کیا۔اس کالج کا مقصد کمپنی کے ملازموں کی فارسی اور دیسی زبانوں کی اعلیٰ تعلیم دینا تھا۔اس کالج کے لیے بہترین پروفیسر مقرر کیے گئے۔عربی کے لیے جان بیلی، فارسی کے لیے کرک پیٹرک، فرانسیسی کے لیے گلیڈون، نیل بنجمن اور ایڈمونسٹون اور ہندوستانی کے لیے جان گلکرسٹ مقرر کیے گئے۔ان کے علاوہ کئی ایک دوسرے مشاہیر بھی فورٹ ولیم کالج کے اسٹاف میں شامل تھے۔فورٹ ولیم کالج ہی میں اردو نثر کو سلاست اور روانی نصیب ہوئی۔مقفیٰ طرزِ تحریر کی ترک کر دیا گیا۔

اردو نے خواہ شمالی ہندوستان میں جنم لیا یا وہ دکن میں پیدا ہوئی اس کی ابتداء فارسی اور دیسی زبانوں کی آمیزش سے ہی ہوئی۔صدیوں تک اس نے محض بول چال کا کام ہی لیا جاتا رہا۔جب یہ زبان علمی اور ادبی خیالات کے اظہار کے قابل ہو گئی تو اس میں بلاتکلف اظہارِ خیال ہونے لگا۔یکساں ماحول کی وجہ سے اردو نثر و نظم نے شمال اور جنوب میں یکساں اسلوبِ بیاں اختیار کیا۔جنوب اور شمال کی ہم عصر اردو مقفیٰ اور مسجع تھی۔اس اسلوبِ بیان میں چونکہ الفاظ کو معنی پر ترجیح دے جاتی ہے اس لیے اردو نثر میں زیادہ مفید کام نہ ہو سکا۔فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں جدید اردو نثر کا سنگِ بنیاد رکھا گیا۔اسلوبِ بیان میں سادگی آ گئی۔اظہار مطلب کے لیے آسان الفاظ استعمال ہونے لگے۔کالج کے ہندوستانی شعبہ میں میر امین، شیر علی افسوس، میر بہادر علی حسینی، میر کاظم علی جوان، نہال چند لاہوری، للولال جی، بنسی نرائن اور دوسرے مشاہیرِ ادب شامل تھے۔فورٹ ولیم کالج نے اردو میں بہت سی علمی کتابیں شائع کیں۔اس کالج کے نثر نگاروں نے بہت جلد دلی کو متاثر کیا۔لکھنو متاثر ہوا۔اس کالج کے علاوہ دلی کالج اور آگرہ کالج نے اردو

زبان میں بہت سی کتابیں شائع کیں۔ جدید نثر نگاری نے انشاء کو اس حد تک متاثر کیا کہ اس نے 'رانی کیتکی کی کہانی' لکھی جو عربی اور فارسی کے الفاظ سے خالی تھی۔ فورٹ ولیم کالج کی سرپرستی میں بہت سی کتابیں شائع ہوئیں۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائرکٹروں کو چونکہ اس کالج سے کوئی منافع نہ مل سکتا تھا اس لیے انہوں نے اسے بند کر دیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب فارسی کا دور آہستہ آہستہ ختم ہو رہا تھا۔ فورٹ ولیم کالج کے پرنسپل ڈاکٹر گلکرسٹ نے ایک انگریزی ہندوستانی لغت اور ایک ہندوستانی گریمر مرتب کی۔ ہندوستانی زبان کے متعلق جان گلکرسٹ کا خیال یہ تھا کہ وہ ہندوستان کی دوسری صوبائی زبانوں سے زیادہ ترقی یافتہ ہے اور ہندوستان کے ایک وسیع حصہ پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس لیے وہ ایسی نثر پیدا کرنا چاہتا تھا جو ہندوستان میں عام سرکاری زبان کا کام دے سکے۔ لیکن اس زمانے میں نہ صرف ہندوستانی بلکہ دوسری صوبائی زبانوں میں بھی یہ صلاحیت موجود نہ تھی کہ ان میں سے کسی ایک کو فارسی کی جگہ دی جاتی۔ فورٹ ولیم کالج نے اردو نثر میں ایک نیا اسلوب پیدا کیا۔ اردو کا معیار بلند ہونا شروع ہو گیا۔ انشاء اللہ انشاء نے عام لوگوں کی زبان کی اتنی قوت بخشی کہ اس نے دربار کی مصنوعی زبان کی مسند سے ہٹا دیا۔ ۱۸۰۴ء میں اس نے شاہِ انگلستان کی مدح میں جو قصیدہ لکھا اس میں وہ پوڈر، گیلاس بٹن اور بگل کے انگریزی الفاظ استعمال کرتا ہے۔ اس کی ذہانت کا اس بات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس نے بے شمار ہندی ترکیبیں ایجاد کیں۔ اردو نثر کی مقبولیت کا ایک بڑا سبب قرآن شریف کا وہ اردو ترجمہ تھا جو مولانا عبدالقادر دہلوی نے کیا۔ یہ ترجمہ ۱۸۲۲ء میں شائع ہوا۔ مشرقی بنگال میں مولوی کرامت علی نے اردو نثر میں بہت سی مذہبی اور اصلاحی کتابیں لکھیں۔ اس زمانے میں بنگالی نثر نے ترقی کی طرف قدم اٹھایا۔ وہ اگرچہ اردو نثر کے بعد میدان میں آئی لیکن چھپائی کی آسانیوں اور بنگال کے درمیانہ طبقہ کی ضرورتوں کے پیشِ نظر اردو سے آگے نکل گئی۔ اس زمانے میں اردو نثر کی کتابیں ٹائپ میں چھپتی تھیں۔ لیکن اردو کی مقبولیت میں ٹائپ کی عدم مقبولیت سنگِ گراں ثابت ہوئی۔ چنانچہ جب ۱۸۳۷ء میں دلی میں لیتھوگرافی کا پہلا چھاپہ خانہ قائم ہوا تو بہت جلد اردو کی کتابوں کی مانگ بڑھ گئی۔ نیز اردو اخبار بھی نکلنے شروع ہو گئے۔ دلی کالج کے قیام سے اردو میں اعلیٰ درسی نصاب مرتب ہو گیا۔ بنگالی نثر کی طرح اردو نثر پر انگریزی کا ادب براہِ راست اثر نہ پڑا۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء سے پیشتر بنگالی نثر نمایاں ترقی کر چکی تھی۔ لیکن اردو اس سے بہت پیچھے تھی۔ اردو میں لکھنے والے عام طور پر انگریزی نہیں جانتے تھے لیکن بنگالی اہلِ قلم عام طور پر انگریزی جانتے تھے۔ غالبؔ

نے اردو نثر میں ادبی نثر کی بنیاد رکھی۔ غالب کے خطوط میں وہ تمام خوبیاں ہیں جن سے ادبی نثر مزین ہوتی ہے۔

اس صدی میں اردو نظم نے بھی بہت سے دور دیکھے۔ اردو نظم نے نثر سے پہلے اپنے لیے جگہ پیدا کر لی تھی۔ ہندوستان کے سیاسی نراج نے مایوسی اور ناامیدی پیدا کر رکھی تھی۔ یاس کی اس شدت نے اردو شاعروں کی متاثر کیا درباری شاعری کی داد دینے والے ختم ہو گئے۔ شاعروں کے پاس افسردگی کے سوا کچھ نہ تھا۔ عوام جہالت اور ناامیدی کا شکار تھے۔ امراء کو بدامنی کا سامنا تھا۔ ان حالات میں شاعر جو کچھ کہ سکتے تھے وہ ظاہر ہے۔ سوداؔ (۱۷۱۳ء سے ۱۷۸۰ء) نے دلی کی ویرانی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا لیکن وہ دلی میں ہی رہنا چاہتا تھا۔ اپنی زندگی کے آخری ایام میں وہ نواب شجاع الدولہ کے دربار (فیض آباد) میں پہنچا۔ شجاع الدولہ کی وفات پر آصف الدولہ نے لکھنو کو اپنی راجدھانی بنایا۔ چنانچہ سودا بھی لکھنو پہنچا۔ سودا کے 'شہر آشوب' سے معلوم ہوتا ہے کہ شہنشاہ دلی کی بیادے 'سوڈریں سر منڈاتے نائی سے' اور 'سوار گریں سوتے میں چارپائی سے'، مسجدیں ویران اور عمارتیں بے آباد تھیں۔ باغوں میں پھولوں کی جگہ کمر کمر تک گھاس تھی۔ سوداؔ کی طرف میر تقی میرؔ (متوفی ۱۸۱۰ء) بھی دلی کی تباہی اور بربادی کا نقشہ پیش کرتا ہے۔ دلی کی بربادی کے بعد لکھنو اردو کا مرکز بن گیا۔ چنانچہ میرؔ کو بھی دلی چھوڑ لکھنو جانا پڑا۔ فورٹ ولیم کالج کلکتہ نے انہیں مدعو کیا لیکن بڈھے میرؔ کے لیے لکھنو چھوڑا مشکل تھا۔ سودا کی شاعری میں طنز کے نشتر ہیں لیے میر کی شاعری میں درد، سادگی اور جوش زیادہ ہے۔ میرؔ نے اپنی زندگی کے جو حالات لکھے ان سے اس زمانہ کے سیاسی اور مدنی حالات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ انشاء اللہ انشاء کی جدت پسندی دلی کے درباری اسلوب سے بالکل جدا تھی۔ دلی میں اسے مقبولیت نہ مل سکی۔ لکھنو میں انشاء نواب سعادت علی خاں کا مصاحب بن گیا۔ لیکن شاہی عتاب نے اس کی زندگی کے آخری دنوں کو تلخ کر دیا۔ انشاء کی طباعی اور ذہانت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ انشاء نے دربار میں ہوتے ہوئے بھی دربار کی زبان استعمال نہ کی۔ اردو شاعری میں عوام کی زبان استعمال کرنے میں نظیر اکبر آبادی انشاء سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ انشاء اور نظیر ہم عصر تھے۔ نظیر کا فکر و لغت محدود نہیں۔ اس کے خیالات میں وسعت اور الفاظ میں اثر ہے۔ اس نے ہر اس موضوع پر طبع آزمائی کی جس کا تعلق عوام سے تھا۔ انیسویں صدی میں حقیقت سے گریزاں شاعری کے خلاف سب سے پہلے اکبر آباد (آگرہ) کے اسی شاعر نے بغاوت کی۔ لکھنو دربار کی وجہ سے

اردو ادب میں مرثیہ اور ڈراما نے نمایاں ترقی کی۔ مرثیہ میں انیس اور دبیر ہم عصر تھے۔ ان کی شاعری محض فصاحت و بلاغت کی نمائش نہ تھی۔ ان کا کلام محض درباری حلقوں کے لیے نہ تھا۔ انہیں ان عظیم الشان واقعات پر کامل اعتقاد تھا جنہیں وہ مختلف پہلوؤں سے اپنے مرثیوں میں بیان کرتے تھے۔ ان کے مخاطب عالم اور عامی دونوں قسم کے لوگ تھے جو سنجیدہ مذہبی مجالس میں جمع ہوتے تھے۔ انیس کی شہرت، شخصیت، پڑھنے میں ان کی پُر تاثیر آواز اور انداز جن کے باعث ان کا کلام دلوں میں اتر جاتا ہے اور ذوقِ شاعری جو ان کے خاندان میں موروثی تھا۔ ان خصوصیات کی بدولت اور ان کے ساتھ دبیر کی طباعی کی بدولت، جو ان کے ہم پلہ تھے، اردو شاعری میں مرثیے کو لاجواب حیثیت حاصل ہو گئی۔ یہ اصحاب اپنی جولانیٔ طبع کا میدان وسیع کرتے گئے۔ حتیٰ کہ زندگی کے جس قدر واقعات و تجربات ان کو معلوم تھے وہ سب ان کے مرثیے میں نظم ہو گئے۔ ان کے مذہبی عقائد کے باعث ان کے کلام میں خلوص کی موجودگی لازم تھی۔ قدرتی مناظر، خانگی زندگی کے نظارے، ادائے فرض کے لطیف احساسات، ضمیر کی آواز، عجز و انکسار، محبت، دوستوں اور ہم جلیسوں کی وفاداری اور دیگر ہزاروں باتیں شستہ اور رواں اشعار میں رزمیہ شاعری کی فراوانی اور شان و شوکت کے ساتھ نظم کی گئی ہیں۔ جب اس زبردست تحریک کا خاتمہ ہو گیا جس کے باعث ہنرمند اور طباع شاعر زندگی کے اس قدر وسیع اور متنوع واقعات پر زورِ طبع صرف کرنے لگے تھے تو مرثیہ کم تر قابلیت والوں کے ہاتھوں عامیانہ معیار پر آ گیا اور اس کا اثر وسیع ادبی دنیا کی بجائے محض ایک محدود حلقے تک رہ گیا۔

امانت کے ڈرامے 'اندر سبھا' نے اردو ادب میں ایک نئی طرح ڈالی۔ لیکن اس زمانے میں اردو سے کہیں زیادہ بنگالی ڈرامے کو فروغ حاصل ہوا۔ اس زمانے میں اگرچہ دربارِ لکھنو کی سرپرستی کے باعث وہاں علم و فن کا چراغ روشن تھا تاہم دلی میں ابوظفر بہادر شاہ نے شعر و شاعری کی محفل کو گرمائے رکھا۔ وہ خود ایک اچھا شاعر تھا۔ شیخ محمد ابراہیم ذوقؔ اس کا استاد تھا۔ غالبؔ ان دونوں کا ہم عصر تھا لیکن فکر و فن میں اس نے اپنے لیے نئی راہیں نکالیں۔ غالبؔ نے نظم و نثر سے اردو کی متاثر کیا۔ ذوقؔ، غالبؔ اور ظفرؔ کے متعدد نمایاں ہم عصر شاعروں میں مومنؔ بھی تھا۔ مومنؔ اب تک اپنے مستحق مرتبہ سے محروم ہے۔ دلی کا یہ حسین اور نفاست پسند شاعر درباروں سے دور رہا۔ شاید اسی سبب اس کے ہاں قصیدوں کی کمی ہے۔ وہ سادگی کی ترجیح دیتا ہے۔ وہ مشکل پسند ہے۔ اس کا کلام فارسیت میں ڈوبا ہوا ہے۔

جس زمانے میں اردو کے محرر انگریزی کا لفظ تک نہیں جانتے تھے بنگالی ادیب اور شاعر انگریزی ادب سے متاثر ہو کر بنگالی کے دامن کو وسیع کر رہے تھے۔ جب اردو زلف و خال کو دانہ و دام بنا کر پیش کر رہی تھی تب بنگال مسائل حیات کے حل میں مصروف تھا۔ بنگالی نے اردو سے پہلے ادبی اور تعلیمی حیثیت حاصل کر لی۔ صوبجاتی زبانوں کی وجہ سے عربی فارسی اور سنسکرت کی اعلیٰ تعلیم ایک جماعت کے لیے مخصوص ہوگئی۔ ہندوستان کی صوبجاتی زبانوں کی یہ تحریک یورپ کی تحریکِ احیاء سے ملتی جلتی ہے۔ احیاء سے پہلے یورپ کی علمی زبان لاطینی تھی۔ لیکن اس تحریک کے بعد فرانسیسی، انگریزی، جرمن، اطالوی اور دوسری زبانیں علمی حیثیت اختیار کر گئیں۔

متعدد نامور انگریز عالموں کی بدولت عربی فارسی اور سنسکرت کی بلند مرتبہ کتابوں کے انگریزی میں ترجمے ہوئے۔ ایک انگریز کی بدولت اٹھارہویں صدی کے اختتام پر ناگری اور فارسی ٹائپ ایجاد ہوئی۔ اردو والوں نے ٹائپ کو ناپسند کیا۔ اردو پیچھے رہ گئی، بنگالی نے ٹائپ کو سراہا۔ بنگالی آگے نکل گئی۔ سیرام پور کے عیسائی مشنریوں نے اپنے مذہب کی اشاعت کے لیے بنگالی زبان کو اختیار کیا۔ انہوں نے ٹائپ میں بنگالی کتابیں چھاپنا شروع کر دیں۔ بائیبل کے بنگالی ترجمہ کے علاوہ انہوں نے انگریزی زبان کی کئی ایک مفید کتابوں کو بنگالی میں منتقل کر کے شائع کیا۔ بنگالی نثر کی ترقی میں پروفیسر کیری کا بہت بڑا حصہ ہے۔ جوشوا مارشمین نے سیرام پور میں کاغذ کا کارخانہ قائم کیا۔ ولیم وارڈ سیرام پور کے پریس کا نگران تھا۔ ان تینوں کی سرگرمیوں سے بنگالی زبان کی بہت زیادہ فروغ ملا۔ ۱۸۳۹ء میں بنگالی زبان کو بنگال کی سرکاری زبان تسلیم کر لیا گیا۔

ولکنز نے فارسی اور اردو کا جو ٹائپ تیار کیا تھا وہ ہندوستان میں اٹھارہویں صدی کے اختتام اور انیسویں صدی کے آغاز میں استعمال ہونے لگا۔ فورٹ ولیم کالج میں اردو اور فارسی کی جو کتابیں شائع ہوئیں وہ اسی ٹائپ میں تھیں۔ ۱۸۳۷ء کے بعد اردو اور فارسی کے لیے لیتھو گرافی استعمال ہونے لگی۔ ہندوستان کی بہت سے صوبائی زبانوں نے ٹائپ ہی کو اختیار کیا۔

ہندوستان میں انگریزی اخبار نویسی کی ابتداء کلکتہ میں ہوئی۔ ۱۷۸۰ء میں جیمز آگسٹس ہکی نے کلکتہ سے انگریزی زبان میں 'ہکنیر بنگال گزٹ' جاری کیا۔ دو سال بعد اس کو گرفتار کیا گیا اور اس کے پریس کی ضبط کر لیا گیا۔ ۱۷۸۵ء میں ایک سہ ماہی رسالہ 'دی ایشیاٹک مسلینی' جاری ہوا اور قریب قریب

اسی زمانہ میں ہفتہ وار اخبار 'کلکتہ گزٹ' جاری ہوا۔۱۸۱۵ء میں یہ اخبار 'گورنمنٹ گزٹ' بن گیا۔گورنمنٹ گزٹ کی اخباری حیثیت ۱۸۲۲ء میں ختم ہوگئی۔۱۷۸۰ء میں مدراس سے اور ۱۷۸۹ء میں بمبئی سے انگریزی اخبار جاری ہوئے۔''سماچار درپن' بنگالی زبان کا پہلا اخبار تھا۔اس کا پہلا پرچہ ۲۳ مئی ۱۸۱۸ء کو شائع ہوا۔اس اخبار کے چلانے والے سیرام پور کے عیسائی مشنری تھے۔اسی سال گنگا دھر بھٹاچاریہ نے 'بنگال سماچار' جاری کیا۔۱۸۲۱ء راجہ رام موہن رائے نے بنگالی زبان میں ہفتہ وار اخبار 'سمند کموودی' نکالا۔ایک سال بعد راجہ رام موہن رائے نے فارسی زبان میں 'مراۃ الاخبار' جاری کیا۔یہ اخبار اس زمانے کے آزاد خیال لوگوں میں بہت مقبول ہوا۔منشی سدا سکھ اور منی رام ٹھاکر کے اخبار 'جامِ جہاں نما' اور 'شمس الاخبار' بھی اسی زمانہ میں شائع ہوئے۔۱۸۲۳ء میں بمبئی سے گجراتی زبان میں 'بمبئی سماچار' جاری ہوا۔۱۸۲۳ء میں کلکتہ سے گیارہ اخبار انگریزی میں ،نو بنگالی میں اور ایک فارسی میں نکلتا تھا۔۱۸۳۷ء میں اردو صحافت کا آغاز ہوا۔اس سال بنارس سے 'خیر خواہ ہند' اور دہلی سے 'سید الاخبار' جاری ہوئے۔اس اخبار کی نوعیت ادبی تھی۔ان اخباروں کے علاوہ دلی سے بعض دوسرے اخبار بھی شائع ہوئے۔ان میں مغلیہ خاندان کے آخری بادشاہ ابوظفر بہادر شاہ اخبار بھی شامل تھا۔۱۸۵۰ء میں ہرسکھ رائے نے لاہور سے 'کوہِ نور' شائع کیا۔اسی سال گوجرانوالہ سے 'گلزارِ پنجاب' اور سیالکوٹ سے 'خورشید عالم' جاری ہوا۔اس زمانہ میں طباعت اور صحافت میں لکھنو نے ایک نمایاں حیثیت اختیار کر لی تھی۔۱۸۵۰ء میں وہاں تیرہ چھاپے خانے تھے۔دلی کے 'صادق الاخبار' (فارسی) کے اقتباسات کو بہادر شاہ کے مقدمہ میں پیش کیا گیا۔علمی اور تاریخی مضامین کے لیے بابو گووندر گھوناتھ کا 'آفتابِ ہند' (بنارس) اس زمانے میں مقبول تھا۔۱۸۵۷ء سے پہلے ہندوستان میں انگریزی ، بنگالی ، اردو ، گجراتی اور فارسی اخباروں کی تعداد بہت کافی تھی۔

۱۸۵۷ء میں اخباروں پر پابندیاں عائد کر دی گئیں۔نئے پریس ایکٹ کی رو سے حکومت اپنے پورے اختیارات استعمال کرنے لگی۔ان پابندیوں کا ہندوستانی اخباروں پر بہت برا اثر پڑا۔لیکن بیس سال کے بعد ہندوستانی صحافت از سرِ نو ترقی کر گئی۔۱۸۵۷ء میں پریس پر پابندیاں لگاتے وقت ہندوستان کی تاریخ میں پہلی بار دیسی اور انگریزی اخباروں میں امتیاز کیا گیا۔سولہویں صدی کے وسط میں پرتگیزوں نے گوا میں دو پریس لگوائے تھے۔ایک پرتگیزی نے تامل اور ملیالم رسم الخط کا ٹائپ تیار

کیا۔ چنانچہ ۱۵۵۷ء میں ان میں سے ایک زبان کی پہلی کتاب ٹائپ میں چھاپی گئی۔ جس زمانے میں شمالی ہندوستان والے پریس سے نا آشنا تھے تب جنوبی ہندوستان کے کئی شہروں میں پرتگیزوں کی بدولت دیسی زبانوں کے پریس قائم ہو چکے تھے، یہ بات معلوم کرنا باقی ہے کہ اس زمانے میں پرتگیزی یا کسی دوسری زبان میں کوئی اخبار بھی نکلتا تھا یا نہیں۔ جیمز آگسٹس ہکی نے ہندوستان میں انگریزی زبان کا پہلا اخبار ۱۷۸۰ء میں کلکتہ سے جاری کیا۔ ہندوستان میں صحافت کا آغاز چونکہ حکومت کی مدح یا قصیدہ سرائی سے نہیں ہوا تھا اس لیے ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکمران جماعت کو شروع ہی سے اخباروں کے متعلق بدگمانی ہو گئی۔ اٹھارہویں صدی میں ہندوستان کے تمام اخبار انگریزی زبان میں شائع ہوتے تھے۔ ان اخباروں کے انگریز ایڈیٹر ایسٹ انڈیا کمپنی کی پالیسی پر سخت نکتہ چینی کرتے تھے۔ اس نکتہ چینی کے پیش نظر ۱۷۹۴ء سر جان شور کے نزدیک 'کلکتہ کے اخباروں نے جو رویہ اختیار کر رکھا ہے، اس کا جاری رہنا بہت خطرناک ہوگا۔'' پانچ سال بعد اخباری نکتہ چینی نے ویلزلی سے یہ کہلوایا کہ 'میں بہت جلد ایڈیٹروں کی پوری جماعت کے لیے ایک قانون مرتب کرنے والا ہوں۔' ویلزلی کے مرتب کردہ پریس ایکٹ کی رو سے جب تک کوئی مقرر کردہ شخص اخبار کا معائنہ نہیں کر لیتا اس وقت تک اخبار شائع نہیں ہو سکتا۔ اس قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کو انگلستان بھیج دیا جاتا تھا۔ اس قانون کے ساتھ ہی کلکتہ میں سنسر کا شعبہ بھی قائم ہو گیا۔ اس احتساب نے کمپنی کے مالی معاملات کے متعلق خبروں کی اشاعت ممنوع کر دی۔ جہازوں کی آمد و رفت، کمپنی کی سیاسی سرگرمیوں اور افسروں کے انتظامی امور کے متعلق خبریں شائع کرنا خلافِ قانون قرار دیا گیا۔ ۱۸۰۱ء میں کلکتہ سے گورنمنٹ گزٹ شائع کیا گیا۔ اس گزٹ کے اجراء کا مقصد ان اخباروں کے اثر کو کم کرنا تھا جو پریس ایکٹ اور سنسر کی عائد کردہ پابندیوں پر عمل نہیں کرتے تھے۔ ۱۸۱۱ء میں اخباروں پر مزید پابندیاں عائد کر دی گئیں۔ لارڈ ہیسٹنگز کے عہد میں اخباروں کو نسبتاً آزادی حاصل تھی۔ اس کے حکم سے سنسرشپ کا محکمہ توڑ دیا گیا۔ ۱۸۲۳ء میں جو قانون نافذ کیا گیا، اس کی رو سے حکومت سے لائسنس حاصل کیے بغیر کوئی شخص اخبار، اشتہار یا کتاب نہیں چھاپ سکتا تھا۔ چھاپہ خانہ کے لیے بھی لائسنس حاصل کرنا ضروری تھا۔ اس نئے قانون کے خلاف راجہ رام موہن رائے نے کلکتہ کی عدالتِ عالیہ میں اپیل کی۔ چونکہ فیصلہ اس کے خلاف ہوا تھا اس لیے انہوں نے پروٹسٹ کے طور 'مراۃ الاخبار' بند کر دیا۔ اس سلسلہ میں راجہ صاحب ملک نے معظم سے بھی اپیل کی تھی۔ ۱۸۲۵ء کے آخری دنوں میں ایک

نئے قانون کے ذریعے سرکاری ملازموں کا اخباروں کی ادارت یا ملکیت سے بے تعلق ہونا ضروری تھا۔ ۱۸۳۵ء میں میکالے کے مرتب کردہ مسودہ نے قانونی صورت اختیار کر لی۔ اس قانون کی بنیاد یہ تھی کہ ہندوستان کے تمام طبقوں کی اظہار خیال کی آزادی ہونا چاہیے۔ اس قانون کے لیے سر چارلس مٹکاف کو گورنر جنرل کے عہدہ سے سبک دوش ہونا پڑا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایک ڈائریکٹر کے الفاظ میں 'پریس کی آزادی اس کا ناقابلِ معافی جرم ہے۔' سر چارلس مٹکاف کے قانون کا نتیجہ اخباروں کی تعداد میں اضافہ کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اس قانون کی رو سے سرکاری ملازموں کو اخباروں کی ادارت یا ملکیت میں شریک ہونے کی اجازت مل گئی۔ یہ قانون ۱۸۵۷ء تک جاری رہا۔ اس سال اخباروں پر بہت سی پابندیاں لگائی گئیں۔

دیسی زبانوں کے احیاء کی تاریخ میں پنجاب کی پوزیشن جدا گانہ تھی۔ پنجاب جہاں مختلف قوموں اور نسلوں کا مقامِ اتصال ہے وہاں پنجابی زبان مختلف زبانوں کا آمیزہ ہے۔ مغلوں کے دورِ حکومت میں سلطنت کے دوسرے صوبوں کی طرح پنجاب کی دفتری زبان بھی فارسی تھی۔ اٹھارہویں صدی کے آخری سالوں میں پنجاب کے مدرسوں میں فارسی اور عربی کے علاوہ دینیات اور اخلاق کی تعلیم کے لیے پنجابی زبان کی کتابیں بھی پڑھائی جاتی تھیں۔ انیسویں صدی میں دوسری صوبائی زبانوں نے نثر میں نمایاں ترقی کی۔ لیکن پنجابی زبان اس ترقی سے محروم رہی۔ تقریباً ایک سو سال تک پنجاب داخلی انتشار اور خارجی حملوں سے تباہ ہوتا رہا۔ اندرونی بے چینی اور بیرونی انتشار نے پنجابیوں کی زندگی کو پریشان کر دیا تھا۔ پریشانی کے اس عالم میں کسی نئی زبان کی ترقی کے امکان کہاں تھے۔ دفتری کام کاج تھوڑا یا بہت جو بھی تھا اس دور میں فارسی ہی میں ہوتا رہا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد میں دفتری اور خارجی تعلقات کی زبان فارسی ہی رہی۔ جب انگریزوں نے پنجاب کو فتح کیا تو وہ انگریزی کے ساتھ اردو بھی لائے۔ پنجاب کی دفتری زبان اردو بن گئی۔

وارن ہیسٹنگز کے زمانہ میں فارسی ادب دلی کی سرپرستی سے محروم ہو چکا تھا۔ لیکن اس پر بھی فارسی علوم وفنون اس حد تک باقی تھے کہ ہیسٹنگز نے خواہش کی کہ آکسفورڈ میں فارسی زبان کی تعلیم یونیورسٹی کے نصاب کا ایک جزو قرار دی جائے۔ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی نے نہ صرف سنسکرت، عربی اور فارسی کی پرانی کتابوں کا ترجمہ کیا بلکہ اس زمانہ کے کئی ایک مصنفوں کی تازہ کتابوں کا ان کی علمی حیثیت کے پیشِ نظر

انگریزی میں ترجمہ بھی کرایا۔اس زمانہ میں کئی ایک جدید کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کیا گیا۔تفضّل حسین خاں، جو ۱۷۸۸ء سے ۱۷۹۲ء تک کلکتہ میں آصف الدولہ کا وکیل رہا، یورپ کی بہت سی زبانوں میں مہارت رکھتا تھا۔اس نے نیوٹن کی بعض کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کیا۔تعلیمی حیثیت سے اٹھارہویں صدی ہندوستان کی تاریک صدی ہے۔سیاسی بے چینی اور خوف وہراس کی آندھیوں میں مدرسوں کا چراغ کیونکر روشن ہوسکتا تھا۔بڑی بڑی درس گاہیں شاہی سرپرستی سے محروم ہوگئیں۔وارن ہیسٹنگز نے ۱۷۸۰ء میں 'کلکتہ مدرسہ' قائم کیا۔۱۷۹۱ء میں بنارس میں سنسکرت کالج قائم ہوا۔اس کالج کا مقصد عدالتوں کے لیے پنڈت فراہم کرنا تھا۔ایک مدت بعد اس کالج کو بنارس کالج میں مدغم کر دیا گیا۔ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازموں کی تعلیم کے لیے لارڈ ویلزلی نے ۱۸۰۰ء میں کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج قائم کیا۔مدراس اور بمبئی میں بھی اس قسم کے کالج قائم ہوئے۔انیسویں صدی کے پہلے نصف میں بنگال میں انگریزی زبان نے تیزی سے ترقی کی۔صوبائی ضرورتوں نے اس دور میں بنگالی زبان کو ترقی کا موقع دیا۔انیسویں صدی کے آغاز میں پنسرہ میں ایک مدرسہ قائم کیا گیا جس میں بنگالی کے ذریعہ تعلیم دی جاتی تھی۔بنگال میں انگریزی زبان اس قدر مقبول ہورہی تھی کہ ۱۸۱۷ء میں ہندو کالج کے نام سے ایک غیر سرکاری درس گاہ قائم ہوگئی۔انگریزی کے علاوہ کلکتہ کے ہندو کالج میں بنگالی اور فارسی بھی پڑھائی جاتی تھی۔اس کالج کی بدولت بنگالیوں میں سائنٹفک خیالات نے جگہ پائی۔قدامت پسند طبقہ بنگال کے ان نوجوانوں کے نئے خیالات سے بہت پریشان ہوا۔۱۸۲۴ء میں تعلیم یافتہ بنگالی نوجوان 'انگریزی میں نا صرف روانی بلکہ سلیقہ سے بات چیت کر سکتے تھے۔'۱۸۲۸ء میں دلی کالج اور آگرہ کالج قائم ہوئے۔ان کالجوں میں انگریزی پڑھنے والوں کی تعداد کافی تھی۔چونکہ انگریزی خواں کو ملازمت حاصل کرنے میں آسانیاں تھیں اس لیے نوجوان انگریزی تعلیم پر ٹوٹ پڑے۔انگریزی زبان کی تعلیم کے لیے ہندوستان کے صوبوں میں غیر سرکاری اسکول قائم ہورہے تھے۔انگریزی کی مقبولیت دراصل اسے سرکاری زبان بنائے جانے کا مطالبہ تھا۔لہذا سرکاری مدرسوں میں نہ صرف انگریزی پڑھائی جانے لگی بلکہ انگریزی کو مروجہ علوم وفنون کا ذریعہ بھی بنادیا گیا۔انگریزی کی اس عمومیت کا آگے چل کر دیسی زبانوں کے ادب پر بڑا خوشگوار اثر پڑا۔دیسی زبانوں کا ادب تازہ ترین افکار سے مالا مال ہونے لگا۔۱۸۵۴ء کے بعد ہندوستان میں نئی تعلیمی تجویز پر عمل کیا گیا۔اس تجویز کی رو سے غیر سرکاری مدرسوں کی مالی مدد ملنا شروع ہوگئی۔نیز اعلیٰ درجوں

کے لیے انگریزی اور ادنیٰ درجوں کے لیے دیسی زبانوں کی ذریعہ تعلیم بنایا گیا۔اسی تعلیم کی رو سے ۱۸۵۷ء میں کلکتہ، بمبئی اور مدراس میں یونیورسٹیاں قائم کی گئیں۔

۱۸۵۷ء تک ہندوستان میں انگریزی تعلیم کافی حد تک پھیل چکی تھی۔انگریزی تعلیم کے سبب سے ہندوستان کے مختلف صوبوں کے نوجوان فلسفہ، سائنس اور دوسرے علوم کے جدید تصورات سے آشنا ہوئے۔اس آشنائی نے صوبائی زبانوں کو ترقی دی۔اسی انگریزی خوان طبقہ نے آگے چل کر ہندوستان کے سارے صوبوں میں درمیانے طبقے کی صورت اختیار کر لی۔

---

## تختیاں

(بابر سے بہادر شاہ تک)

۱۵۲۶ء تا ۱۸۵۷ء

بابر۔۔۔۔۔۱۵۲۶ء تا ۱۵۳۰ء

ہمایوں۔۔۔۱۵۳۰ء تا ۱۵۵۶ء

(بنگال کے افغان گورنر شیر شاہ نے ۱۵۴۲ء میں ہمایوں کو ہندوستان سے نکال دیا۔اس کا خاندان ۱۵۵۵ء تک حکمران رہا۔)

اکبر۔۔۔۔۔۱۵۵۶ء تا ۱۶۰۵ء

جہانگیر۔۔۔۔۱۶۰۵ء تا ۱۶۲۷ء

شاہ جہاں۔۔۔۱۶۲۷ء تا ۱۶۵۸ء

(معزول کیا گیا)

اورنگ زیب (عالم گیر اول)۔۔۔۔۱۶۵۸ء تا ۱۷۰۷ء

بہادر شاہ (شاہ عالم اول)۔۔۔۔۔۔۱۷۰۷ء تا ۱۷۱۲ء

جہاندار شاہ۔۔۔۔۱۷۱۲ء

فرخ سیر۔۔۔۔۱۷۱۲ء تا ۱۷۱۸ء

محمد شاہ۔۔۔۔۱۷۱۹ء تا ۱۷۴۸ء

(برائے نام بادشاہوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے)

احمد شاہ۔۔۔۔۱۷۴۸ء تا ۱۷۵۴ء

عالم گیر دوم۔۔۔۔۱۷۵۴ء تا ۱۷۵۹ء

شاہ عالم دوم۔۔۔۔۱۷۵۹ء تا ۱۸۰۶ء

اکبر شاہ دوم۔۔۔۔۱۸۰۶ء تا ۱۸۳۷ء

بہادر شاہ ظفر۔۔۔۔۱۸۳۷ء تا ۱۸۵۷ء

(رنگون میں شاہی قیدی کی حیثیت سے ۱۸۶۲ء تک زندہ رہا)

ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کے عہد میں

بنگال کے گورنر

کلائیو۔۔۔۔۱۷۵۸ء تا ۱۷۶۰ء

جے۔زیڈ ہالویل۔۔۔۱۷۶۰ء (قایم مقام)

ایچ۔وینسٹارٹ۔۔۔۔۱۷۶۰ء تا ۱۷۶۴ء

لارڈ کلائیو (دوسری دفعہ)۔۔۔۱۷۶۵ء

ہنری ورلسٹ۔۔۔۔۱۷۶۷ء تا ۱۷۶۹ء

جون کارٹیئر۔۔۔۔۱۷۶۹ء تا ۱۷۷۲ء

وارن ہیسٹنگز۔۔۔۱۷۷۲ء

گورنر جنرل

وارن ہیسٹنگز۔۔۔۔۱۷۷۴ء تا ۱۷۷۵ء

سر جون میکفرسن۔۔۔۱۷۷۵ء (قائم مقام)

کارنوالس۔۔۔۔۱۷۷۶ء تا ۱۷۹۳ء

سر جان شور۔۔۔۔۱۷۹۳ء تا ۱۷۹۸ء

سر آلیور ڈ کلارک ۔۔۔ ۱۷۹۸ء (قائم مقام)

ویلزلی ۔۔۔۔۔ ۱۷۹۸ء تا ۱۸۰۵ء

کارنوالس (دوسری دفعہ) ۔۔۔ ۱۸۰۵ء

سر جارج بارلو ۔۔۔۔ ۱۸۰۵ء تا ۱۸۰۷ء (قائم مقام)

لارڈ منٹو ۔۔۔۔۔ ۱۸۰۷ء تا ۱۸۱۳ء

لارڈ ہیسٹنگز ۔۔۔ ۱۸۱۳ء تا ۱۸۲۳ء

جون ایڈم ۔۔۔۔ ۱۸۲۳ء (قائم مقام)

لارڈ ایمہرسٹ ۔۔۔۔ ۱۸۲۳ء تا ۱۸۲۸ء

ولیم بڈورتھ بیلی ۔۔۔۔ ۱۸۲۸ء (قائم مقام)

ولیم بنٹنگ ۔۔۔ ۱۸۲۸ء تا ۱۸۳۵ء

سر چارلس مٹکاف ۔۔۔۔ ۱۸۳۵ء (قائم مقام)

لارڈ آک لینڈ ۔۔۔۔ ۱۸۳۶ء تا ۱۸۴۲ء

لارڈ ایلن برا ۔۔۔۔ ۱۸۴۲ء تا ۱۸۴۴ء

لارڈ ہارڈنگ ۔۔۔۔ ۱۸۴۴ء تا ۱۸۴۸ء

لارڈ ڈلہوزی ۔۔۔۔ ۱۸۴۸ء تا ۱۸۵۶ء

لارڈ کیننگ ۔۔۔۔ ۱۸۵۶ء تا ۱۸۶۲ء

(۱۸۵۸ء میں تاجِ برطانیہ کا پہلا وائسرائے مقرر ہوا۔)

---

## پڑھنے والوں سے

**کمپوزنگ: حبیب اللہ**

marxists.org کا اردو سیکشن آپ کا بہت شکر گزار ہوگا اگر آپ ہمیں اس کتاب کے مواد کے بارے میں اپنی رائے لکھیں۔ اس کے علاوہ بھی اگر آپ کوئی مشورہ دے سکیں تو ہم آپ کے شکر

گزار ہوں گے۔

## اپنی رائے کے لئے درج ذیل پتے پر ای میل کریں:

hasan@marxists.org

اس کے علاوہ اگر آپ اردو یا کسی اور زبان کے سیکشن کے لئے اپنی خدمات رضا کارانہ طور پر پیش کرنا چاہیں تو انسانی علمی ترقی میں آپ کا حصہ قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے۔

---

یہ ایڈیشن مارکسسٹ انٹرنیٹ آرکائیو اردو سیکشن کے لئے ابن حسن نے ترتیب دیا۔